

164

تذکرہ  
صوفیائے  
سیندھ

اعجاز الحق قدوسی

اردو اکیڈمی سیندھ کراچی



تاریخ - 164

تذکرہ

511

صوفیہ پائے سید

عجاز الحق قدوسی

اردو اکیڈمی سندھ

بندر روڈ - کراچی



(جمہ حقون حق مولف محفوظ)

53125

کتابت \_\_\_\_\_ عزیز آفانی  
مطبوعہ سپر آرٹ انگریز پریس - کراچی  
بار اول نومبر ۱۹۵۹ء  
تعداد ایک ہزار

قیمت :- سات روپے

پنجاب افیس  
الڈومسٹری  
گنپت روڈ - لاہور



اُن خوشگوار یادوں  
اور  
لا محدود محبتوں کے نام

جو  
آغا بدر عالم ڈرائی سائیک اسپیکر سندھ اسمبلی  
اور  
مبین الحق صدیقی ممبر سینیٹ، کراچی یونیورسٹی  
سے وابستہ ہیں

جو دلوں کو فتح کر لیں وہی فاتحِ زمانہ  
اعجاز الحق قدوسی



# تعارف

مسلمانوں کے عروج و زوال اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ساری داستان تاریخ تصوف سے مرتب کی جاسکتی ہے۔ ارباب تصوف نے نہ تو شمشیر و سناں استعمال کی اور نہ تنگی تلواریں لے کر اسپ تازی پر سوار منگولوں کی طرح ملکوں کو تباہ و برباد کرتے پھرے۔ ان کا طریقہ سب سے الگ تھا۔ وہ محبت انسانیت، مساوات، رواداری، حسن اخلاق اور وسیع النظری سے لوگوں کے دلوں میں محبت اور سچائی کے جذبات پیدا کر کے ان کی زندگیوں کی کاپی کلپ کر دیتے تھے۔

ہر سچا انقلاب پہلے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور بعد میں وہ خارجی روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ انقلاب جو اس کے برعکس شروع ہوتا ہے بہت جلد سراب بن کر رہ جاتا ہے۔ تصوف کی تاریخ انسان کے دل و دماغ کے انقلاب کی تاریخ ہے۔ عرفان ذات اور خود آگاہی سے انسان حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے اور جب عرفان ذات کے ذریعہ انسان حقیقت کو دیکھنے، بھی لگے تو یہ وہ درجہ ہوتا ہے جہاں سے فلسفہ اور عمل ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت سے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ابن سینا جب دینا پور میں حضرت ابوسعید ابوالخیر سے ملے تو دوران ملاقات میں انھوں نے کہا کہ ”جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ دیکھتے ہیں“ یہ فقرہ بظاہر بہت معمولی سا دکھائی دیتا ہے لیکن عرفان ذات کی اس عظیم ترین بلندی کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں حقیقت، فرد کی ذات، کا جزو بن جاتی ہے۔ شیخ علی ہجویری نے ”کشف المحجوب“ میں عرفان ذات کی اسی عظمت کو حقیقت کی آفری منزل قرار دیا ہے۔ مولانا روم نے اس مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ :-



”شریعت ہچوں شمعے است کہ راہ می نماید۔ چوں در راہ آمدی این

رفتن تو طریقت است و چوں بہ مقصود رسیدی آن حقیقت است“

تصوف تلاش حقیقت کے عمل کا نام ہے۔ عظیم باطن تصوف کی بنیاد ہے اور عشق و محبت اس کا اصل مقام۔ علم اور عمل، عرفان ذات اور خود آگاہی کے ذریعہ حقیقت تک پہنچنا تصوف کی معراج ہے۔

ابتدا میں تصوف پر خالص شریعت کا غلبہ تھا لیکن جیسے جیسے اسلام مختلف ملکوں میں پھیلتا گیا ویسے ویسے مختلف اثرات طریقت میں شامل ہوتے ہو گئے اور انہیں اثرات نے نئے نئے تصورات کی شکل اختیار کر کے مختلف سلسلوں کی بنیاد ڈالی۔ کوئی نقشبندیہ کہلایا اور کوئی قادریہ اور چشتیہ کہلایا۔ ہندوستان اور مشرق وسطیٰ میں تصوف پر ہندی ویدانت اور نوافلاطونی فلسفہ کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح تصوف نے ہر ملک و قوم کے مزاج، اس کے رسم و رواج اور فلسفہ سے اچھے اور کارگر عناصر لے کر اور اس میں زندگی کی نئی روح پھونک کر اسے ذہن انسانی کے فہم سے قریب تر کر دیا اور اس میں ایسی کشش و گیرائی پیدا کر دی کہ تصوف ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا جس نے انسانی قلوب پر حکمرانی کر کے بڑے بڑے سلاطین کو اپنے آستانے پر جھکنے پر مجبور کیا۔ مولانا روم کے والد مولانا بہاء الدین بیکتائے روزگار تھے۔ امیر و غریب ان کے حلقہ بگوش تھے۔ محمد خوارزم شاہ بھی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن جو پہنچا تو دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں کا مجمع لگا ہے۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ امام رازی ساتھ تھے۔ فرمانے لگے ”اگر اس کا تدارک ابھی نہ کیا گیا تو پھر مشکل پڑے گی“ خوارزم شاہ نے قلعہ اور خزانے کی کنجیاں بھجوا دیں اور کہلا بھیجا کہ اسباب سلطنت میں سے صرف یہی میرے پاس رہ گئی ہیں وہ آپکی نذر ہیں۔ ارباب تصوف کا یہی وہ اثر تھا جس سے وہ لوگ شاہ وقت کے مقابلے میں ایک نئی قوت بن گئے تھے۔ ارباب تصوف کا یہ کمال رہا ہے کہ انہوں نے عرفان ذات اور داخلیت پر زور دینے کے باوجود کبھی تصوف کو نہ تو منفی رجحانات کا حامل بننے دیا اور نہ کبھی فراریت اور ترک دنیا کی طرف مائل کیا اور جب اقتدار زمانہ سے اس میں منفی



اندازِ فکر اور ترکِ دنیا کا تصور داخل ہوا تو اس کا یہ اثر زائل ہو گیا اور اس کی قوت ضعیف ہو گئی۔ عیسائی تصوف میں خیال اور ہستی کو الگ الگ رکھ کر دیکھا اور سمجھا گیا ہے۔ اسپونوزا سے لیکر ہیگل تک سارے عیسائی فلسفیوں کے ہاں یہی رجحان ملتا ہے۔ انیسویں صدی میں کیرک گارڈ نے خیال اور ہستی کو ایک دوسرے میں جذب کرنے کی کوشش کی لیکن اسلامی فلسفہ تصوف شروع ہی سے خیال و ہستی کو لازم و ملزوم سمجھتا رہا ہے اور اس نے خیال کو عمل کے ساتھ متصف سمجھا ہے اور تصوف کو شریعت کی طریقت سمجھ کر پروان چڑھایا ہے۔ اسلامی تصوف میں شروع ہی سے فعال قوت کا احساس ہوتا ہے فرد، عرفانِ ذات کے ذریعہ خود کو کامل بنا کر حقیقت تک پہنچنے کی سعی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر گرد و پیش، ماحول، دنیوی معاملات اور انسانیت کو نظر انداز کر کے بیچ آفت نہ رسد گوشہ رتنہائی را کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے تو ایسے میں عرفانِ ذات سے انسانیت کو کیسے مستفیض کیا جاسکتا ہے اور اصل حقیقت تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ تصوف کی تخلیقی قوتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تصوف نے فلسفہ کو ایک نئی آگاہی اور نیا شعور عطا کیا اور اس کے سامنے بہت سے ایسے مسائل لاکھڑے کئے جن پر رسول ذہنِ انسانی غور و فکر کرتا رہا۔ وحدت الوجود، جبر و اختیار، ہستی مطلق، فنا و بقا وغیرہ فلسفہ تصوف ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

سنہ ۵۰۷ء میں خلافت نبو امیہ سے بنو عباس میں پہنچ گئی اور دار الخلافہ دمشق کے بجائے بغداد قرار پایا۔ اسی زمانے میں عربوں کا نیا دار السلطنت سندھ کے قریب ہو گیا۔ اس سے سندھ کی زندگی میں گہما گہمی پیدا ہو گئی اور اسلامی علماء و حکماء اور بزرگانِ دین مختلف علاقوں سے سمٹ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کچھ ہی عرصہ بعد بوعلی سندھی جیسے بزرگ ہمیں اس سرزمین میں نظر آنے لگتے ہیں۔ بوعلی سندھی وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق مولانا جامی نے حضرت بایزید کے حوالہ سے نجات الانس میں لکھا ہے کہ "میں نے علم توحید اور فنا بوعلی سندھی سے سیکھے اور اسلامی توحید بوعلی سندھی نے مجھ سے سیکھی" محمود غزنوی کے حملوں کے بعد سے مسلمانوں



کی آمدورفت کا سلسلہ اور بڑھ گیا اور جب شہاب الدین محمد غوری نے دہلی پر قبضہ کیا اور یہاں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت مستحکم ہو گئی تو مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا وغیرہ سے بھی علماء اور مفکرین وغیرہ آکر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وسطی ایشیا میں منگولوں کے حملوں نے ہر طرف تباہ کاری مچا رکھی تھی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر کے ہر گوشے میں صوفیائے کرام اور بزرگان دین اپنے اپنے حسن اخلاق رواداری اور انسان دوستی کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرتے نظر آ رہے ہیں۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی کی یہ کتاب سندھ کے ان صوفیائے کرام کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے طور پر انسانیت کا درس دیا اور رواداری انسان دوستی و محبت سے ذہن انسانی کو بدل کر اشاعتِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ سندھ میں طریقت کے تین سلسلے ہیں :- قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ۔ اس کتاب میں خاص طور پر انہی تین سلسلوں کے بزرگوں کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اردو میں اب تک کوئی کتاب اس طور پر اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی۔ قدوسی صاحب کی یہ کوشش قابل ستائش ہے۔

جمیل جالبی

۵ نومبر ۱۹۵۹ء



# فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۵	نظام اصلاح و تربیت	۲۲	خلفا	۱۷	اخذ
۵۶	استجابت و دعا		مخدوم آدم نقشبندی		پیش لفظ
۵۷	مریدین و خلفا		المعروف بہ مخدوم آدم	۱۹	جناب سید حامد الدین صاحب راشدی
۶۰	حجیرہ حضوری	۲۵	نام و نسب	۲۹	مقدمہ از مؤلف
۶۰	وفات	۲۶	بیعت		الف
۶۰	فضائل	۲۷	ریاضت و مجاہدے	۳۳	شیخ ابو تراب
۶۱	شاعری	۲۷	خلافت	۳۵	ایک سوال
۶۲	اولاد	۲۸	مبعضوں کی توقیر		درویش احمد و محمد
	درویش اسحاق	۲۸	فضائل	۳۷	حالات
	معروف بہ اسحاق پورہ	۲۹	وفات	۳۹	اتباع شریعت
۶۳	حالات	۲۹	اولاد	۴۰	شاہان وقت کو ملاقات کا اشتیاق
۶۳	مزار	۵۰	خلفا	۴۱	وفات
۶۳	وفات		مخدوم ابوالقاسم	۴۲	مخدوم احمد کی اولاد
	شیخ ابراہیم		معروف حضرت نقشبندی	۴۲	مخدوم محمد کی اولاد
۶۴	حالات	۵۱	نام - لقب - کنیت		مخدوم اسماعیل سومرہ
۶۴	مزار	۵۲	تعلیم و تربیت	۴۳	حالات
	ب		حضرت شاہ سیف الدین	۴۳	جو دو سخا
	مخدوم بلال تلمیٹ	۵۳	سے ملاقات	۴۳	ذکر الہی
۶۵	نام و وطن	۵۲	بیعت	۴۳	خدمتِ خلق
۶۵	ملاقات و تمنشینی	۵۲	مرشد کا ارشاد	۴۴	تلاوتِ کلام اللہ
۶۵	علوم ظاہری	۵۲	پیر کے ارشاد کی تعمیل	۴۴	وفات



۸۹	وضع و قطع	۷۷	ازدواج	۶۶	عبادت
۹۰	بزرگی	۷۷	ترک وطن اور وفات	۶۶	رشد و ہدایت
۹۱	مزار	۷۷	اولاد	۶۶	بزرگوں کی عقیدت
	حضرت شیخ محمد بن صفائی		شیخ جمیہ	۶۷	وفات
۹۲	ابتدائی حالات	۷۸	نسب و خاندان	۶۷	خلفا و مریدین
۹۲	توجہ شیخ	۷۹	کرامت	۶۸	شاعری
۹۲	استغنا	۷۹	مزار		درویش برکیہ کا تیار
۹۳	سراسر اذی	۸۰	فضائل	۶۹	حالات
۹۳	تصنیف		مخدوم شیخ جمعہ	۶۹	مجاہدات
۹۳	وفات	۸۲	حالات	۷۱	مزار
	درویش حسن مرقی	۸۲	وفات		حضرت شیخ پٹھادیلی
۹۴	حالات	۸۳	مزار	۷۲	نام و نسب
۹۵	وفات		بیچ	۷۲	بزرگی و عظمت
	شیخ خضر سیستانی	۸۴	درویش چرکس	۷۲	بیعت
۹۶	حالات	۸۴	نام و خاندان	۷۳	سندھ میں اردو کا پہلا فقرہ
۹۸	وفات	۸۵	حالات	۷۴	وفات
	قاضی حمیر الدین		مزار	۷۴	عس
۹۹	حالات		ح		ج
۹۹	وفات	۸۶	شیخ حماد جمالی		حضرت سید
	قاضی دتہ سیستانی	۸۶	نام و نسب		جلال الدین بخاری
۱۰۰	نام و نسب	۸۷	خانقاہ		جلال سرخ
۱۰۰	تعلیم	۸۸	طلباء کی تعداد	۷۶	نام و نسب
۱۰۱	تفسیر سے شغف	۸۹	مریدوں کا خیال	۷۶	بھکر میں شریف آدمی
			استجابت دعا	۷۶	بیعت
			مسجد مکی	۷۶	بزرگی و عظمت



۱۲۲	اولاد	۱۰۱	حضرت سید علی کی	۱۰۱	حافظہ
	سید شاہ عبداللہ حسینی		تشریف آوری کے متعلق	۱۰۱	شاہ حسن ارغون کی عقیدت
	مشہور بہ	۱۰۹	صاحب تحفۃ الکرام کا بیان	۱۰۱	مزار
	عبداللہ صاحب ابی	۱۱۲	طلالت شان		س
۱۲۳	نام - لقب	۱۱۲	مزار		حضرت میاں سید علی
۱۲۳	خاندان	۱۱۲	اولاد		کلاں شیرازی
۱۲۳	سندھ میں تشریف آوری		پیر صلاح الدین	۱۰۴	ولادت
۱۲۴	عبادت	۱۱۶	حالات	۱۰۲	پیر کی دعا
۱۲۴	وفات	۱۱۶	وفات	۱۰۲	اولاد
	مزار مبارک کی		ع	۱۰۳	وفات
۱۲۵	جدید تعمیر		ملا عبدالرحمن لکڑ	۱۰۳	فضائل
۱۲۵	کرامت	۱۱۸	نام و وطن		حضرت میاں سید علی
	سید عبدالکریم	۱۱۸	عظمت		ثانی شیرازی
۱۲۶	نسب و خاندان	۱۱۸	مزار	۱۰۵	خاندان
۱۲۶	ولادت		شیخ عیسیٰ لنگوٹی	۱۰۵	مدینہ طیبہ میں حاضری
۱۲۶	تعلیم طریقت	۱۱۹	ابتدائی حالات	۱۰۶	سجادت و فیاضی
۱۲۶	بیعت	۱۱۹	ممعصروں سے ملاقاتیں	۱۰۶	رشد و ہدایت
۱۲۸	بگڑی میں قیام	۱۲۰	شاعری	۱۰۶	تصانیف
۱۲۸	عبادت	۱۲۰	وفات	۱۰۶	شہنشاہ ہمایوں کی عقیدت
۱۲۹	تہجد		مخدوم عربی دیانہ	۱۰۶	وفات
۱۲۹	پیر بھائیوں کی محبت	۱۲۱	خاندان	۱۰۶	اولاد
۱۳۰	مرشد کا فیض	۱۲۱	تلاوت قرآن		ص
۱۳۱	اطاعت مرشد	۱۲۱	خوش الحانی		حضرت شاہ صدر
۱۳۱	وفات	۱۲۱	عبادت	۱۰۸	نام و خاندان
۱۳۱	خلفار	۱۲۲	وفات	۱۰۹	لکھنوی سادات



		۱۳۲	بیعت لینے کا طریقہ	۱۵۹	مخالفین سے
۱۸۶	صوفی شاہ		مریدوں کی تعلیم	۱۶۱	حسن سلوک
۱۸۶	عنایت اللہ		سماع	۱۶۱	وفات
۱۸۸	نام و نسب	۱۳۳	درس و تدریس	۱۶۲	فضائل
	ولادت	۱۳۵	تصانیف	۱۶۲	<b>ف</b>
	بیعت	۱۳۵	وفات	۱۶۳	شاہ فقیر اللہ علوی
۱۸۹	علوم ظاہری	۱۳۶	اولاد	۱۶۳	نام و نسب
۱۸۹	ٹھٹھہ میں تشریف آوری	۱۳۶	خلفا	۱۶۳	تعلیم
۱۸۹	جھوک میں قیام	۱۳۷	قاضی عبدالرحمن شہید		بیعت
۱۸۹	اس زمانے کا ماحول	۱۳۸	مخدوم کھوڑا		قندھار میں قیام
۱۹۰	واقعہ شہادت	۱۳۹	خاندان و وطن	۱۶۵	شکار پور میں قیام
۱۹۰	مزار	۱۳۸	استقامت دین	۱۶۶	رشد و ہدایت
۱۹۰	اولاد	۱۳۸	شہادت کا واقعہ	۱۶۷	شاہان وقت کی عقیدت
	مریدین و معتقدین	۱۳۹	شہادت	۱۶۸	علمائے عصر سے
۱۹۱	شیخ عیسیٰ جند اللہ		مرثیہ	۱۶۹	تعلقات
۱۹۲	نام و نسب	۱۵۶	اولاد	۱۷۰	کرب خانہ
۱۹۲	ترک وطن	۱۵۶	شاہ عبداللطیف بھٹائی		تصانیف
۱۹۵	ولادت	۱۵۷	نام و نسب	۱۷۲	شاعری
۱۹۶	تعلیم	۱۵۷	ولادت	۱۷۵	وفات
	سفر	۱۵۷	تعلیم	۱۷۵	<b>ق</b>
	چچا کا خط	۱۵۸	بھٹ میں قیام	۱۷۶	درویش قطب
۱۹۷	بیعت	۱۵۸	شاہ جور سالو	۱۷۸	ارادت
	ریاضتیں اور مجاہدے	۱۵۸	غریبوں کی محبت	۱۷۸	بوہک میں
۱۹۷	اطاعت شیخ	۱۵۹	وطن کی محبت	۱۷۹	تشریف آوری
۱۹۸	توکل و استغناء	۱۵۹	شاعری	۱۸۰	وطن و مدفن



۲۱۹	۲۰۹	تبیغ دین	ل
۲۱۹	۲۱۰	مراد کا لقب	مخدوم لعل شہباز
	۲۱۱	مسجد صفحہ کی تعمیر	قلندر سیوتانی
		تبیغی کوششوں	نام و نسب
	۲۱۲	کے ثمرات	وطن
۲۲۰	۲۱۲	وفات	ولادت
۲۲۰	۲۱۳	نماز جنازہ	بیعت
۲۲۱	۲۱۳	خلفاء	سیاحت
۲۲۱	۲۱۳	فضائل	خان شہید کی عقیدت
۲۲۱		شیخ موسیٰ آمیدانی	سندھ میں تشریف آوری
۲۲۲	۲۱۵	حالات	پہلی برکت
۲۲۲		سید شاہ سکین	رشد و ہدایت
۲۲۳	۲۱۶	نام و حالات	جذب و سکر
	۲۱۶	علوئے مرتبت	علم و فضل
۲۲۷	۲۱۶	عبادات	شاعری
	۲۱۶	رشد و ہدایات	وفات
۲۲۵	۲۱۷	شہادت	روضے کی تعمیر
		سید میر کلال	فضائل
۲۲۶	۲۱۸	نام و نسب	۳
۲۲۷		سندھ میں	حضرت سید محمد حسین
	۲۱۸	تشریف آوری	معروف بہ
۲۳۱		حضرت شہباز قلندر	پیر مراد
۲۳۲	۲۱۸	کی عقیدت	نام و نسب و
۲۳۳	۲۱۹	زہد و عبادت	خاندان
	۲۱۹	فقراء و مسکین کا خیال	ولادت



۲۴۰	ولادت	۲۲۸	شاعری	میر محمد یوسف
۲۴۰	تعلیم و تربیت	۲۵۰	علوئے مرتبت	رضوی
۲۴۰	اساتذہ کا ادب	۲۵۱	وفات	خاندان
۲۴۱	رشد و ہدایت	۲۵۲	تاریخائے وفات	بیعت
۲۴۱	خلفاء		مخدوم محمد زماں	کھٹھہ میں
۲۴۲	تصانیف		اول	تشریف آوری
۲۴۲	وصال	۲۵۶	نام و خاندان	بزرگوں کا اعتراف
۲۴۳	سجادگی	۲۵۶	ولادت	شاعری
۲۴۴	اولاد	۲۵۶	تعلیم	ازدواج و اولاد
	شیخ الشیوخ	۲۵۷	بیعت	تربیت
	حضرت نوح	۲۵۸	خلافت	مدفن
	بھکری		لواری میں	مخدوم محمد معین
۲۴۸	حالات	۲۵۸	تشریف آوری	کھٹھوی
۲۴۸	بیعت		شاہ عبداللطیف کی	نام و نسب
۲۴۹	مزار	۲۵۹	حاضری	وطن
۲۴۹	فضائل	۲۵۹	شاہ کی عقیدت	تعلیم
	سید نظام	۲۶۰	مریدوں کی تربیت	بیعت
	بھکری	۲۶۰	شب بیداری	صوفی شاہ عنایت سے
۲۸۰	حالات	۲۶۱	اتباع شریعت	عقیدت
۲۸۰	سماع	۲۶۱	جود و سخا	شاہ عبداللطیف بھٹائی
۲۸۱	مزار	۲۶۲	وفات	سے عقیدت
	حضرت مخدوم نوح	۲۶۲	خلفاء و مریدین	مدفن
	الائی	۲۶۲	اولاد	اہل کھٹھہ کی
۲۸۲	نام - نسب - خاندان		پیر محمد راشد	عقیدت
۲۸۳	ولادت	۲۶۳	نام و نسب	تصانیف



۳۳۰	۳۲۰	ادبِ رسول	۲۸۲	تعلیم
۳۳۰	۳۲۲	وفات	۲۸۶	عبادت
		لا	۲۸۷	توکل
	بی بی	شیخ الشیوخ	۲۸۸	استجابت دعا
	جمال خاتون	ہونی لاکھا	۲۸۸	اتباع شریعت
	سیوستانی			خدمتِ خلق
۳۳۱	۳۲۳	حالات	۲۸۹	تصنیف
۳۳۱	۳۲۳	ریاضت و عبادات	۲۹۰	پیلا مرید
۳۳۱	۳۲۳	کرامت	۲۹۱	ملفوظات
	وفات	اولاد	۲۹۱	علوئے مرتبت
	بی بی رانی	مزار	۲۹۲	وفات
۲۳۲	۳۲۲	حالات	۲۹۲	ازدواج و اولاد
	بی بی فاطمہ	ی	۲۹۶	یارانِ مخدوم نوح
	معروف بہ	درویش یعقوب	۲۹۶	
	بی بی حاجیانی	پلیچ	۲۹۸	
۳۳۲	۳۲۵	حالات		و
۳۳۲	۳۲۶	وفات		درویش و ہمیہ
۳۳۲		خواتین	۳۱۹	حالات
۳۳۵		بی بی تاری	۳۱۹	مجتبِ رسول
	مدفن	نام و خاندان		اُمراء اور اہل حکومت
	بی بی	خشیت الہی	۳۲۰	پر اثر
	نور بھری	روزہ	۳۲۰	طریقہ اصلاح
۳۳۴	۳۲۹	حالات		



Handwritten text in Urdu script, appearing as a vertical column on the left side of the page.

Handwritten text in Urdu script, appearing as a horizontal line near the top of the page.



# آئندہ

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی	تحفہ اکرام فارسی	۱
خان بہادر خدا داد خاں	تُب تاریخ سندھ	۲
میر معصوم بھکری	تاریخ سندھ	۳
سید عبدالقادر	حدیقۃ الاولیاء تسلی	۴
شیخ فرید بھکری	ذخیرۃ الخزانین تسلی	۵
شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹھوی	ہیئت العالم تسلی	۶
شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹھوی	تحفۃ الطاہرین	۷
میر علی شیر قانع ٹھٹھوی	مقالات الشعراء	۸
مرتبہ سید حسام الدین راشدی	حواشی مسکلی نامہ	۹
محمد صالح بن طاز کریا ٹھٹھوی	معارف الانوار	۱۰
شیخ حسین صفائی ٹھٹھوی	تذکرۃ المراد	۱۱
مولانا دین محمد وفائی مرحوم	تذکرہ مشاہیر سندھ قلمی	۱۲
نفس علی	مرغوب الاحباب قلمی	۱۳
میاں نور محمد کلھوڑا	منشور الرصیت	۱۴
مترجمہ مخدوم امیر احمد	تحفۃ اکرام (سندھی)	۱۵
مخدوم محمد معین ٹھٹھوی	دراسات البلیب	۱۶
مخدوم ابراہیم غیلانی	تکلمۃ مقالات الشعراء	۱۷



سید مطیع اللہ راشد بریلوی	برہان پور کے سندھی اولیاء	۱۸
(شہید نمبر) سندھی	رسالہ نمین زندگی	۱۹
سندھی ادبی بورڈ	رسالہ مہراں	۲۰
(شاہ صدر نمبر)	روزنامہ اخبار مہراں (سندھی)	۲۱
سید صباح الدین	بزم صوفیاء	۲۲
شیخ اکرام	موج کوثر	۲۳
شیخ عبدالحق	اخبار الاخیر	۲۴
میرک یوسف	منظہر شاہ بہانی قلمی	۲۵
حاجی پنخور	دلیل الذاکرین قلمی	۲۶
سید علی گوہر حسینی	خزینۃ المعرفة قلمی	۲۷
خلیق نظامی	تاریخ مشائخ چشت	۲۸
مولانا غلام رسول مہر	سیرت سید احمد شہید	۲۹
سید جمال الدین شرازی قنوی	ترجمان نامہ	۳۰
شیخ رکن الدین	لطائف القدوسی	۳۱
	تاریخ اسلام	۳۲



# پیش لفظ

جناب سید حام الدین راشدی صاحب

مولانا اعجاز الحق قدوسی ۱۹۵۲ء میں ہمارے ادارے "سندھی ادبی بورڈ" میں اس لئے مقرر ہوئے تھے، کہ "تاریخ سندھ" کے سلسلہ میں ہم جس مواد کی نشاندہی کریں، وہ اس کو سلیقے سے نقل کر کے فائلوں میں منسلک کرتے جائیں۔ خیال یہی تھا کہ مولانا اپنے ہمسکاردوں ہی کی طرح دستری اوقات تک، سندھ اور اس کی تاریخ سے سروکار رکھیں گے۔ جہاں وقت ختم ہوا اور یہ دوسرے غیر علمی مشاغل میں مصروف رہ کر زندگی جیسی قیمتی چیز کو صرف بلکہ ضائع کرتے رہیں گے۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس نکلا۔ ایک عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ دستر میں رہنے سے ان کا مطمح نظر یا مقصد فقط تنخواہ حاصل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندگی کے قیمتی اوقات کو دفتر سے باہر رہ کر بھی، علمی مشاغل اور مصروفیتوں میں صرف کرتے ہیں۔

مولوی صاحب چونکہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ایک بہت بڑا علمی پس منظر ان کی پشت پر ہے۔ خدا جلنے



یہ اس کا اعجاز ہے ، یا میرے عزیز وطن ، یعنی سرزمینِ سندھ کی تاریخی ، علمی ، ادبی اور روحانی ماضی کی کشش تھی کہ مولوی صاحب نے ہمارے دفتر سے متعلق ہونے کے بعد اسی سرزمین کی تاریخ اور ماضی کی علمی ، ادبی اور دینی عظمتوں کو اجاگر کرنے کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کر لیا۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سندھ کی تاریخی کہانیاں ہے۔ جو شائع ہوتے ہی اپنی دلچسپی اور دلآویزی کی وجہ سے ، قبولِ عام کا شرف حاصل کر چکی ہے۔ سندھ کے فارسی گو شعراء پر انھوں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آئے گی۔ جدید تاریخِ سندھ کی تدوین بھی ان کے پیش نظر ہے۔ تصوف چونکہ ان کا خاندانی ورثہ ہے ، اور ذاتی طور پر وہ خود بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں ، اس لئے اس ذوق کی تسکین کے لئے انھوں نے "تذکرہ صوفیائے سندھ" بڑی کاوش، تحقیق اور تلاش سے مرتب کیا ہے۔ جس کو آئندہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان کی یہ کتاب سندھ کے مختلف مسلوں کے اکابر صوفیائے کرام سے متعلق ہے۔ جن کی ذات گرامی، گفتار و کردار ، فکر و عمل ، حق پرستی اور صداقت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

سندھ کو ہند و پاک کے گوشے گوشے پر نہ صرف اس لئے برتری حاصل ہے کہ یہ خطہ قدیم ترین تہذیب اور تمدن کا حامل ہے ، بلکہ افضلیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس صدی میں عرب کے ریگ زار میں کلز توحید کی صدا گونجی ،



عین اسی صدی میں ہی اس سرزمین نے بھی اُس صدا پر لبیک کہہ کر اپنے آپ کو اسلام کے آغوش میں ڈال دیا۔ اسلام نے جو دینی اور دنیوی نعمتیں اپنے ماننے والوں کو بخشیں ان کے حصول میں بھی یہ ملک اور اس ملک کی قوم، ہند و پاک میں سب سے پہلے پیش پیش رہی۔

جس زمانے میں تصوف کی داغ بیل عرب میں پڑی، اسی دور میں یہاں بھی اس کی نشوونما ہوئی۔ بہت سے اکابر صوفیا اور جلیل القدر بزرگ انہیں ابتدائی صدیوں میں یہاں پیدا ہونے کے جن کی کشش اور جذب نے دوسرے ممالک کے صوفیائے کرام کو بھی فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

عرب، عراق اور عجم سے جو صوفیائے کرام ہندوستان اور پاکستان کی طرف آئے۔ ان میں سے زیادہ تر یہاں سے ہوتے ہوئے پھر دوسرے گوشوں کی طرف عازم ہوئے۔ اور کتنے اہل اثر و بیسے بھی ہیں جو یہاں آتے ہی یہاں کے ہو گئے، شیخ ترابی شیخ فوح بھکری اور شیخ عثمان مزیدی اسی خاک میں پیوست ہوئے۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، جب ہندوستان تشریف لائے، تو وہاں جانے سے پیشتر اپنے مرشد حضرت عثمان ارونی کی معیت میں سندھ پہنچے، اور سیوہن میں رہ کر وہاں کے عارف کامل شیخ سعد الدین محمد احمد سیوستانی سے سلوک کے مقامات طے کئے۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر حضرت ہارونی علیہ الرحمۃ کے چلا کشی کا حجرہ ابھی تک سیوستان کی پہاڑی پر



موجود ہے۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر اپنے پیر و مرشد حضرت  
 بختیار کاکی کی ہدایت پر جب علوم ظاہری و باطنی کے لئے عازم  
 سفر ہوئے تو آپ سیستان میں بھی تشریف لائے۔ یہاں اس  
 دور کے شیخ کبیر حضرت ابو عبد الدین اور یہاں کے کئی دوسرے  
 اولیائے کبار سے ملاقاتیں کیں اور بہت کچھ ان سے حاصل کیا۔  
 شیخ زکریا سندھی اور شیخ عصارہ سیستانی، آپ ہی کے دوستھی  
 خلفاء ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے نعل شب چراغ حضرت شیخ  
 نصیر دہلوی بھی یہاں تشریف لائے۔ وہ اس وقت یہاں  
 موجود تھے، جب سلطان محمد تغلق نے ٹھٹھہ کے قریب وفات  
 پائی۔ سلطنت ہند کا تاج فیروز کے سر پر آپ ہی نے یہاں  
 رکھا اور یہیں سے آپ حضرت قطب الدین کی ملاقات کو،  
 ہانسی تشریف لے گئے۔ حضرت جلال الدین سمرخ بخاری  
 جب اپنے وطن سے نکلے تو سب سے پہلے بھکر پہنچے،  
 اور وہاں کے جید صوفی حضرت سید بدر الدین کی صاحبزادی سے  
 عقد کیا۔ اسی بی بی کے بطن سے سید احمد کبیر ولد ہونے لگے۔  
 جن کے صاحبزادے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ حضرت  
 جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کا اس سرزمین سے بہت ہی  
 گہرا تعلق رہا ہے۔ سلطان فیروز اور سلاطین سندھ کے درمیان  
 آپ ہی کی کوششوں سے صلح ہوئی اور آپ کے دو صاحبزادے  
 سید صدر الدین اور سید ناصر الدین بھی بھکر میں مدفون ہوئے۔  
 حضرت شیخ بابو تاج الدین بھکری جو اپنے دور کے کابل ولی



ہیں، آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ شیخ بہار الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہروردی کی فرمائش پر جب عراق سے نکلے تو سب سے پہلے حضرت شیخ زوج بھکری سے ملاقات کے لئے بھکر پہنچے۔ لیکن شیخ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے ملتانی گئے لیکن سندھ میں آتے جلتے رہے۔

اگر اس طرح کے واقعات تاریخ سندھ سے جمع کئے جائیں تو ہند و پاک کا شاید ہی کوئی صوفی اور بزرگ نکلے جو سندھ نہ آیا ہو اور جس کا سندھ کی سرزمین کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے تعلق خاطر نہ ہو۔

سندھ کا یوں تو ہر قصبہ اور قریہ، بلکہ یوں کہیے کہ چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ تصوف اور عرفان، رشد اور ہدایت کا مرکز رہا ہے۔ لیکن خاص طور پر قدیم شہروں میں اور، دیبل سیوستان، منصورہ، مٹھہ، بھکر وغیرہ اور جدید شہروں میں روہڑی، ریل، لکھنوی، متعلوی، کالا، لواری، ٹلٹی اور بوبک وغیرہ کو اس سلسلہ میں ہمیشہ سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور یہی شہر تھے، جو عرفان و تصوف، اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس کے سرچشمہ بنے رہے، اور سندھ میں سماجی انقلاب لانے کا باعث ہوئے۔ اور یہیں کی فائز تھیں جن کے نظام اصلاح و تربیت نے نہ صرف اخلاقی قدروں کو بلند کیا، بلکہ ایمان اور عمل کی قوتوں کو اجاگر کر کے خدا شناسی کی فضا قائم کی، اور معصیت کے تمام سوتوں کو خشک



کر دیا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی جب کوئی ان شہروں میں پہنچتا ہے تو جو قلبی سکون، ذہنی راحت اور روحانی طہائیت وہاں میسر آتی ہے وہ اور کہیں ملنی مشکل ہے۔ اور یہ ساری برکت اسی گزرے ہوئے زمانے کی وجہ سے ہے۔

سندھ میں صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے تذکرے کتنے کہاں کہاں اور کب کب لکھے گئے اس کا کچھ علم نہیں۔ سندھ کے علمی ذخائر ہر قرن اور ہر دور میں تباہ و برباد ہوتے رہے اس لئے نہ تو پورے تذکرے محفوظ رہے اور نہ ان کی نشاندہی آج کسی تاریخ سے ہو سکتی ہے۔ آج تک جو اس سلسلہ کی کتابیں ملتی ہیں یا جن کے نام بل کے ہیں وہ یہ ہیں :-

۱	تذکرہ اولیائے سندھ	علامہ قاضی محمود ٹھٹھوی
۲	حدیقۃ الاولیاء	عبدالقادر ٹھٹھوی
۳	تحفۃ الطاہرین	شیخ اعظم ٹھٹھوی
۴	تحفۃ الکریم جلد سوم	میر علی شیر قانع ٹھٹھوی
۵	معیار سالکان طریقت	"
۶	طوبار سلاسل	"
۷	تذکرۃ المراد	شیخ حسین صفائی ٹھٹھوی
۸	معارف الانوار	محمد صالح بن ملازکر یا ٹھٹھوی سنہ ۱۱۲۰ھ
۹	حیات محمد ہاشم	سیال قلام محمد ٹھٹھوی
۱۰	فردوس العارفین	بلوچ حسان تاپور سنہ ۱۲۰۱ھ



۱۱	مرغوب الاحباب	نظر علی تاپوہ	۱۲۶۴ھ
۱۲	عقار الضائر	خواجہ محمد سعید	۱۳۰۳ھ
۱۳	لطیفۃ التحقیق	سید رفیق علی پشنگی	۱۱۲۰ھ
۱۴	الجواہر البدائع	بلال	۱۲۲۱ھ
۱۵	عمدة المقامات	خواجہ فضل اللہ	
۱۶	زبدۃ المقامات	خواجگان نقشبندیہ	
۱۷	انیس المریدین	خواجہ حسن جان نقشبندی	
۱۸	انساب الانجاب	" "	
۱۹	مونس المخلصین	خواجہ شاہ آغا	
۲۰	حالات بزرگان سیوتان		
۲۱	حالات بزرگان صدیقی سیوتان		
۲۲	تذکرہ مشائخ سیوتان	عبد الغفور سیوتانی	
۲۳	رسالہ سیر قلندری	خضر علی سیوتانی	
۲۴	گلشن اولیاء		(۱۲ صدی)
۲۵	اولیائے سیوتان		
۲۶	دلیل الذاکرین	عاجی پنهور	
۲۷	کنوس فخریہ		
۲۸	قلندر نامہ		
۲۹	انوار قلندری	حالات مشائخ بکیرانی	(بعد ۱۲۸۴ھ)
۳۰	اذکار قلندری		
۳۱	تذکرۃ مخادیم کھڑا		



۳۲	مناقب غوثیہ	مشاق معلوی
۳۳	مناقب السادات	قاضی ہدایت اللہ بن میاں محمود بن میاں سعید معلوی <sup>۱۳۱۵ھ</sup>
۳۴	کواکب السعادات	مشاق معلوی
۳۵	لطائف لطیفی	میر عبدالحسین سانگی
۳۶	بیان العارفین	داروغہ کھر
۳۷	گلزار ابرار	غوثی مانڈوی
۳۸	ارشاد الطالبین	غلام رسول تشریحی ڈالانی
۳۹	سوانح حیات شاہ عثمان ذراشی	
۴۰	سوانح سید حیدر سنائی	
۴۱	ملفوظات حضرت پیر محمد راشد	
۴۲	ملفوظات حضرت پیر محمد صبغۃ اللہ راشدی	

مولانا قدوسی نے ، یہ کتاب ، ماخذوں کی کمی اور فقہان مواد کے باوجود بڑی محنت ، تلاش اور ممکن حد تک تحقیق کے ساتھ مرتب کی ہے۔ فلمی مواد ، مطبوعہ مواد جو حاصل ہونا ممکن تھا ، اس کو حاصل کیا ، پڑھا اور اس سے اپنے مطلب کی چیزیں لے کر بڑی عمدگی اور سلیقے سے اس تذکرے کی تکمیل کی ہے۔ جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اور خاص طور پر اس لئے بھی وہ ہم سب پڑھنے والوں کے شکرگزار ہی کے مستحق ہیں کہ اردو زبان میں سندھ کے صوفیاء پر کتاب لکھنے میں ادیت انہوں نے کی۔



مجھے یقین ہے کہ اُردو دان طبقہ ، جو سندھ کو سمجھنے اور جلتنے کا خواہشمند ہے ، اس کے لئے یہ کتاب بے حد مفید اور معاون ہوگی ، اور اُمید کرتا ہوں کہ مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح ، یہ کتاب بھی شائع ہوتے ہی قبولِ عام حاصل کرے گی ۔ آمین ۔

حام الدین راشدی

کراچی - ۲۵ فروری ۱۹۵۸ء







## مقدمہ

اسلام کے آفتاب نے ہندوستان میں جس سرزمین کو سب سے پہلے منور و تاباں بنایا وہ سندھ ہے۔ سندھ کو ہماری علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، میں اس زمانے میں جب کہ عرب میں علوم کا نشوونما ہو رہا تھا، ہندوستان میں سندھ اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہونے کی وجہ سے مرکز علم و فضل بن رہا تھا۔ اسی زمانے میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ، دیبل اور بھکر علوم اسلامیہ کے گہوار بنے ہوئے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ علم عمل کے سانچے میں ڈھل رہا تھا، اور اس خطہ ارضی میں وہ مردان حق آگاہ جنم لے رہے تھے جو عملی تصوف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے صوفی جن کا اجماع مذکورہ صاحب تحفہ اکرام نے کیا ہے، وہ حاجی ترابی ہیں، جو عہد بزر عباس میں یہاں کسی معزز عہدے پر فائز ہو کر آئے، اور تبع تابعین میں سے تھے۔

اس کے بعد تصوف کے جو سلسلے ہمیں سندھ میں ملتے ہیں وہ سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ ہیں۔ انہیں تین سلسلے کے بزرگوں نے یہاں خانقاہیں قائم کر کے رشد و ہدایت کے فیضان



کو عام کیا اور صدیوں ان کی خانقاہیں معرفتِ الہی، تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق کی تعلیم کا مرکز بنی رہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ سندھ کی ایک مستقل اور قدیم تاریخ تصوف ہونے کے بعد بھی ہمیں فارسی اور اردو کے قدیم تذکروں میں سندھ کے صوفیائے کرام کے متعلق جو مواد ملتا ہے، وہ اس قدر ناکافی ہے کہ یہاں کی تاریخ تصوف اور صوفیاء کے متعلق ہماری معلومات کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھتی اور نہ ابھی تک صوفیائے سندھ کا کوئی تذکرہ اردو میں مدون ہوا ہے کہ جو اس کمی کو پورا کر سکے۔

اس بنا پر میں نے اس کتاب میں سندھ کے مشاہیر صوفیائے کرام کے حالات کو ایک خاص ترتیب سے سہل اور سلیس اردو میں یک جا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں جن صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ انھیں مندرجہ بالا تین سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

واقعات کے انتخاب میں حتی الامکان اس کی کوشش کی گئی ہے کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ ان کی تبلیغی اور اصلاحی کوششیں سامنے آسکیں۔ اس کے علاوہ ان کی اخلاقی زندگی کے مختلف پہلو جو مجھے مل سکے۔ میں نے انھیں اس میں خصوصیت سے شامل کیا ہے کہ اسلاف کی زندگی کا یہ پہلو سیرت و کردار کی تشکیل میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔

ماخذ کے حوالے ہر جگہ فٹ نوٹس میں دیئے گئے ہیں، اور تقریباً ہر جگہ ضروری معلوماتی فٹ نوٹس کا اضافہ کر دیا ہے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو کس جگہ ذہنی الجھن واقع نہ ہو۔



مجھے اعتراف ہے کہ قارئین کو ان بزرگوں کے حالات میں یہ کمی محسوس ہوگی کہ میں اس تذکرے میں اکثر بزرگوں کے سلسلہ طریقت کو متعین نہ کر سکا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے قدیم تذکرے جو اس کتاب کے نکلنے وقت میرے پیش نظر رہے ہیں، ان میں اکثر بزرگوں کے متعلق یہ پہلو تشنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کمی مکمل طور پر اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ سندھ کے مشہور مؤرخ و تذکرہ نگار میر شیر علی قانع ٹھٹھوی کی کتاب "طواریک سلسل" شائع نہ ہو جائے۔ جس میں انھوں نے سندھ کے تمام صوفیاء کے شجروں کو نہایت کاوش سے مرتب کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب کا سب سے بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ سندھ میں نئے آباد ہونے والے مہاجرین کو سندھ کی قدیم ثقافت تہذیب و تمدن، روایات اور یہاں کی تاریخ سے واقف کرایا جائے تاکہ یہاں کے نئے بننے والوں اور قدیم باشندوں میں تعارف، ہم آہنگی اور خوشگوار ربط پیدا ہو۔

میں نے اس تذکرے کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور اپنے حسبِ مشائخ بغیر وقت کے ہر بزرگ کے حالات کو آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔ احسان ناشناسی ہوگی اگر میں آخر میں اپنے مخلص ترین دوست محقق سندھ سید حسام الدین صاحب راشدی کا شکر گزار نہ ہوں کہ انھوں نے اپنے کتب خانے سے نہایت ہی نایاب اور نادر ماخذ کے جن کے بغیر اس کتاب کی تکمیل ناممکن تھی بڑی فراخ دلی سے عنایت



فرما کر مجھے اپنا رہن منت بنایا اور ہر مشکل موقع پر اپنی وسیع تاریخی  
 معلومات اور گراں قدر مشوروں سے باوجود اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے  
 مستفید فرمایا، پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ اس کتاب پر ایک بصیرت افزا  
 پیش لفظ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کا یہ مخلصانہ تعاون میرے شامل  
 حال نہ ہوتا تو شاید اس کتاب کی تکمیل میرے لئے مشکل ہوتی۔

میں جناب محترم ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ پروفیسر سندھ یونیورسٹی کا بھی شکرگزار  
 ہوں کہ موصوف نے حضرت پیر محمد راشد کے حالات اس کتاب کے لئے  
 روانہ فرمائے کہ جن کے بغیر اس کتاب میں تشنگی محسوس ہوتی۔

میں اپنے عزیز دوست زیڈ۔ ایچ۔ انصاری سول ایجنٹ شیفر  
 مین پاکستان کراچی کا بھی ممنون ہوں کہ اس سے قبل انھوں نے  
 "سندھ کی تاریخی کہانیاں" لکھتے وقت اس کے لئے شیفر کا ایک  
 خوبصورت قلم عنایت فرما کر مجھے صاحب قلم بنایا تھا اور اس کتاب کے  
 لکھتے وقت اپنی علمی دلچسپیوں کی بدولت بعض مطبوعہ پیش قیمت  
 کتابوں سے نوازا کہ جن کے حوالے کی اس کتاب میں بحد ضرورت  
 تھی اور جو میرے لئے بحد کار آمد ثابت ہوئیں۔

میں اپنے عزیز دوست جمیل جاہلی کا بھی ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل کے  
 متعلق ان کے تعلق سے اور اشتیاق، سمنہ ناز پر اور ایک تازیانہ  
 ثابت ہوئے۔ ورنہ خدا جلنے یہ مسودہ کب تک معرض التواریخ

اعجاز الحق سندھوی

یکم جنوری ۱۹۵۱ء

کراچی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 مُحَمَّدًا وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

# ہندوپاکستان کے پہلے صوفی دور ویش

(۱)

## شیخ ابوتراب

معروف

## حاجی ترابی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی سیاست اور سماج کو جن اصولوں پر منظم کیا تھا، اُس کے اہم اجزا اخوت و مساوات و عدل تھے، اُس نظام میں حاکم و محکوم کا کوئی فرق نہ تھا، بلکہ حکومت کا سارا کام مسلمانوں کے مشورے سے ہوتا تھا، یہ وہ عادلانہ نظام تھا، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی نظامِ خلافت کو اسی نہج پر ترتیب دیا جو رسول اکرم نے چھوڑا تھا، خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ



کے عہد میں جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے اپنے پرے جمائے تو اس دور میں عہدِ خلفائے راشدین کی خصوصیات ختم ہو گئیں، مذہب اور سیاست کے راستے جدا جدا قرار دیئے گئے، اور اسلامی اجتماعی زندگی کا نظام بالکل بدل کر رکھ دیا گیا، حکومتِ بنی امیہ کی بے راہ روی کو دیکھ کر بہت سے بزرگوں نے اپنا تعلق حکومت سے منقطع کر لیا، اور ان بزرگوں کے حکومت کے دائرے سے نکل جانے کی وجہ سے حکومت کے نظام میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جو پھر پُر نہ ہو سکا، انھیں بزرگوں نے سب سے پہلے تصوف کے مرکز قائم کئے، اور انھیں بزرگوں کا شمار صوفیاء کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔

صوفیاء کا پہلا طبقہ سلسلہ ۶ میں وجود میں آیا، اور تاریخ تصوف کے مرتب کرنے والوں نے پہلے طبقے کا زمانہ سلسلہ ۶ سے سلسلہ ۷ تک مقرر کیا ہے، صوفیاء کے پہلے طبقے میں جن بزرگوں کا شمار ہوتا ہے ان میں حضرت اویس قرنی، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت مالک بن دینار، حضرت فضیل بن عیاض وغیرہ مشہور ہیں، صوفیاء کے پہلے طبقے نے اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے تصوف کے پہلے مرکز کوفہ اور بصرے میں قائم کیے، جہاں بنی امیہ کے گورنروں کے ظلم و ستم انتہائی عروج پر تھے، ان مراکز میں خشیتِ الہی، پاکیزگیِ نفس، توبہ و استغفار، تربیتِ اخلاق و عبادت و ریاضت پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا، یہی بزرگ عوام سے ربط پیدا کر کے ان کی اسلامی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ بنے۔ انھیں میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہوں کو ان کی بے راہ روی پر ٹوکا، اور ان کی سطوت و شوکت کو چیلنج کیا کہ اگر وہ اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں نہیں ڈھالیں گے تو ان کی زندگی ایک عذاب بن کر رہ جائے گی، ان بزرگوں میں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام سفیان ثوری، حضرت فضیل



بن عیاض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

## ایک سوال

لیکن ہندو پاکستان کے رہنے بسنے والے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال خود بخود آتا ہے کہ اُس وقت جب کہ سلسلہ ۶ میں صوفیا کا پہلا طبقہ وجود میں آیا، ہندوستان میں بھی اُس زمانے میں کوئی بزرگ تھا یا نہیں کہ جس کا شمار طبقہ اول کے صوفیاء میں کیا جاسکے، قبل اس کے کہ اس سوال پر غور کیا جائے، یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے تصوف کا جو سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ذریعہ سے پھیلا وہ سلسلہ چشتیہ ہے، جس کے نام لیوا آج بھی سارے ہندوستان میں موجود ہیں، سلسلہ چشتیہ کے بعد جو سلسلہ حضرت خواجہ بہار الدین زکریا ملتانی کے ذریعہ سے اسی صدی میں ہندوستان پہنچا وہ سلسلہ سہروردیہ ہے، پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں سلسلہ قادریہ شاہ نعمت اللہ قادری کے ذریعہ سے ہندوستان پہنچا، اکبر کے زمانے میں ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی، اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ہندوستان میں خوب پھیلا، چھٹی صدی ہجری سے پہلے ہیں اگرچہ ہندوستان میں باقاعدہ تصوف کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا، لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے بھی ہندوستان میں تصوف کا ذوق موجود تھا، اور انفرادی طور پر بعض بزرگ ترقیہ نفس اور اصلاح باطن میں مصروف تھے، لیکن ہندوستان میں یہ شرف بھی سندھ کو حاصل ہے کہ ہندوستان کے پہلے صوفی اور درویش شیخ ابوتراب اسی سرزمین میں مجو خواب ہیں دوسری صدی ہجری کے پہلے صوفی ہیں، اور ہندوستان کی تاریخ تصوف میں بھی پہلے صوفی ہیں، اگرچہ آپ کے حالات ہمیں تفصیل سے نہیں ملتے لیکن جو کچھ



بھی ملتے ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔  
 آپ کا نام شیخ ابوتراب تھا، لیکن آپ مشہور حاجی ترابی کے لقب  
 سے تھے۔ شیخ ابوتراب بنی عباس کی حکومت کی جانب سے سندھ کے بعض  
 حصوں پر حاکم مقرر ہوئے تھے۔ شیخ ابوتراب کا شمار تبع تابعین میں ہے۔  
 آپ نے شہید ہو کر وفات پائی، آپ کا مزار مبارک موضع کچھ اور موضع  
 کوری کے درمیان جو ٹھٹھہ سے ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے زیارت گاہ  
 خاص و عام ہے، مزار مبارک کے گنبد پر جو کتبہ نصب ہے اس میں سنہ تعمیر  
 ۱۱۷۰ ہجری درج ہے۔

۱۱۷۰ ہجری درج ہے۔



(۲)

## درویش احمد و محمد

**حالات** | یہ دونوں بھائی سندھ کے مشہور صوفی و درویش مخدوم اسحاق <sup>ؒ</sup> کے صاحبزادے تھے، اور ہالہ کنڈی کے رہنے والے تھے تمام تذکرہ نگاروں نے ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ یکجا کیا ہے، اور ان دونوں بھائیوں کی عظمت و بزرگی میں ہر ایک رطب اللسان ہے، حدیقہ الاولیاء میں ہے۔  
 ولدان محمد اسحاق از جملہ اولیائے کبار و بزرگواران نامدار بودہ اند  
 و در ہالہ کنڈی سکونت داشتند۔

مخدوم محمد نے علوم ظاہری کی تکمیل کر کے تزکیہ نفس اور صفائی باطن کی طرف توجہ کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد صاحب ولایت و کشف ہوئے، ان کے روحانی ارتقا کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حالت مراقبہ میں عالم ملکوت کی سیر کرتے تھے، اور اس منزل کو تصوف کا ادنیٰ مقام سمجھتے تھے، مخلوق خدا کی خدمت اور حاجت برآری کے لئے آپ اکثر حکام و بادشاہوں کے پاس جاتے، ان کی سفارش فرماتے اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ مخدوم احمد نے گوشہ عزلت و تنہائی کو اختیار فرمایا تھا وہ ہمیشہ لوگوں سے

۱۵ مخدوم اسحاق بھٹی قوم سے تھے، اور شیخ بہار الدین زکریا ملتان کے خاندان میں مرید تھے صاحب فضل و کمال تھے، تحفۃ الکرام جلد ۳ - ۱۳۸  
 ۱۶ ہالہ کنڈی ضلع حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔



عقدہ رہ کر ذکرِ الہی و عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہتے، کبھی کبھی حلقہٴ تذکرہ و سماع میں تشریف لے جاتے، ان حلقوں میں شریک ہو کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی، یہ بھی اپنے وقت کے اولیاء کبار میں شمار ہوتے تھے۔

صاحبِ حدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک مشرع عالم باعلیٰ دور سے آپ کی بزرگی و ولایت کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، جب وہ ہالہ کنڈی میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ سماع کی طرف بیدائل ہیں، اور اپنا وقت وجد و حال میں گزارتے ہیں، یہ سن کر اُسے آپ سے سو رخن پیدا ہوا اور اُس نے مخدوم کی ملاقات سے گریز کیا، اتفاقاً ایک دن راستے میں اس کی ملاقات مخدوم احمد سے ہو گئی، آپ نے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے اس سے معانقہ کیا اور بہت دیر تک اس سے استفسارِ حالات فرماتے رہے، پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ آپ نے جو میرے حلقہٴ سماع کے متعلق سنا ہے یہ سماع نہیں جو شریعت میں منع ہے، بلکہ یہ حلقہٴ تواتم کہہ اور حلقہٴ تعزیت ہے، کسی دن آپ بھی تشریف لائے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ایک دن وہ عالم آپ کے حلقہٴ سماع میں شریک ہوا، اور حلقہٴ سماع میں اس پر گریہ و زاری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور وہ رقص کرنے اور نعرے لگانے لگا، جب حلقہ ختم ہوا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ یا تو آپ کو اس حلقہٴ میں شرکت سے اس قدر انکار تھا، اور اب تم شریک ہوئے تو اس طرح کہ آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا، اس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ اس حلقہٴ سماع میں شریک ہونے کے بعد مجھ پر ایک بخودمی اور جذبہٴ شوق کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور مجھ پر عالمِ بالا کی براہیں کھل گئیں، میں نے دیکھا کہ مخدوم احمد کی پیشانی عرش کو چھو رہی ہے، اس مشاہدہٴ حال کے بعد مجھے بالکل اپنا ہوش نہ رہا، اُس کے بعد وہ عالم صاحب



حال اور اہل کشف میں سے ہوتے۔

**اتباع شریعت** | مخدوم احمد شریعت و سنت کے اتباع میں بیدگوشش کہتے

اور نہایت ہی متبع شریعت تھے، جس کا پتہ درویش زکریا

کے ایک خواب سے چلتا ہے جو ایک خاص واقعہ کے ضمن میں انہوں نے دیکھا

تھا، وہ واقعہ یہ تھا کہ مخدوم احمد کے استاد مولانا عبدالرشید نے مخدوم سے

فرمایا تھا کہ ایک سال کے بعد اہل درویشوں سے ایک شخص تم سے ملے گا کہ جس کی

وجہ سے تم پر بیدخوف طاری ہوگا، لیکن انشاء اللہ انجام بہتر ہوگا، کہتے ہیں کہ

ایک سال کے بعد ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ

میرے لئے پانچ ٹکڑے لاؤ، مخدوم احمد نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا کہ

مجذوب جو سامان مانگا رہا ہے اس کے لئے لاؤ، چنانچہ خادم نے پانچ

روٹیاں مجذوب کے سامنے لا کر رکھیں، مجذوب نے ان کو کھانے کے بعد مخدوم

سے اعتراضاً کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ہمارے کام میں شرم آئی، اسی لئے

تم اپنی جگہ سے نہ اٹھے، اور اپنے خادم کو حکم دیا، اس لئے یہاں سے جہاں بھی

بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا، مخدوم پر مجذوب کی یہ بات سن کر

خوف طاری ہوا اور وہ اٹھ کر اپنے عبادت کے حجرے میں آئے، حجرے میں

وہ جس طرف بھی دیکھتے تھے ہر طرف ان کو مجذوب شیر پر سوار حملہ کرتا ہوا

دکھائی دیتا تھا، جس سے ان کی دہشت اور بڑھ گئی، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ

خلوت و جلوت، گھر میں اور باہر غرض کہ ہر جگہ مجذوب کی شکل ان کو نظر آتی تھی،

اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شکل غائب نہیں ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ نہایت

افسردہ رہتے تھے، چند روز اسی طرح گزرے، ایک دن مخدوم زکریا جو آپ کے

۱۔ تحفۃ الکریم جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ پر مذکور ہے کہ مولانا عبدالرشید سے مخدوم احمد نے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے تھے۔



بھینچے تھے علی الصباح مخدوم کی خدمت میں پہنچے، اور انہوں نے مخدوم سے عرض کیا کہ رات میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اُس دیوانے مجذوب سے فرما رہے ہیں کہ مخدوم ہماری شریعت کے ادب کو خصوصیت سے ملحوظ رکھتا ہے، اور تم اُس سے دشمنی رکھتے ہو ابھی جاؤ اور اس سے معافی چاہو، ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ مجذوب دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا آپ نے اُسے معاف فرما دیا۔

شاہانِ وقت کو آپ کے زہد و ورع، تقویٰ و تقدس کی شہرت عالمگیر تھی، ملاقات کا اشتیاق یہاں تک کہ فرماں روا یا ان وقت مخدوم احمد سے ملاقات کو اپنی سعادت اور خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے بھائی مخدوم محمد کسی ضرورت سے ٹھٹھہ تشریف لے گئے، اس وقت ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے بادشاہ جام نظام الدین نندا کی حکومت تھی، جام نظام الدین نندا کو جب مخدوم محمد کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے نہایت عزت و احترام سے آپ کو بلایا، اور عرض کیا کہ مجھے آپ کے بھائی مخدوم احمد سے ملاقات کا بید اشتیاق ہے، میں اب آپ کو اُس وقت تک نہ جانے دوں گا تا وقتیکہ میری ملاقات مخدوم احمد سے نہ ہو جائے، مخدوم محمد نے جام نندا سے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑیے کیونکہ مخدوم احمد کی وہ بے نیاز شخصیت ہے کہ جسے میری اور تمہاری دونوں کی پروا نہیں، لیکن عالم کشف میں مخدوم احمد اس واقعہ سے مطلع ہوئے، اور اسی وقت ٹھٹھہ پہنچ کر جام نظام الدین نندا کے پاس تشریف لے گئے، جام نظام الدین نندا نے قد بوس کی سعادت حاصل کر کے

جام نظام الدین نندا سمہ خاندان کا سب سے بہترین فرمانروا تھا جو سلطنت میں تخت پر بیٹھا اور  
۱۲۰ سالہ میں وفات پائی (معصومی صفحہ ۷، دفن نوٹ مقالات الشعراء صفحہ ۲۵۳)۔



اپنے اغراض و مقاصد بیان کئے اور دعا کا طالب ہوا، آپ نے اُس کی ہر بات پر انشاء اللہ منہرایا، جام نے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں اب تک جن لوگوں سے بھی دعا کا طالب ہوا ہوں انہوں نے بہت سی باتیں کیں لیکن مخدوم نے سوائے انشاء اللہ کے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں فرمایا، مجھے یقین ہے کہ یہ کام پورے ہوں گے۔

**وفات** | مخدوم احمد وفات سے کچھ پہلے ایک روز حلقہ سماع میں شریک ہونے کے لئے ہالہ کنڈی سے قلعہ نیرن کوٹ تشریف لائے، اور وجد و ذکر میں مشغول ہو گئے، اتفاقاً ذکر نے سوسوز سے ایک بیت نہایت خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا، اُس کے سننے سے آپ پر وجد حال کی کیفیت طاری ہوئی، اور اسی حالت میں آپ نے دصال فرمایا۔

آپ کا سنہ وفات ۱۳۴۹ ہجری ہے، یہ مرزا شاہ حسن ارغون کا زمانہ تھا، لاش قلعہ نیرن کوٹ سے ہالہ کنڈی لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے جنازے کے لانے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے جنازے کو اٹھاتے تھے تو ہم کو ذکر چلی کی آواز آتی تھی، اور جب کسی منزل پر جنازے کو رکھ دیتے تو

۱۵ حیدرآباد سندھ کا سابقہ نام نیرن کوٹ ہے۔

۱۶ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر آپ کا سنہ وفات ۱۳۴۹ ہجری مذکور ہے۔

۱۷ مرزا شاہ حسن ارغون، ارغون خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو ۱۳۲۵ھ میں اپنے والد شاہ بیگ کی وفات کے بعد نصر پور میں تختِ حکومت پر بیٹھا، شاہ حسن ارغون نہایت ہی شجاع اور صاحب علم و فضل فرمانروا تھا، شاعر بھی تھا، اور غالباً اپنی شجاعت کی وجہ سے سپاہی تخلص کرتا تھا، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو دوشنبہ کے دن میرزا شاہ حسن ارغون نے موضع علی پور میں وفات پائی، اُس کی لاش ٹھٹھ لائی گئی اور مکلی میں دفن کی گئی (معصومی صفحہ ۱۱۱ تا ۱۹۲ سے یہ حالات ماخوذ ہیں)۔



یہ آواز بند ہو جاتی۔

مخدوم احمد کی اولاد | مخدوم احمد کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے  
مخدوم فتح اللہ نے مسند رشد و ہدایت کو آراستہ کیا

ان کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم احمد ثانی سجادہ نشین ہوئے، مخدوم احمد  
ثانی کی وفات کے بعد ان کے فرزند مخدوم عبدالحمید نے جو اپنے اکابر کے صحیح  
جانشین تھے اس مسند کو زینت بخشی، مخدوم عبدالحمید کے تین صاحبزادے مخدوم حسین  
مخدوم ابراہیم اور مخدوم عبدالرؤف تھے۔

مخدوم محمد کی اولاد | مخدوم محمد کے تین صاحبزادے مخدوم یوسف، مخدوم  
محمد صادق اور مخدوم یعقوب تھے، آپ کے یہ تینوں  
صاحبزادے اہل دل اور صاحب حال بزرگ تھے۔

۱۔ مخدوم احمد و محمد کے یہ تمام حالات حقیقۃ الاولیاء قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۹۵، ۹۶،  
۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ تحفۃ الکریم جلد ۳ صفحہ ۱۲۸

۳۔ تحفۃ الکریم جلد ۳ صفحہ ۱۲۹



(۳)

## مخدوم اسماعیل سومرہ

**حالات** | مخدوم اسماعیل سومرہ سندھ کے جلیل القدر صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، بچپن سے اور وفات تک آپ ہمیشہ ریاضتوں، مجاہدوں اور عبادتوں میں مصروف رہے، اور مقام فنا فی اللہ سے گذر کر درجہ بقا باللہ تک اہل ہوئے۔

**جوہر و سخا** | فیاضی و بخشش آپ کا امتیازی وصف تھا، قدرت نے آپ کو مال و دولت سے نوازا تھا، داد و دہش میں بھی آپ کا ہاتھ وسیع اور دسترخوان بھی وسیع تھا لوگوں کو حسبہ اللہ عمدہ سے عمدہ کھانے کھلاتے، اور خود اسی دسترخوان پر جوگی روٹی بغیر سالن کے نوش فرماتے۔

مستحقین، حفاظ اور طلباء علم دین کے باقاعدہ وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ سکون و اطمینان سے تعلیم حاصل کر سکیں، کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

**ذکر الہی** | ذکر الہی اور عبادت آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آپ کا سارا وقت عبادت میں گزرتا تھا، خود بھی بید شریعت تھے، اور دوسروں کو شریعت اسلامیہ کے پابند بنانے کی انتہائی سعی فرماتے تھے۔

**خدمتِ خلق** | خدمتِ خلق آپ کا خاص شعار تھا آخر عمر میں جب کہ ضعفِ پیری کی وجہ سے کمر جھک چکی تھی اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے



تھے، یہاں تک کہ سواری پر بھی سوا ہونے پر قادر نہ تھے اس وقت بھی آپ چادر میں بیٹھ جاتے اور اپنے خادموں سے ارشاد فرماتے کہ مجھے اٹھا کر لوگوں کے دروازوں پر لے چلو، خادم اٹھا کر آپ کو دور دورے جاتے آپ وہاں پہنچ کر لوگوں سے ان کی ضرورتیں اور حاجتیں پوچھتے اور ان کو پورا کر کے واپس تشریف لے آتے۔

**تلاوتِ کلام اللہ** | تلاوتِ کلام اللہ سے آپ کو غیر معمولی عشق تھا، عبادت الہی سے جو وقت بچتا اسے تلاوتِ قرآن مجید میں صرف فرماتے۔

**وفات** | مخدوم اسماعیل سومرہ نے ۱۹۹۰ھ میں وفات پائی، اور قلعہ اکھم نامی گاؤں میں مدفون ہوئے۔

**خلفا** | مخدوم اسماعیل سومرہ کے خلفاء میں مخدوم اسحاق خاص شہرت رکھتے ہیں مخدوم اسحاق کا اصل وطن گجرات تھا، یہ گجرات سے آکر قلعہ اکھم میں مقیم ہوئے اور مخدوم اسماعیل سومرہ کی عقیدت و بیعت کا شرف حاصل کیا۔

۱۹ مخدوم اسماعیل سومرہ کے حالات حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ سے ماخوذ ہیں، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ پر آپ کا سنہ وفات ۱۹۹۰ھ مذکور ہے۔  
۲۰ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۲۲۔



# مخدوم آدم نقشبندی

معروف نام

## مخدوم آدو

**نام و نسب** | آپ کا اسم گرامی آدم لقب مخدوم آدو ہے، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی عبدالاحد ہے آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق سے جانتا ہے، آپ کے اجداد میں دو بھائی تھے، بڑے بھائی کا نام عبدالباری تھا، اور چھوٹے بھائی کا نام عبدالخالق، بڑے بھائی عبدالباری ۳۱۰ھ میں ٹھٹھہ سے جا کر کچھ عرصے آباد ہو گئے اور چھوٹے بھائی عبدالخالق ٹھٹھہ میں رہے، سلطان محمود غزنوی نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو عبدالخالق کے علم و فضل و زہد و روح سے متاثر ہو کر ان کو شاہی اعزازات سے نوازا، انھیں کی اولاد سے مخدوم آدم ہیں، مخدوم آدم کا سلسلہ نسب حضرت عبدالخالق تک یہ ہے۔

مخدوم آدم بن مخدوم عبدالاحد بن عبدالرحمن بن عبدالباقی بن محمد بن احمد بن آدم بن عبدالہادی بن محسن بن علی بن محمد بن عبدالخالق

۱۰ محمود بن بکتگین ۳۸۰ھ میں غزنی کے تحت پر بیٹھا، خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو بین الدولہ اور امین الملت کا خطاب دیا، اس نے اپنی جدوجہد سے دیباغے سلج سے لے کر بکر قزوین اور مادرا، لہر سے لے کر عراق و بلوچستان تک ایک وسیع سلطنت قائم کی، ۴۲۱ھ میں محمود غزنوی نے

وفات پائی تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، جلد ۳، صفحہ ۴۱۳ و ۴۱۵



سندھ کے سلسلہ نقشبندیہ میں مخدوم آدم پہلے بزرگ ہیں۔

**بیعت** | مخدوم آدم بادشاہ عالمگیر کی یہ شہرت سن کر کہ وہ علوم و معارف کا قدردان ہے، اور علماء و حفاظ کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتا ہے اس تصور سے کہ شاہی حکم سے ان کا کچھ یومیہ یا روزینہ مقرر ہو جائے گا علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھ سے دہلی تشریف لے گئے، اتفاقاً آپ کی ملاقات سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سے ہوئی، خواجہ محمد معصوم نے ایک ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل اور علمی استعداد کا اندازہ فرمایا، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اپنے پاس کھیرایا اور فرمایا اگر تم کو پسند ہو تو میرے بچوں کو تعلیم دو، اور میں اس کے عوض تمہارے اور تمہارے وابستگان کے اخراجات کا کفیل ہوں گا، آپ نے اسے منظور فرمایا، اور آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادوں کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم گڑھوری کا بیان ہے کہ ابتداءً مخدوم آدم کو حضرت خواجہ محمد معصوم سے عقیدت نہ تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ٹھٹھ سے ملتان تک پورے سندھ میں آپ کے ہم پایہ کوئی عالم نہ تھا، علم و فضل کا کمال عقیدت و نیاز مندی سے بے نیاز تھا، ایک روز حضرت خواجہ محمد معصوم نے نہایت شفقت سے ان سے قرآن مجید کی اس آیت والطورہ و کتاب مسطورہ فی رق منشورہ

۱۵ دور حکومت ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ (مقالات الشعراء صفحہ ۲۰)

۱۶ حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۱۸ھ میں ہوئی، آپ نے ۹ ربیع الاول ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی (مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت خواجہ معصوم)



والبیت المعبود کے معنی پوچھے، مخدوم آدم نے نہایت ہی توجہ اور وضاحت سے آیت کے معنی بیان فرمائے، عین اُس وقت جب کہ وہ آیت کے معنی بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی توجہ باطنی سے اُن پر عرفان و عقیدت کی راہیں کھولیں، خواجہ محمد معصوم کی نگاہ کیمیا اثر کا یہ کرشمہ تھا کہ مخدوم آدم نے اسی وقت آپ کے زمرہ عقیدتمندوں میں داخل ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ریاضت و مجاہدے | ایک طویل عرصہ تک مخدوم آدم اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے،

تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی، یہ کیفیت اس قدر کمبل بھٹی کہ اُس زمانے میں جو خطوط آپ کے پاس وطن سے آتے تھے، آپ اُن کے نفاذ کو اس اندیشے سے کھولتے تک نہ تھے کہ کہیں اُن میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو سکونِ خاطر میں برہمی پیدا کر کے استغراق کی کیفیت کو زائل کر دے۔

خلافت | ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکمیل کے بعد آپ کے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جا کر رشد و ہدایت کے فرائض انجام دو کہ منتہائے تصوف یہی ہے کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا جائے، مخدوم آدم نے عرض کیا کہ تمہیں ارشاد میرا فرض ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اس قدر مشائخ گرام ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے میری طرف کون رجوع کرے گا، آپ کے شیخ نے فرمایا جاؤ سارا سندھ بھی اگر مشائخ سے بھرا ہوا ہو تو اس کی پروا نہ کرو، چنانچہ جب آپ سندھ میں تشریف لائے، طالبانِ حق دور دور سے آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے،

۱۔ یہ تمام تفصیل مرغوب الاحبابِ قلمی در نسب اقطاب مرتبہ نظر علی تصنیف ۱۲۴۳ھ ہجری تذکرہ حضرت مخدوم آدم سے ماخوذ ہے۔



بڑے بڑے علماء اور مشائخین، آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ کی خانقاہ ہر وقت طالبانِ حق سے معمور رہتی تھی۔

اپنے ہمعصروں کی توقیر | مخدوم آدم باوجود علوم مرتبت اور افزونی مباح کے اپنے ہمعصر بزرگوں کی بڑی عزت و توقیر

کرتے تھے، چنانچہ ایک دوسرے بزرگ مخدوم آدم بن اسحاق جو آپ کے ہم نام اور ہمعصر تھے، آپ ان کی انتہائی تعظیم کرتے اور لوگوں سے کسر نفسی کی بات پر کہتے کہ مجھے بجائے آدم کے آدو کہا کرو، اس لئے کہ ایک شہر میں دو آدم کیسے ممکن ہو سکتے ہیں۔

فضائل | سلسلہ نقشبندیہ میں، آپ بہت بڑے صاحبِ کمال اور عالی مقامات پر فائز سمجھے جاتے ہیں، بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعل ہدایت سے روشنی پائی، اور ایک بڑی جماعت نے آپ کی برکت سے ہدایت حاصل کی۔

مشہور ہے کہ ملا آخوند یوسف آپ کی مسجد کا امام تھا، اور بغیر آپ کے تشریف لائے ہوئے نماز شروع نہیں کرتا تھا، ایک دن مخدوم آدم بن اسحاق کے بیٹے میاں ابو بکر صدر — نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد

لے مخدوم آدم بن اسحاق کا شمار سندھ کے جلیل القدر اولیاء میں ہوتا ہے، مشہور ہے کہ جب مخدوم آدم بن اسحاق حج کے لئے بیت اللہ حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں ایک ہی طرف سے اکٹھے حرم میں داخل ہوتے ہیں، مخدوم آدم کو یہ بات پسند نہ آئی، انہوں نے نکتے کے ذمہ دار لوگوں سے کہا کہ حرم میں مرد اور عورتوں کا داخلہ ایک ہی جگہ سے بیک وقت مناسب نہیں، بلکہ مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دن مقرر ہونے چاہئیں، لوگوں کو ان کی یہ بات ماننے میں مل ہوا لیکن اس کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم فرماتے ہیں کہ مخدوم آدم کے کہنے کے مطابق عمل کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد سے مردوں اور عورتوں کے لئے حرم میں داخلے کے لئے علیحدہ علیحدہ دن مقرر ہوئے (تحفۃ الظاہرین صفحہ ۶۶، ۶۷ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۰۵)۔



میں آئے، دیکھا کہ نماز ہو چکی ہے، انھوں نے امام مسجد کو ڈانٹ کر کہا کہ تم سوئے  
 مخدوم آدم کے کسی دوسرے آدمی کی پروا نہیں کرتے، اگر تم اپنی اس حرکت  
 سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اس مسجد کی امامت سے معزول کر دیں گے، امام مسجد  
 بہت ہی ملول اور رنجیدہ ہو کر حضرت مخدوم آدم کی خدمت میں حاضر ہوا اور  
 روتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، جاؤ اور  
 اپنے مکان کے بالا خانے پر بیٹھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاؤ، تم  
 دیکھو گے کہ ابو بکر صدر خود تمہارے دروازے پر آئیں گے، لیکن خوب یاد رکھو کہ  
 تک تم ان سے اپنے معاملے کا صحیح تصفیہ نہ کر لو ہرگز صلح نہ کرنا، آپ کے ارشاد  
 کے مطابق، امام مسجد اپنے بالا خانے پر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوئے،  
 اور ادھر میاں ابو بکر پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوئے، لیکن وہ فوراً ہی سمجھ  
 گئے کہ یہ درد کس وجہ سے ہے، فوراً پاکی میں سوار ہو کر امام کے دروازے پر  
 پہنچے، اور رونے لگے، لیکن امام مسجد اپنی تلاوت میں مصروف رہا، جب میاں ابو بکر  
 صدر کا رونا حد سے بڑھا، تو امام مسجد نے ان کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ ان  
 کو چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی اور خلعت و سند مجدد اعطا کریں گے جب وہ اس پر راضی  
 ہو گئے تو امام مسجد نے کچھ پڑھ کر پانی پر پھونکا اور وہ ان کو پینے کے لئے دیا،  
 اسی وقت انھوں نے خدا کے فضل سے شفا پائی۔

وفات	حضرت مخدوم آدم نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، آپ کا فرار مبارک
	ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
اولاد	مخدوم آدم کے دو صاحبزادے مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف تھے،
	دونوں صاحبزادے علم و فضل، زہد و ورع، تقویٰ و تقدس سے ممتاز تھے۔

لے یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۷۸، اور تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ سے ماخوذ ہے۔



مخدوم آدم نے اپنی وفات کے وقت مخدوم فیض اللہ کو اپنا جانشین بنایا  
چند دن کے بعد، یہ دونوں صاحبزادے سرہند میں بھی حاضر ہوئے اور وہاں  
سے فیوض و برکات حاصل کئے، اور اپنے وطن (سندھ) میں واپس ہو کر اپنے  
والد محترم کے طریقہ پر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، افسوس ہے کہ اپنی  
والد کی وفات کے پانچ سال بعد دونوں نے عالم نوجوانی میں ایک سال کے  
فاصلے سے وفات پائی، اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب  
مدفون ہوئے۔

مخدوم اشرف کے صاحبزادے مخدوم محمد کا بیع یہ مصرع تھا۔ ع

محمد اشرف اولاد آدم

خلفاء | آپ کے خلفاء اور مریدین میں شیخ ابوالقاسم، شیخ ابراہیم روہڑی،  
سید فتح محمد اور شیخ انس مشہور ہیں، مخدوم صاحب روٹھاری نے بھی  
آپ سے استفادہ کیا تھا۔

۱۵ مرغوب الاحباب قلبی تذکرہ حضرت شیخ آدم، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ پر ہے کہ مخدوم  
آدم کے جانشین ان کے صاحبزادے مخدوم اشرف ہوئے۔



# مخدوم ابوالقاسم

معروف

## حضرت نقشبندی صاحب

نام - لقب کنیت | آپ کا اسم گرامی ابوالقاسم، لقب نورالحق تھا، جو آپ کے پیر و مرشد شاہ سیف الدین قدس سرہ نے دیا تھا

لیکن آپ پورے سندھ میں "حضرت نقشبندی صاحب" کے نام سے معروف و مشہور ہوئے، نقشبندی صاحب سے آپ نے اس وجہ سے شہرت پائی کہ ابتداءً سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کا وجود نہ تھا، بلکہ سارے سندھ میں طریقہ قادریہ اور سہروردیہ پھیلا ہوا تھا، سلسلہ چشتیہ کا اگرچہ سندھ میں موجود تھا، لیکن وہ بھی زیادہ شایع نہ تھا، اس وقت سندھ میں صرف نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مخدوم آدم نقشبندی تھے مگر لوگ سلسلہ نقشبندیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، مخدوم ابوالقاسم نقشبندی جب سرہند سے خرۃ خلافت حاصل کر کے سندھ تشریف لائے تو آپ نے اس سلسلے کو سندھ میں عام کرنے کی عظیم ترین جدوجہد کی، آپ روزانہ مزدوروں، معماروں، لکڑی بچھو والوں اور سبزی فروشوں کو طلب فرماتے اور طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دیتے شام کو جب یہ لوگ



رخصت ہونے لگتے تو ہر ایک کو اُن کی روزانہ کی اجرت کے مطابق رقم عطا فرماتے،  
 اہمہ آہستہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب لوگ آپ کے پاس جمع ہونے  
 لگے، یہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ یہ سلسلہ بھی نیا ہے، اور یہ طریقہ تعلیم بھی نیا ہے،  
 جب یہ سلسلہ سندھ میں عام ہو گیا، اور لوگوں کا شعور بیدار ہو گیا تو حضرت مخدوم  
 نے یہ طریقہ عطا مسدود فرما دیا، اور آپ ”نقشبندی صاحب“ کے نام سے  
 مشہور ہو گئے۔

مخدوم ابوالقاسم کے والد کا نام درس ابراہیم تھا، اُن کے بزرگ ابتدا ہی  
 سے حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے خاندان کے مرید و معتقد تھے، مخدوم کے  
 خاندان میں سب سے پہلے درس ابراہیم <sup>ٹھٹھ</sup> تشریف لائے، اور <sup>ٹھٹھ</sup> ہی میں  
 وفات پائی۔

**تعلیم و تربیت** | ابتداً حضرت مخدوم ابوالقاسم نے قرآن مجید حفظ کیا، پھر علوم  
 ظاہریہ کی تکمیل کی، پھر آپ علوم باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔  
 شروع میں آپ چند روز سندھ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ مخدوم آدم  
 قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور اُن سے فیض حاصل کرتے رہے، اُسی زمانے میں  
 ایک روز حضرت شیخ مخدوم آدم نے مخدوم ابوالقاسم کے جوہر قابل کو پرکھ کر فرمایا  
 میاں صاحبزادے! تم میں نہایت عمدہ صلاحیت ہے، اگر تم سر ہند چلے جاؤ تو شاید  
 وہاں تم اپنی بلند استعداد کے مطابق استفادہ فیوض و برکات کر سکو، شیخ آدم کی  
 زبان مبارک سے یہ نوید سن کر آپ میں سر ہند شریف کے لئے ایک کشش پیدا  
 پیدا ہوئی، اور آپ فوراً سر ہند روانہ ہو گئے۔

۱۔ تملہ مقالات الشعرا مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۵۔

۲۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔



## حضرت شاہ سیف الدین

## سے ملاقات

جب حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند پہنچے تو اس وقت حضرت شاہ سیف الدین جو حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے ہوتے ہیں، حضرت مجدد صاحب

کے فرار پر حاضری دینے کے لئے پاکی کے انتظار میں تھے، ابھی مخدوم ابوالقاسم چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ انھوں نے آپ کو دور سے دیکھ کر فرمایا "دادا صاحب آپ کی سفارش فرماتے ہیں" یہ سنتے ہی حضرت مخدوم ابوالقاسم فوراً ہی قدم پوس ہوئے، حضرت شاہ سیف الدین نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ زیارت کو چلا کرو، چنانچہ آپ کا معمول ہو گیا کہ آپ ہمیشہ حضرت شاہ سیف الدین کے ساتھ، حضرت مجدد الف ثانی کے فرار پر حاضر ہوتے۔

۱۵ حضرت مجدد الف ثانی کا اسم کرامی احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی تھا، آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا، جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت باسعادت ۲۶ جون ۱۵۶۲ء کو سرہند میں ہوئی، ابتداءً حضرت مجدد نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی، اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بہلول بدخانی سے حاصل کی، حصول تعلیم کے بعد ایک عرصہ تک آپ اکبر آباد میں مقیم رہے، اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوئی، ششہ ہد میں آپ نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد پر لاہور میں ارشاد و ہدایت کرتے رہے، ششہ ہد میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد اپنے وطن سرہند میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا، ۱۵۹۷ء میں آپ کی مجددانہ فیوض و برکات سارے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر پھیل چکے تھے، جہانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعہ گوالیار میں قید رکھا، آخر اپنی غلطی پر نادم ہو کر معافی کا خواہاں ہوا، اور آپ کو رہا کر دیا، آخر میں جہانگیر آپ کا بیعت مقصد ہو گیا تھا، ۲۸ صفر ۱۶۰۲ء کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا فرار مبارک سرہند میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (ماخوذ از موج گوش)



**بیعت** | مختصر یہ کہ سلوک و طریقت کے تمام منازل آپ نے حضرت شاہ سیف الدین سے طے کیے اور آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اس سلسلے میں مرتبہ حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند حاضر ہوئے، اور اپنے مرشد سے اکتساب فیوض باطنی کرتے رہے۔

**مرشد کا ارشاد** | تیسری مرتبہ جب آپ اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے، تو حضرت شاہ سیف الدین نے ارشاد فرمایا کہ میاں اب ہمارا تمھارا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا، اب تم سندھ جا کر ہمارے طریقے کو پھیلاؤ، مخدوم ابوالقاسم نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، لیکن قرآن مجید میں ہے کہ قلوبہم کالجبارۃ اواشداقسوة، یعنی بعض آدمیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، فرمایا ہاں بلاشبہ ایسا ہی ہے، تم سندھ کے کسی ایک عالم کی طرف توجہ دو۔

**پیر کے ارشاد کی تعمیل** | چونکہ اُس وقت سندھ میں اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے میاں عبدالباقی و اعظما ساکن متعلوی مشہور تھے،

مخدوم ابوالقاسم نے سرہند میں بیٹھے ہوئے اُن پر توجہ کی، اس وقت میاں ابوالقاسم و عطا فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہے، اس کی اطلاع جب شاہ سیف الدین اور مخدوم ابوالقاسم کو سرہند پہنچی تو شاہ سیف الدین نے مخدوم ابوالقاسم سے فرمایا کہ تم نے اپنی توجہ کا کرشمہ دیکھا، جاؤ اب سندھ میں تم سے رشد و ہدایت کے سرچشمے پھوئیں گے، وہاں پہنچ کر دین کو حیاتِ نوجشتو، مخدوم ابوالقاسم نے عرض کیا مجھے تعمیل ارشاد میں

لے میاں عبدالباقی و اعظما - مخدوم ابوالقاسم کے فیض یافتگان میں تھے، اور اپنے دور کے مشہور واعظ تھے، اُن کے مواعظ و تذکیر سے بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی (تحفۃ الکرام جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)



غذ نہیں، لیکن جب کہ طالبانِ حق کی آمد و رفت میرے پاس کثرت سے ہوگی، ان کے اخراجاتِ خورد و نوش کا کیا انتظام ہوگا؟ فرمایا آدوٹا کہ میں تمہیں عملِ قرطاس سکھا دوں گا غذا کو کاٹ کر مٹھی میں لو، خدا کے حکم سے تم روپیہ یا ریال یا اسٹرنی جس چیز کا خیال تم دل میں کرو گے مٹھی کھولنے کے بعد اس کو پاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مخدوم ابوالقاسم کو تسخیر ہوا کا عمل بھی بتایا تھا یعنی ہوا میں ہاتھ مارتے تھے اور جو چاہتے تھے مٹھی میں آجاتا تھا۔

سندھ میں پہنچنے کے بعد حضرت مخدوم ابوالقاسم نے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا، لوگوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف بلایا، برائیوں اور بد اخلاقیوں سے روکا، یہاں تک کہ سندھ کے علاوہ دور دور سے لوگ طالبِ حق بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہِ سعادت پا کر واپس جاتے تھے۔

**نظامِ صلاح و تربیت** | حضرت مخدوم ابوالقاسم کے اصلاح و تربیت کا نظام کسی خاص طبقے یا جماعت سے متعلق نہ تھا، بلکہ آپ کے

رشد و ہدایت کا ابرگہر بار خاص دو عام دونوں کو فیض یاب کرتا تھا، اور دونوں طبقے کے لوگ آپ کی ذاتِ بابرکات سے مستفید ہوتے تھے تحفۃ الطاہرین میں ہے کہ۔

آن ذاتِ ملک صفاتِ نور مشیدِ رحمت بود کہ بر خلق می یافت ،  
 و سخا ب رحمت بود کہ عالم از رشحہ عنایتش فیض می یافت ، ہزاراں  
 مردم بہین نظر فیض اشردی بہلک دل راہ بردند و بشغل ذکر خفی بدرجہ  
 تحقیق رسیدند۔

۱۰ تحفۃ الطاہرین شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۸۱۔



تحفۃ الکرام میں ہے کہ

از اہل مشائخ صاحب حال و قال برآمدہ، بفیض تمکاثر رسانیدہ، صحبتش  
گم گشتگان بادئہ منالالت رابشا ہرہ نجات فائز کردے، بسیار بزرگ  
از خدمتش بمقصد رسیدند۔

استجاب دعا | بید مستجاب الدعوات تھے، ٹھٹھہ کے گورنر نواب سیف اللہ خاں

کا ایک مصاحب حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سے چھپی ہوئی  
دشمنی رکھتا تھا، اور آپ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اس کی خفیہ کوشش  
یہ تھی کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جس سے نواب سیف اللہ خاں مخدوم محمد معین  
کے خلاف ہو جائے، لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی، ایک دن اس نے  
ہنایت چالاکی سے علاقہ چاچکان کی فوجداری کی خدمات کے احکام نواب سے اپنے  
لئے حاصل کر لئے، کیونکہ اس علاقے میں مخدوم محمد معین کی جاگیر واقع تھی، جس سے اس کا  
مقصد یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر مخدوم محمد معین کی جاگیر کو نقصان پہنچائے، اور اس حد تک  
دیران کرے کہ کبھی آباد نہ ہو سکے، مخدوم محمد معین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیر و  
مرشد مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تمام واقعہ بیان کیا، آپ اس  
وقت وضو فرما رہے تھے، واقعہ سننے ہی لوٹا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور لوٹ

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

۲۔ نواب سیف اللہ خاں ذالحدیث ۱۳۱ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر مقرر ہوا، اس نے ٹھٹھہ کے نظم و نسق کو بہترین  
طریقہ پر چلایا، اور شہر کو پروق بنا یا، اس نے ۱۳۱۱ھ میں قن میں مبتلا ہو کر ذفات پائی، اور ٹھٹھہ کے  
مشہور قبرستان ”مکلی“ میں جلوہ گاہ امان میں مدفون ہوا، اس کی تاریخ ذفات اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔  
ع ”دست دے بادامن آل رسول“ (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۲)۔

۳۔ چاچکان تعلقہ بدین میں ایک موضع ہے، اور ایک قوم بھی ہے، اس موضع کے اطراف کو ”سرکار چاچکان“  
اور ”علاقہ چاچکان“ کہتے ہیں (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۵)۔



گیا، آپ مخدوم محمد معین کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ مطمئن رہو اس بداندیش کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا، چنانچہ جیسے ہی وہ فوجدارِ ری چاچکان کے احکام لے کر روانہ ہوا، ابھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا ہی تھا، اور دریا کے گھاٹ سے آگے گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اس کا گھوڑا چراغ پا ہوا، اور وہ گھوڑے سے گرا، گھوڑا اس کو زمین پر ٹپک کر اس حال میں بھاگا کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اور گھوڑا دوڑ رہا تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں اس نے دم توڑ دیا۔

**مریدین و خلفا** | آپ کے مریدین و خلفا کی تعداد کثیر ہے، تکمیلہ مقالات الشعراء کے فٹ نوٹس میں سید حسام الدین صاحب راشدی نے ”طوار سلسلہ“ کے حوالے سے آپ کے مریدین و فیض یافتگان کے حسب ذیل اسمائے گرامی دیئے ہیں۔

- (۱) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی
- (۲) محمد مقیم ولد سعد اللہ، ساکن جھیمبہ
- (۳) میاں محمد یعقوب سمہ، ساکن قریہ کبر
- (۴) شیخ یحییٰ عرب جنہوں نے مدینہ طیبہ میں اس طریقے کا احیا کیا
- (۵) سید سلطان شاہ ہندی
- (۶) میاں حبیب، مشہور بہیت پوترہ
- (۷) میاں عبدالوالی، برادر عبدالباقی داعظا گھمی
- (۸) حاجی کمال اودھمی
- (۹) مخدوم ضیاء الدین دانشمند معروف ٹھٹھوی
- (۱۰) میاں نور محمد سہار
- (۱۱) سید ناصر ولد سید نعمت اللہ شکر اللہی، شیرازی



(۱۲) سید عبداللہ ولد سید نعمت اللہ شکر اللہی، شیرازی

(۱۳) مخدوم غنایت اللہ بصیر، واعظ ٹھٹھوی

(۱۴) میر مرتضیٰ ولد میر کمال الدین خاں رضوی

(۱۵) سید رحمت اللہ عرف سید منو، شکر اللہی، شیرازی

(۱۶) میاں عبدالباقی واعظ، ساکن انجم و متعلوی

(۱۷) عبدالرحیم سومرہ

(۱۸) مخدوم میدنہ، نصر پوری

(۱۹) درس بلال، ساکن پران

(۲۰) میاں محمد، نواسہ مخدوم آدم نقشبندی

معیارہ السالکین میں بھی آپ کے دو تین خلفاء کا تذکرہ موجود ہے جو بندر سورت میں رہ کر سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ و ترقی میں مصروف تھے۔

میاں ابوالحسن خشت والہ جو عمر کوٹ کے قریب کہیں رہتے تھے، اور بزرگوں سے نہایت عقیدت رکھتے تھے، ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں کسی بزرگ کا تذکرہ سنتے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک ادبہ یا دو دہے یا ایک چلہ گزارتے اور فیض حاصل کرتے تھے، جب مخدوم ابوالقاسم کے فیوض و برکات کا چرچا سندھ میں عام ہوا تو یہ بھی ایک چلہ گزارنے کے لئے آپ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے تین چار روز کے بعد ان کو روانگی کی اجازت دے دی، اور خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق دین کو پھیلانیں، جب یہ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اہل وطن ان سے ملنے کے لئے آئے اور انھوں نے ان سے کہا کہ آپ کی عادت تو یہ ہے کہ آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے پاس ایک یا دو چلے گزارتے ہیں، شاید آپ کا وہاں دل نہیں لگا، اسی لئے



آپ جلد واپس تشریف لے آئے، میان ابوالحسن نے کہا افسوس سے کہ یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کی ایک دو گھڑی دوسروں کے یہاں تمام عمر کے رہنے سے بہتر ہے، وہ چیز کہ جس کی مجھے تلاش تھی، اور جسے میں ہر روز سے پر ڈھونڈتا تھا اُس بارگاہ میں میں نے تین چار روز میں حاصل کر لی۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے درگاہ حضرت پیر سچا میں تصوف کے کسی خاص مقام کے حصول کے لئے ایک چٹہ کھینچا، جب چالیسویں رات ہوئی، تو عالم مراقبہ میں حضرت پیر سچا نے اس سے فرمایا کہ بابائے اس زمانے میں لوگوں کی وہ طلب ہے، اور نہ وہ طلب کرنے والے ہیں، تم جس مقام کے طالب ہو کر آئے ہو وہ تمہیں بغیر محنت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے، بیچارہ بد دل اور بول ہو کر وہاں سے لوٹا، اور مخدوم ابوالقاسم کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تھوڑے ہی دن میں تصوف کے جس مقام کا وہ طالب تھا، اُس سے بلند تر مقامات پر فائز ہوا، ایک روز اس نے تنہائی میں حضرت مخدوم ابوالقاسم سے درگاہ حضرت پیر سچا پر چٹہ کھینچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر قدس سرہ نے تو ایسا فرمایا تھا، اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر چند ہی دن میں اُس مقام سے کہیں بالاتر گذر چکا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک بابا پیر قدس سرہ نے جو تم سے فرمایا تھا وہ صحیح ہے جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہاں خدا کی رحمت کا بحر بے پایاں جوش میں آیا ہوا ہے جو ہر خشک زمین کو سیراب کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہب ایک دوسری چیز ہے، اور کسب ایک اور چیز، کا سب خواہ درزی ہو یا دھوبی اگر تم اس سے سوال کرو کہ تم ایک لاکھ روپیہ جمع کر سکتے ہو، وہ بغیر مال کے جواب دے گا کہ میرے لئے یہ ناممکنات میں سے ہے، لیکن وہ شخص



جس کو بادشاہِ وقت نے طلب کر کے اپنی مہربانی سے ایک وقت میں دس لاکھ روپیہ دے دیا ہو، اگر اس سے یہی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے گا کہ اگر خدا چاہے تو یہ ایک منٹ میں ممکن ہے۔

**حجرہِ حضورِ** | خانقاہ کے جس حجرے میں آپ کا قیام تھا وہ حجرہِ حضورِی کہلاتا تھا، حجرہِ حضورِی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات عشا کے بہت

دیر بعد، آپ کے حجرے سے دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی، خانقاہ کے فقیروں نے یہ سمجھا کہ شاید شہر کے عمائدین میں سے کوئی آیا ہے جس سے آپ باتیں فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر میں آپ حجرے سے برآمد ہوئے، اور تازہ وضو کیا، اور خانقاہ کے ایک فقیر سے فرمایا کہ حجرے میں سے ہماری دستار لاؤ، فقیر حجرے سے دستار لینے کے لئے گیا، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اسے حیرانی ہوئی کہ حجرے میں کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا، وہ بہت دیر تک حیران رہا کہ حجرے میں کوئی موجود نہیں، آخر یہ دوسری آواز کس کی تھی۔ کچھ دن بعد اسی خادم نے راز میں اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اس وقت سے آپ کے حجرے کا نام حجرہِ حضورِی پڑ گیا۔

**وفات** | شعبان ۳۸ھ کو حضرت مخدوم ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے سال تاریخ وفات اس شعر کے مصرعہ ثانی سے نکلتا ہے۔

بسالِ وصلِ اوہا لقت بھنرود

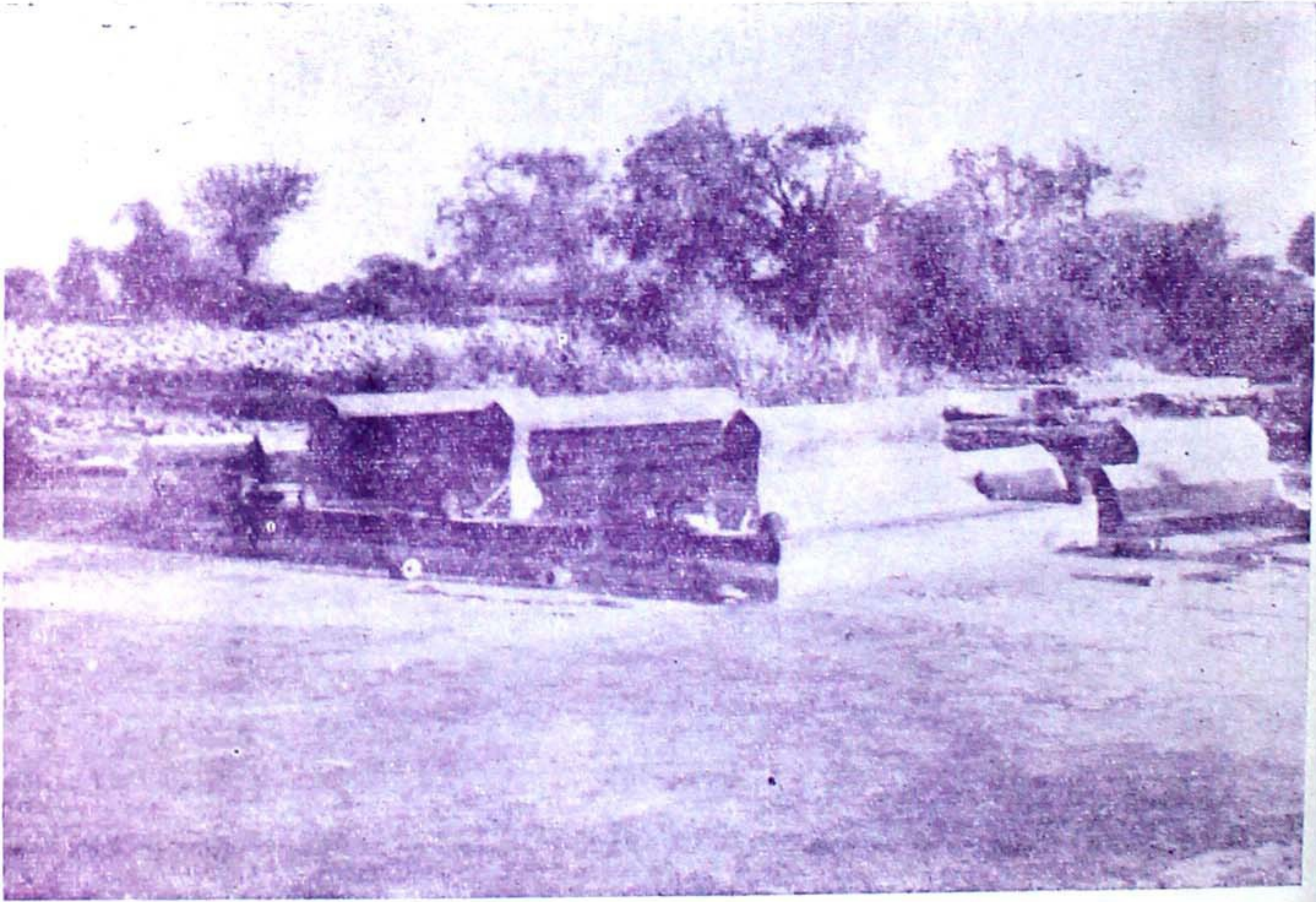
ابوالقاسم سرا سر نو بہ حق بود

۳۸ ۱ ۱ ھ

**فضائل** | طریقہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب سرہندی نے فرمایا کہ جب میں نے یہ سنا کہ شیخ جیہ چراغ مکی ہیں، تو



اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے  
اس خاک میں پوشیدہ ہے اک صاحبِ اسرار



مزار مخدوم ابوالقاسم نقشبندی

واقع مکی - ٹھٹھہ

جن سے سندھ میں سلسلہٴ نقشبندیہ کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا

( بشکریہ سندھی ادبی بورڈ )





کتبہ مزار حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی

واقع قبرستان مکی - ٹھٹھہ

( بشکریدہ سندھی ادبی بورڈ )



مجھے خیال ہوا کہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کرنی چاہئے، چنانچہ انہوں نے مکلی حاضر ہو کر شیخ جیہ کے مزار کی زیارت کی پھر فرمایا بیشک آپ »چراغِ مکلی« ہیں، جب انہوں نے حضرت مخدوم ابوالقاسم کے مزار کی زیارت کی تو فرمایا کہ یہ بزرگوار مکلی کے خورشید ہیں، اور خورشید کے سامنے چراغ کی کیا حقیقت ہے۔

شاہ ضیاء الدین الحق پھر ایک مرتبہ سندھ تشریف لائے، اور جب آپ مخدوم ابوالقاسم کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیر تک مراقبہ کیا، پھر فرمایا یہ تو سرہند کی خانقاہ ہے۔

آپ کی بزرگی و فضیلت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے شیخ شاہ سیف الدین کے پاس جب سندھ کے بڑے بڑے علماء اور اولیاء خط لکھتے اور کچھ دریافت کرتے تو آپ تحریر فرماتے کہ خدا کی طرف سے خطہ سندھ مخدوم ابوالقاسم کے حوالے ہے، جو کچھ پوچھو ان سے پوچھو۔

سندھ کے عظیم المرتبت عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی آپ سے بید عقیدت رکھتے تھے، اور ہر روز آپ کی نشست گاہ میں جا رو بکشی کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ سے توجہ و تلقین کے طالب رہتے تھے۔

شاعری | آپ کا ایک شعر صاحب مرغوب الاحباب نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے، جسے ہم یہاں تبرا نقل کرتے ہیں۔

ہر لوحِ دل چو تختہ تعلیم کو دکاں  
ہر حرفِ آرزو کہ نوشتہ خراب شد

۱۔ مخدوم ابوالقاسم کے تمام حالات تکملاً مقالات الشعراء باب الخارین جلیں سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ تکملاً مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورد صفحہ ۲۲۔

۳۔ مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ مخدوم ابوالقاسم۔



اولاد | مخدوم ابوالقاسم کی اولاد میں میاں احمد رشید و ہدایت کا آفتاب بن کر چلے،  
 لیکن افسوس ہے کہ عالم جوانی ہی میں آپ نے وفات پائی۔  
 خوش درخشید و لے لمعہ مستعجل بود



(۶)

## درویش اسحاق

معروف

### بہ اسحاق پوتہ

حالات | درویش اسحاق صاحبِ حال اور باکرامت بزرگ تھے، اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارتے، سخاوت و فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا خدا کی راہ میں دے دیتے یہاں تک کہ اگر کچھ بھی نہ ہوتا اور کوئی سائل و مسکین آپ کے دروازے پر آجاتا تو اپنی چادر اور تہبند اس کو دے دیتے، لیکن اس کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔

صائم الدہر تھے، اور آخر عمر میں ایک مہینے بھر اجواہرین سے روزہ افطار کرتے۔  
وفات | ایک روز فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں آپ نے وفات پائی۔

مزار | آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

لہ تحفۃ الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۲۹ و ۵۰



# شیخ ابراہیم

**حالات** | آپ کا نام شیخ ابراہیم تھا، اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے اولیا و صوفیا میں ممتاز تھے، ہمیشہ حبس غلے سے کھانے سے پرہیز کرتے اور ذکر الہی میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ آپ کو کھانے پینے کی چیزوں میں میٹھے اور کھٹے کی لذت معلوم نہ تھی۔

جس بیماری میں کہ آپ نے وفات پائی، آپ کی لڑکی نے ایک دن آپ کے لئے گیہوں کی ایک روٹی اس میں گھی اور شکر ڈال کر پکائی، اور اپنے والد کے سامنے لے کر آئیں تاکہ آپ اسے نوش فرمائیں، شیخ ابراہیم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ گیہوں کی روٹی ہے جس میں گھی اور شکر پڑی ہوئی ہے، فرمایا اے میرے آنکھوں کے نوزاب جب کہ میری زندگی کا آفتاب غروب ہونے کے قریب ہے، اور میرے عمر بھر کے روزے کے افطار کا وقت قریب آچکا ہے، تم چاہتی ہو کہ میں اپنے عمر بھر کے روزے کو ان دو تین میٹھے لقموں کی وجہ سے کہ جن کی لذت ایک منٹ سے زیادہ نہیں توڑ دوں، اور شاہدہ ابدی کی عداوت کی چاشنی سے محروم رہوں، یہ ممکن نہیں۔

مزارِ اوفات کے بعد موضع مشکر باری میں مدفون ہوئے۔

۱۵ حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۲۲ و تحفۃ الکرام صفحہ ۱۲۵ جلد ۳۔



# مخدوم بلال تلی

نام و وطن | اسم گرامی بلال تھا، آپ موضع تلی کے رہنے والے تھے۔ شاہ حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔

ملاقات و ہم نشینی | مخدوم بلال، حقائق و معارف آگاہ مخدوم جمعہ کے ہم نشین تھے، اور ان سے انتہائی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے،

مخدوم جمعہ اپنے وقت کے جید عالم اور بڑے متقی و متدین بزرگ تھے۔

علوم ظاہری | مخدوم بلال علوم ظاہری میں بھی بڑا بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور لوگ ان کے بحر علمی سے استفادہ کرتے تھے، صاحب تحفہ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے لکھا ہے

”از اجلہ عارفان، واصل بحق در علم ظاہر شائے عظیم داشتہ“

میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ معصومی میں لکھا ہے۔

”دروادی تقوی و زہد شبیہ و نظیر نداشتہ در علم حدیث و تفسیر مہارت

تاتمہ داشتہ و صاحب مقامات ارجمند بود“

تلی ضلع دادو کا ایک موضع ہے۔ ۱۲۵۰ھ مرزا شاہ حسن ارغون سندھ میں ارغون خاندان کا

دوسرا بادشاہ تھا، یہ ۱۲۵۰ھ میں اپنے والد شاہ بیگ ارغون کی وفات کے بعد نصر پور میں تخت

نشین ہوا، اور ۱۲۵۹ھ میں اس نے موضع علی پورہ میں وفات پائی (معصومی صفحہ ۱۹۲)

۱۲۵۰ھ مخدوم جمعہ کا تراویحی میں واقع ہے (تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۵۰)



**عبادت** | ایام طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق و شوق تھا، ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ساری عمر آپ نماز و روزے میں مصروف رہے، ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ رات کو آپ پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے طشت میں بیٹھ کر ذکر و شغل کرتے، ذکر و شغل کی وجہ سے پانی میں ایک جوش پیدا ہو جاتا، اور پانی چلی کی طرح گھومنے لگتا، اور پانی میں یہ جوش اس وقت تک باقی رہتا تھا تا وقتیکہ صبح کو وہ پانی دریا میں نہ پھینک دیا جاتا۔

**رشد و ہدایت** | لیکن اس زہد، عبادت اور ریاضت کے باوجود آپ رشد و ہدایت کے فرائض سے کبھی غافل نہ ہوئے، عوام کی ندہی اور روحانی تعلیمات کی طرف آپ کی خاص توجہ تھی، عبادت و ریاضت کے بعد آپ کو جو کچھ وقت ملتا، آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ بند و موغظت میں صرف کرتے، اور عوام کی اخلاقی و معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کرتے۔

**بزرگوں کی عقیدت** | گذشتہ بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور ان کے فرار پر حاضری و زیارت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سلطان العارفين حضرت مخدوم لعل شہباز قلندری کی زیارت کے لئے کشتی میں بیٹھ کر سیون تشریف لے جا رہے تھے، کشتی کا ملاح جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے، گالی گلوچ و خرافات بکنے میں مصروف تھا، لوگ اُس کی یادہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے تنگ آکر بار بار اُس کو روکنے لگے مگر وہ کسی کی نہ سنتا تھا، اور برابر اپنی بکواس میں لگا ہوا تھا، جب معاملہ حد سے بڑھا اور وہ کسی



طرح خاموش نہ ہوا تو مخدوم بلال اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی ٹوپی ملاح کے سر پر رکھ دی، ٹوپی کا سر پر رکھنا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب تبدیلی ملاح میں پیدا ہوئی لوگوں نے دیکھا کہ وہی ملاح جو طرح طرح کی بکو اس کر رہا تھا ٹوپی کے سر پر رکھتے ہی یکایک قرآنی آیات کے معارف اور احادیث نبوی کی توضیحات کرنے لگا، کشتی میں بیٹھنے والا ہر فرد اس تبدیلی پر حیران تھا، یہاں تک کہ سفر پورا ہو گیا، کشتی سے اترتے وقت مخدوم نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر سے اتار لی، ملاح کی پھر وہی حالت عود کر آئی، حسب عادت پھر وہ اپنی بکو اس میں مصروف ہو گیا۔

**وفات** | مخدوم بلال نے ارغون خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ بیگ ارغون کے ایک سال بعد ۹۲۹ھ میں وفات پائی، آپ کا فرار مکرلی میں درگاہ شیخ حاد جالی کے عقب میں واقع ہے۔

**غفار و مریدین** | حضرت مخدوم بلال کے خلفا میں مخدوم رکن الدین مشہور بہ مخدوم متواتبیا نہ خاص رکھتے ہیں۔ مخدوم متواتبیا نہ حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد سے تھے، ہمیشہ اوراد و وظائف و عبادات میں مصروف رہتے، سندار شاد پر بیٹھے تو ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، معصومی میں لکھا ہے کہ:-  
”سالکان طریق زہد و تقویٰ و طالبان مہاجر شاد و ہدیٰ نسبت

۱۔ یہ واقعہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۱ و معصومی جز سیوم صفحہ ۱۹۹ پر مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔  
۲۔ شاہ بیگ خاندان ارغون کا پہلا بادشاہ ہے جس نے ۹۲۹ھ میں قندھار سے آکر سندھ کو فتح کیا۔ ۹۳۵ھ میں جب کہ وہ گجرات کے فتح کرنے کے ارادے سے سفر کر رہا تھا، راستے میں بیمار ہوا، ۲ شعبان ۹۳۵ھ کو اس نے راستہ ہی میں وفات پائی، اس کی لاش بھکر لائی گئی، اور تین سال کے بعد اس کے تابوت کو مکہ معظمہ بھیجا گیا، جہاں وہ جنت المعلیٰ نامی قبرستان میں دفن ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا میرزا شاہ حسن ارغون سندھ کا فرمانروا ہوا (معصومی ۱۲۰)۔ ۳۔ تحفۃ الطاہرین  
۴۔ معصومی جز سیوم صفحہ ۱۹۹۔



باو در غایت ارادہ بودند و اعتماد بر سلوک او نمودند۔

علوم ظاہری میں بھی یکگانہ عصر اور صاحب تالیف و تصنیف تھے، آپ کی تصانیف میں شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔  
مخدوم رکن الدین نے ۹۳۹ھ شاہ حسن بیگ ارغون کے زمانہ میں ٹھٹھہ میں وفات پائی، مخدوم بلال کے تربیت یافتگان میں مورخین نے سید حیدر ساکن موضع سن کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو بارہ سال کی عمر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے فیض تربیت سے روحانی مراتب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے، سید حیدر نے ۹۳۹ھ میں وفات پائی۔

**شاعری** | مخدوم بلال شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی ایک رباعی صاحب مقالات الشعراء نے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے دقیق نکات کو انتہائی دل آویزی و دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

سرمایہ اختیار خود می باید باخت  
از خویش بروں شدہ سوش بیاید باخت

در راه خدا ز سر قدم باید ساخت  
کفر است بخود نمائی بردن . بکھاں



## درویش برکیہ کا تیار

**حالات** | آپ کا نام شیخ برکیہ آپ کے والد کا نام شاہو کا تیار تھا، اپنے زہد و تقویٰ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، مخدوم احمد و محمد ابن حضرت اسحاق ہالہ کنڈی کے ہم عصر تھے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے اپنے تذکرے میں ان الفاظ سے آپ کو متعارف کرایا ہے۔

آن عارف محقق و مجذوب حق ادا لی کشور ولایت، سالک سالک حقیقت، سردنتر مجاہدان راہ ترک و فنا، سالار روندگان بوادی مخالفت نفس و ہوا با نفس کامل، صاحب حال اہل دل، قدوہ ابرار روزگار، زبده احرار نامدار یعنی شیخ برکیہ ولد شاہو کا تیار از جملہ بزرگوار نامدار و مشائخ کبار و سالک و مجذوب بود۔

**مجاہدات** | درویش برکیہ کا تیار نے ابتدا ہی سے نہایت سخت مجاہدات کئے تھے، جو مشکل ہی سے دوسرا شخص کر سکتا ہے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ درادائل احوال ریاضات شاقہ کشیدہ حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ

کہ درادائل حال ریاضت بشمار و مجاہدات بسیار کشیدہ



## دُعاداتِ شاقہ و اعمالِ دقیقہ از وجودِ انجامیدہ

سرمہ کے شدید موسم میں جب کہ شدتِ برودت سے پانی جم جاتا تھا، شیخ برکیہ کا تیار ایک چادر اوڑھ کر دریا کے کنارے تشریف لے جاتے، اور غسل منہ کر کے اسی بھگی ہوئی چادر میں نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ نماز پڑھتے پڑھتے وہ چادر آپ کے بدن پر خشک ہو جاتی، پھر آپ غسل فرماتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے اسی طرح صبح ہو جاتی تھی۔

موسم گرما میں جب کہ سورج کی تہمتِ شباب پر ہوتی تھی، اور آفتاب کی حرارت سے چشموں کا پانی کھولنے لگتا تھا، اور پرندے گرمی کی شدت سے ہوا میں اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، آپ چٹیل صحراؤں میں تشریف لے جاتے، اور تپتے ہوئے ریت پر نماز میں مشغول ہو جاتے، اس کی وجہ سے آپ کا جسم جھلس گیا تھا۔

آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ روزے بڑی کثرت سے رکھتے تھے، اور ایک روزہ تو سولہ سال کے بعد آپ نے افطار فرمایا۔

ایک روز فرمایا کہ میں نور الہی کے مشاہدہ میں مستغرق تھا کہ میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ اے برکیہ بندہ ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، پھر آواز آئی کہ ملازم ہونا چاہتے ہو، میں نے کہا نہیں، پھر میں نے سنا کہ کوئی کہتا ہے کہ نہ بندہ ہونا چاہتے ہو نہ ملازم آخر کیا چاہتے ہو، میں نے کہا میں کچھ

لے ایک روزہ کا سولہ سال کے بعد افطار کرنا بظاہر ارکان سے باہر ہے، یہ صوم وصال کی صورت ہوگی کہ افطار کے وقت برائے نام کچھ کھا لیتے ہوں گے، اور دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیتے ہوں گے، شاید دیکھنے والوں نے اپنے عدم علم کی وجہ سے اسے ایک روزے سے

تعبیر کر لیا ہے، (مؤلف)



ہوں ہی نہیں، اس لئے کچھ نہیں چاہتا، میرے اس جواب کے بعد قدرت کا ہاتھ مجھے  
اپنی پیٹھ پر محسوس ہوا، اور مجھے عرفان کی دولت بخشی گئی۔  
مزار | آپ نے موضع کاتیار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۵ یہ واقعہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ پر مذکور ہے، باقی تمام واقعات حدیقۃ الاولیاء مستملی  
صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۹ سے ماخوذ ہیں۔

۱۶ موضع کاتیار تعلقہ نصر پور میں واقع ہے۔



## حضرت شیخ پٹھا دیلی

**نام و نسب** | آپ قوم اپلان سے تھے۔ آپ کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم کینت ابوالخیر ہے۔ والد کا نام راجبار اور والدہ کا نام سلطانی رنت مراد بن شرفو ہے۔ لیکن سارے سندھ میں آپ "شیخ پٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسین بن راجبار بن کاہ بن سخیرہ ہے۔ قاضی کا بیان ہے کہ مشہور بزرگ شاہ جمیل گرناری (سید عبد الہادی بن سید عبد اعطاس بھی آپ کی بیعت میں داخل تھے اور ان کا مقبرہ حضرت شیخ پٹھا کے مقبرے کے پاس واقع ہے۔

**بزرگی و عظمت** | شیخ پٹھا سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے اس ملک میں ہدایت و عرفان کا نور پھیلا، صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی بزرگی اور کمال کا اعتراف علامہ قاضی محمود کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کیا ہے۔

اقدام اولیا، واکرم واصلان راہ خدائی باشند در تعریفش چہ قدم کسی راہ رود  
کہ شہ از دالامقاماتش بدتر ننگبدر، در اکثر سندھ بچو صاحب کمالی کم برخواستہ۔

**بیعت** | حضرت شیخ پٹھا موضع آری کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں جہاں آج لے موضع آری ٹھٹھ سے دکن کی جانب تقریباً میل دیرھ میل کے فاصلے پر واقع ہے، مخدوم طا آری ایک بزرگ تھے جو حضرت سید علی کلاں شیرازی کے ارادت مندوں میں تھے۔ یہ موضع ابتداً ان ہی بزرگ کے نام سے موسوم ہوا لیکن آج کل یہ موضع پیر پٹھا کے نام سے موسوم ہے

تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۹، فٹ نوٹ (۱) مرتبہ آغا بدر عالم ڈرانی



آپ کا مزار پُر انوار واقع ہے، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی شاہ عثمان شہباز کے ساتھ اس پہاڑ پر سے گزرے آپ نے اپنے مکاشفہ سے اُس جوہر قابل کو محسوس کیا جو لعل کی طرح اس پہاڑ میں مستور تھا، آپ نے شیخ پٹھا کو اس غار سے نکال کر اپنے دستِ حق پرست پر بھیت کیا، اور چند ہی دن میں حضرت شیخ بہار الدین کی زگاہِ فیض اثر نے شیخ پٹھا کو آسمانِ ولایت کا آفتاب بنا دیا۔

اس کے بعد آپ کی ذات سے ہدایت و عرفان کے سندھ میں وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے آپ سے سیرابیِ حلال کی۔

سندھ میں اردو کا پہلا فقرہ | اردو کا سب سے پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری سنہ ۱۱۰۰ھ میں سندھ میں بولا گیا، وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ اردو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق

۱۱۰۰ھ میں سلطان فیروز شاہ تغلق کا بھتیجا تھا، ۱۱۰۲ھ میں اس کی تاج پوشی سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد دریائے سندھ کے کنارے ہوئی، سلطان محمد تغلق چونکہ ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تھا، اسلئے سلطان فیروز نے ۱۱۰۲ھ میں ٹھٹھہ کو فتح کرنے کے لئے حملہ کیا، اس وقت سندھ کا فرماں روا اسماعیل خان کا ایک شخص جام باینیہ تھا، جام باینیہ نے بھی فیروز شاہ کے حملے کی خبر سن کر اپنی فوج تیار کی، دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر اتفاقاً سلطان فیروز کے لشکر میں جانوروں کی بیماری پھیل گئی، اسی کے ساتھ قحط پڑ گیا، جام باینیہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا، سلطان فیروز نے جب دیکھا کہ حالات اس کے نامساعد ہیں وہ اپنے لشکر کو لے کر گجرات چلا گیا، اگ ٹھٹھا اسی کی طرف اشارہ ہی، پھر اس نے سندھ پر ایک سال کے بعد دوبارہ حملہ کیا، جام باینیہ نے شکست کے آثار دیکھ کر فیروز شاہ سے صلح کر لی، اور سندھ فیروز شاہ کے ماتحت آ گیا، لیکن سلطان فیروز نے اپنی طرف سے دوبارہ سندھ کی حکومت جام باینیہ کے سپرد کر دی، سلطان فیروز نے اتریں سال حکومت کر کے ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی (تاریخ فیروز شاہی) (تفصیلاً) مقدمہ چارم دم معصومی ذکر سلطان فیروز شاہ)



جام بابنیہ فرماں روا کے سندھ سے شکست کھا کر گجرات گیا، اور ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تو اہل سندھ نے اطمینان کا سانس لیا، وہ اس کے جانے کے بعد خوشیاں منانے ہوئے کہا کرتے تھے۔

برکتِ شیخ پٹھا اک مو اک نہٹھا<sup>۱</sup>

تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے۔

و اول کرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے غرض سمت گجرات بازگشت،  
ٹھٹھیاں این سخن راورد حجت ساختند و میفکند "برکت شیخ پٹھا  
اک مو اک نہٹھا"

» اک مو « سے ان کا اشارہ محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا، اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی، اور اک نہٹھا سے ان کا اشارہ فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا جو جام بابنیہ سے شکست کھا کر گجرات جا چکا تھا، اس فقرے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پٹھا سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

وفات | حضرت شیخ پٹھا <sup>۶۶۶</sup>ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور موضع آری کے قریب اسی پہاڑ پر دفن ہوئے جس کے غار میں آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

عس | آپ کا عس ۱۲ ربیع الاول کو ہوتا ہے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے

۱۵ جام بابنیہ سمہ خاندان کا ایک فرماں روا تھا، جس نے سندھ پر پندرہ سال حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۶ تاریخ فیروز شاہی، عقیقت، مقدمہ یازدہم صفحہ ۲۲۱ ڈاکٹر بنی بخش خاں بلوچ کا خیال ہے کہ یہ لفظ نہٹھا نہیں بلکہ ٹھٹھا ہے جو خالص سندھی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھاگا۔

۱۷ شیخ پٹھا کے تمام حالات تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۵۲ اور حدیقۃ الاولیاء ص ۱۵۰ میں



اُس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو آپ کی ذاتِ بابرکات سے ہے ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں۔

شیخ پتہ از سر صدق و یقین	شد مرید شیخ زکریا میں
بعد ازاں آل گوہر بحر شہود	از نقابِ خفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از انوارِ خویش	کردہ ظاہر در جہاں آثارِ خویش
بر سر آں کوہ مسکن ساخته	دل زمیں ماسویٰ انداختہ
مدفنِ پاکش شد اکنوں آل مقام	خوش بیا سوده در آل دار السلام
خوش مزارے فیض بخش جاں فزا	دیدہ دل را از نور و ضیا
قلعہ کوہش بگردوں برودہ سر	شمسہ قصرش محاذی با شتر
نردبانش سنگ و گچ برداختہ	مہرہ مهرش مصقل ساخته
سُلم است یا منبر نور است این	یا کہ موج بحر کافور است این
روضہ نہ بلکہ قصرے از بہشت	کز گلاب دعود و ز عنبر ہر شست
از بخورِ عود و عنبر فی المثل	جملہ حور است گوئی آل محل
در سوادِ صحن او از ہر طرف	سایہ در اشجارِ بینی ہر طرف
چشمہ آبِ رواں چون سلبیل	کآب او باشد شفا بخش علیل
زائرانِ آستانش صد ہزار	میرسد از ہر طرف یل و نہار

رحمتِ ایزد تعالیٰ ہے بہ ہے

ز آسماں منزل بود بر روح وے

۷۵ حدیقۃ الاولیاء فی ملوکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۵۵، ۵۶۔



# حضرت سید جلال الدین بخاری

## جلال سرخ

نام و نسب | اسم گرامی جلال الدین، لقب جلال سرخ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے  
 سید جلال الدین جلال سرخ بن ابی المویذ علی بن جعفر بن محمود  
 بن احمد عبداللہ بن علی اصغر بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام۔

بھکر میں تشریف آوری | حضرت جلال سرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے  
 اور یہیں سکونت اختیار کی۔

بیعت | آپ نے طمان جا کر حضرت بہار الدین زکریا ملتانی سے بیعت کی،  
 اور مجاہدوں و ریاضتوں کے بعد حرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔

بزرگی و عظمت | آپ کی بزرگی و عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ  
 سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ

از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند

اے حضرت جلال سرخ اگرچہ سندھ میں مدفون نہیں ہیں، لیکن آپ کا بہت گہرا تعلق سندھ  
 سے رہا ہے، اور ایک لحاظ سے سندھ کو انہوں نے اپنا وطن بنالیا تھا، اسلئے آپ کا تذکرہ اس

کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ۱۵ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ تک بزم صوفیا، صفحہ ۳۹۵

تک اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۱۵ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۱۵ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۱



**ازدواج** | بھکر کے دوران قیام ہی میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدر الدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، اخبار الاخیار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دی تھی، اور اس بشارت سے سید بدر الدین بھی نوازے گئے تھے۔

**ترک وطن اور وفات** | خویش و اقارب کے رشک و حسد کی بنا پر آپ بھکر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے، اور سنگدہاء میں اچھ تشریف لے گئے اور وہاں محلہ بخاریاں آباد کیا، اور آپ ہی کی بدولت اوجھ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جنگ سیالوں کی بنیاد ڈالی، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلا رکلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے، آپ کی سعی سے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا، آپ نے پچانوے سال کی عمر میں ۱۲۹۱ء میں اوجھ میں وفات پائی، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

**اولاد** | سید جلال سرخ کے تین فرزند تھے، حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہار الدین اور حضرت سید محمد، سید جلال الدین بخاری محسوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت سید محمد کی اولاد میں ہیں جنہوں نے ۱۲۵۷ھ میں کھٹھہ کے بادشاہ جام بامنیہ اور فیروز شاہ تغلق کی عین لڑائی کے موقع پر صلح کرائی تھی۔

۱۵ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۱۵ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ و آپ کو ثر مولفہ شیخ حمید اکرام صفحہ

۳۰۹، ۳۱۰ بحوالہ بہاول پور گزیٹیر ۱۵ محسوم جہانیاں جہاں گشت ۱۲۵۷ھ میں اوجھ میں

پیدا ہوئے، حضرت بہار الدین زکریا کے پوتے حضرت ابوالفتح سے بیعت و خلافت حاصل کی،

۱۲۵۷ھ میں آپ نے جام بامنیہ کی تحریک پر سلطان فیروز شاہ تغلق اور جام بامنیہ کے درمیان صلح کرائی،

حضرت محسوم جہانیاں جہاں گشت نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۱۲۵۷ھ میں وفات

پائی (بزم صوفیا صفحہ ۳۹۳ تذکرہ حضرت جلال الدین بخاری)



## شیخ حبیب

**نسب و خاندان** | رشد و ہدایت کے روشن چراغ شیخ حبیب کے والد کا اسم گرامی شیخ نعمت اللہ تھا، جو حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں ہیں، شیخ نعمت اللہ <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> خاندان کے فرمازادوں کے زمانے میں ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ میں ہی وفات پائی، شیخ نعمت اللہ خود بھی بڑے باکرامت اور صاحب کمال بزرگ تھے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ حبیب بھی زہد و ورع اور عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوئے، روحانی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، اپنی عظمت و جلالت کی وجہ سے وہ ”چراغِ مکی“ کہلاتے ہیں، ان کے عرفان و تصوف کی روشن کی ہوئی شمع سے، سیکڑوں انسانوں نے حق کی راہ پائی، صاحب تحفۃ الظاہرین نے لکھا ہے کہ

و سے اجل اولیاء سے کرام و اقدم مشائخ عظام بودہ، بو فور تو رہدایت  
اورا ”چراغِ مکی“ گویند، انوار معرفت از جبین و سے تاباں و اشعہ  
ہدایت از ناصیہ و سے درخشاں بود، بسام مردم از فیض تربیت ادراہ

۱۵۔ سمہ ایک قوم ہے جو سندھ کے قدیم باشندے ہیں، معصومی ہیں ہے کہ ابتدائے قوم کو نواحی کج سے آگر سندھ میں آباد ہوئی، ان میں اور سندھ کے لوگوں میں بیدرابطہ و اتحاد تھا، سومرہ خاندان کی بساط سلطنت کو الٹنے کے بعد سندھ میں سمہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی، سمہ خاندان کا پہلا بادشاہ جام اُتر تھا اور آخری بادشاہ نام جام فیروز تھا، سمہ فرماں روا جنھوں نے سندھ پر حکومت کی ان کی تعداد سترہ ہے۔

(معصومی۔ تحفۃ الکرام۔ لب تاریخ سندھ)



حق بردند و بسیار کساں بھین ہمت اور بملک معنی رسیدند۔

کرامت | مشہور ہے کہ آپ کے خادموں میں سے ایک خادم کو ضعفِ بصر کا مرض یہاں تک بڑھا کہ وہ بینائی سے محروم ہو گیا، وہ ہر روز ایک وقت مقررہ پر شیخ جیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر زبان سے کچھ نہ کہتا، اسی طرح جب بہت دن گزر گئے تو شیخ جیہ نے خود اس سے پوچھا کہ آخر تمہاری روزانہ حاضری کا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور مجھے اس کا غم نہیں کہ میں نابینا ہو گیا ہوں، مگر میرے لئے باعثِ افسوس تو یہ ہے کہ میرے دل کی دنیا بکلی تاریک ہے جو میرے لئے آنکھوں کی بینائی زائل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے، شیخ جیہ اس کی یہ گفتگو سن کر بے حد متاثر ہوئے، اور آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی، اس نگاہِ فیض اثر کا پڑنا ہی تھا کہ دل نور بصیرت سے اور آنکھیں نور بصارت سے منور ہو گئیں۔

مزار | آپ کا مزار کوہِ مکلی پر واقع ہے، قدیم زمانے میں ہر عہد کے پہلے دو شنبہ کی رات میں آپ کے مزار پر عقیدت مندوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ

ہر سال بتاریخ موصوف مجمعِ سترگ مہد گردید  
خدا م از شہر و بیرون آنجا احیا نمایند فقیران  
وجد و سماع آغازند، غریب حالتی مشاہدہ گردد  
(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

۱۔ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ ۲۔ یہ واقعہ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ سے ماخوذ ہے، اور شیخ جیہ کے متعلق باقی تفصیلات تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۸ و ۳۹ سے ماخوذ ہیں۔



میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ یہ درگاہ اپنی نورانیت کی وجہ سے ممتاز ہے، میر صاحب لکھتے ہیں۔

در تمام کوہِ مکی ایں درگاہ بفرط نورانیت مستثنیٰ است

اہل زیارت باستمدادِ ہمیش فائز ماجتند

(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۸)

اس وقت بھی شیخ جیہ کے مزار پر ایک بڑا گنبد ہے، جس میں کئی قببریں واقع ہیں، جن میں دکن کی جانب شیخ جیہ کا مزار علیحدہ ہے، مقبرے کے گرد جو اطراف ہے اُس میں بھی ایک بڑا قبرستان ہے، شیخ کا مقبرہ اپنی گہنگی کی وجہ سے مرتا طلب ہے۔

فضائل | صاحبِ مدیقۃ الاولیاء نے آپ کی عظمتِ عارفانہ کا اعتراف حسب ذیل اشعار میں کیا ہے۔

صدرِ زمن و مدارِ دوراں	آں سرورِ افتخارِ دوراں
نوبادۂ باغِ استقامت	گلدستہٴ گلبنِ کرامت
گنجینہٴ جوہرِ تجلی	آئینہٴ منظرِ تجلی
سر دفترِ اصلاحِ خالق	روشنِ دلِ عارفِ حقائق
سیاحِ محیطِ وجد و حالات	گلِ دستہٴ گلشنِ کرامات
خورشیدِ جمالِ شیخِ جمیہ	میراثِ خصائلِ رضیہ
سرچشمہٴ آبِ زندگانی	خضرِ دویمِ مسیحِ ثانی
از شیخِ بہاءِ دین و دنیا	نیکوِ خلفےٴ بتختِ والا
پیرا بہ وہ بہارِ امید	صبحِ نفسِ زفیضِ جاوید

۱۔ عواشی مکی نامہ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی شائع شدہ رسالہ مہران ۱۹۵۲ء







(۱۳)

## مخدوم جمعہ

حالات | مخدوم جمعہ سندھ کے ممتاز ترین صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، یہ حضرت سید علی شیرازی اور شیخ اسحاق اربعانیؒ کے ہم عصر ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام ان کے محامد و مناقب میں رستم طراز ہے کہ  
 ”اجل اولیاء و اکمل اتقیا بفضل و کمال معروت و جمال و قال  
 موصوفنا معاصر سید علی ثانی شیرازی است“

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کے اوصاف و فضائل کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔  
 ”وے اجل اولیاء و اکمل اتقیا و عالم عامل و فاضل کامل بود“  
 معاصر سید علی شیرازی و شیخ اسحاق اربعانی است“

ایک دفعہ ایک شخص مخدوم جمعہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ  
 قرآن مجید کی اس آیت دنیٰ انفسیکم افلا تبصرون کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے

اسے شیخ اسحاق اربعانیؒ کا اصل وطن اچھ تھا، آپ اولیاء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھہ تشریف  
 لائے، اور ٹھٹھہ ہی مستقل سکونت اختیار فرمائی، اربعانیؒ آپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ بدھ کے روز  
 پیدا ہوئے اور بدھ کو عربی میں اربعہ کہتے ہیں، اسی نسبت سے آپ اربعانی مشہور ہو گئے، صاحب کرامت  
 و صاحب حال بزرگ تھے، ملا محمود راہبوتی جو سندھ کے مشہور صوفیاء میں ہیں انھیں کے مرید تھے،  
 شیخ اسحاق اربعانیؒ نے ۳۰ رمضان کو عید کی شب میں ۹۵۰ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار ٹھٹھہ کے

مشہور قبرستان مکی میں واقع ہے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۰ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۱  
 ۲۵۰ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۰۵ و ترجمہ اور کیا تم اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے



اُس کے معنی بیان فرمائے، اُس شخص نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن اس سے  
کیا حاصل کہیں اس کو پڑھتا ہوں اور اپنے نفس میں کچھ نہیں دیکھنا

یا درخانہ دمن گرد جہاں می گردم

آب در کوزہ دمن تشنه لبان می گردم

مردوم اُس کے اس کہنے پر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے تاب ہو کر کبھی اٹھتے  
اور کبھی بیٹھتے اور کبھی اس کی طرف دیکھنے لگتے تھے، آخر آپ کی نگاہ فیض اثر  
نے اسی مجلس میں اس کی آنکھوں سے اس عجب کو اٹھا دیا جو معرفت الہی میں حاصل  
تھا، اور وہ شاہد حقیقی کے جلوؤں کو اپنے میں محسوس کرنے لگا۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا لیکن قیاس چاہتا ہے  
کہ آپ نے دسویں صدی کے آخر میں وفات پائی ہوگی، کیونکہ آپ  
کے معاصر حضرت سید علی ثانی شیرازی کا سنہ وفات (۷۹۸۱) ہے۔  
مزار | آپ کا مزار مکی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۔ شیخ جمعہ کے حالات تحفة الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۶۷، ۶۸ سے اخذ نہیں۔



(۱۴)

## درویش چرخس

**نام و خاندان** | آپ کا نام چرخس آپ کے والد کا نام دنہ تھا، قوم سمرکی سے تھے سندھ کے صوفیوں میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

**حالات** | ریاضت و مجاہدات کی وجہ سے اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ بڑے بڑے صوفیوں اور درویشوں سے نظر ملاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سواری پر سوار ہو کر راستے سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ان کی ملاقات شیخ برکیہ کا تیار سے ہوئی، شیخ برکیہ کا تیار نے ان کو آتا ہوا دیکھ کر سلام کیا، چونکہ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور آپ تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے اس لئے آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ شیخ برکیہ کا تیار جلدی سے نظر بچا کر وہاں سے گزر گئے، اور اپنے خادم سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ایک اثر دعا کی نظر سے ہم صحیح سالم بچ نکلے، اور اپنا مال و متاع بچالائے، ان کے جانے کے بعد درویش چرخس نے پوچھا کہ یہ کون تھا جس نے ہمیں سلام کیا تھا، لوگوں نے کہا یہ شیخ برکیہ تھے، آپ نے فرمایا بڑا بہادر تھا کہ ہم سے نقدِ دل بچا کر سلامت لے گیا۔

ایک دفعہ آپ مخدوم بلال کے پاس تشریف لائے جو اپنے زمانے کے متبحر عالم درویش تھے، اور ان سے ایک علمی استفہار کیا، مخدوم بلال نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا، لیکن یہ جواب آپ کو پسند نہ آیا اور مکر ہو کر تشریف



لے گئے، مخدوم بلال کو آپ کے تشریف لے جاتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ تمام علوم ان کے دل و دماغ سے محو ہو گئے ہیں، وہ فوراً ہی دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور نہایت ندامت و معذرت کا اظہار کیا، آپ نے پھر ایک بار توجہ فرمائی، اور انھیں ایسا محسوس ہوا کہ ان کی تمام کھوئی علمی صلاحیتیں دوبارہ ان کو واپس مل گئیں۔

مزار آپ نے موضع ذنکہ میں دفات پائی، اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خلافت ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۹۹-۲۰۰-۲۰۳ سے اور تحفۃ الکرام ۱۶۵ سے ماخوذ ہے



(۱۵)

## شیخ حماد جمالی

نام و نسب خاندان | شیخ حماد جمالی نام ہے، آپ کے والد کا اسم گرامی  
شیخ رشید الدین جمالی تھا، آپ تدریجاً اہل علمین شیخ

جمال درویش اچھی کے دستری نواسے ہیں۔

خانقاہ | ساموئی کے زیرین حصے میں جہاں آج آپ کا مزار مبارک واقع ہے،  
وہیں آپ کی خانقاہ تھی، جو اس دور میں سلوک و معرفت اور علوم ظاہری  
کی تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر  
ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے، طالبان علم اور سالکان راہ طریقت درس و تدریس

تحفہ الطاہرین میں ان کا نام شیخ جمال مذکور ہے، لیکن یہ سہو کتابت ہے، اصل میں ان کا نام حماد جمالی  
ہے جو ہم نے تحفہ الکرام سے نقل کیا ہے۔

علامہ شیخ جمال درویش اچھی صاحب حال و قال بزرگ تھے، اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت مسید  
جلال کے مرید تھے، (تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)

علامہ مخدوم کے شہر کے دیران ہونے کے بعد جو نواح قلعہ ارک میں تھا، اور سلطان علاء الدین کے  
شکر کے جو دو کے وقت دیران ہوا تھا، سہ بادشاہوں میں جام تغلق نے اس شہر اور قلعہ کلا کوٹ کو  
اپنے نام یعنی تغلق آباد کے نام سے آباد کیا لیکن نامکمل رہا، یہ شہر کچھ دن دارالحکومت بھی رہا، پھر  
دارالحکومت ٹھٹھہ منتقل ہو گیا، اسی سرزمین کو ساموئی کہتے ہیں جو ٹھٹھہ کے متصل اور مکی سے بالکل  
مٹی ہوئی ہے، اگرچہ آباد دیرانہ ہے (تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ بضمن ساموئی)۔



دنیویں باطنی کے حصول کے لئے خانقاہ میں حجرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ وہیں سے حقانی و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے۔ طلباء کی تعداد روزانہ آپ سے اکتساب علوم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، تحفۃ الظاہرین میں ہے۔

”گویند ہر روز صد ہزار تلامیذا خدمتِ آل مہر سپہر ولایت  
اقتباس از ار علوم ظاہری دباطنی می نمودند“

مریدوں کا خیال سندھ میں جام جوئے کی حکومت کا زمانہ تھا، اس کا چچا زاد بھائی جام تماچی اور اس کا لڑکا جام صلاح الدین شیخ حاد جالی

تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ و تحفۃ الظاہرین صفحہ ۲۸

جام جوئے سمہ خاندان کا دوسرا بادشاہ ہے، جس نے اس خاندان میں سب سے پہلے جام کا لقب اختیار کیا، جام جوئے کی مدت حکومت تیرہ سال ہے، اس نے اس زمانے میں مرغن خاں میں مبتلا ہو کر وفات پائی جب کہ سلطان علاء الدین نے اپنے بھائی الخ خاں کو نمان اور سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا، ابھی الخ خاں کا فرستادہ شکر سندھ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ جام جوئے نے وفات پائی۔

تحفۃ الظاہرین میں حدیقہ الاولیاء کے حوالے سے منقول ہے کہ

”در عہد خلافت جام جوئے جام تماچی و پسرش جام صلاح الدین کہ از بنی اعام دے بودند حلقہ ارادت آل

بندگوار و رگوش و غاشیہ عقیدت آل زبده اسرار بدوش کشیدہ“ تحفۃ الظاہرین صفحہ ۲۸

پھر ان دونوں کی تید کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آں بیگناہان را خضیہ بدارا انخلافت ولی فرستاد

ان عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ جام تماچی نامی کا ہی، کیونکہ اس کے بعد جام صلاح الدین تخت نشین ہوا ہی، لیکن تاریخوں سے ان دونوں کا دہلی جانا ثابت نہیں اور نہ یہ جام تماچی جام جوئے کے بعد تخت نشین ہوا ہی، بلکہ یہ جام باجیہ کے بعد تخت پر بیٹھا ہی، اس لئے صلاح الدین کے نام کی وجہ سے یہ سہو واقع ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ صلاح الدین سہو کنایت ہو گیا، یہاں خیر الدین ہونا چاہئے، اور یہ جام تماچی اول بن انز کا واقعہ ہے، اس قیاس کے لئے

یہ وجہ ہے۔ کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جام جوئے کے بعد جام تماچی اول تخت نشین ہوا جس کا بیٹا جام خیر الدین تھا انھیں باپ بیٹوں کو سلطان علاء الدین تید کر کے دہلی لے گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔



سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور آپ کی بارگاہ کی حاضری کو اپنے لئے موجب سعادت و برکت سمجھتے تھے، مفسدین نے جام جو نہ کے کان میں یہ بات سنی کہ جام تماچی چاہتا ہے کہ شیخ کی دعا کی برکتوں سے وہ تخت سلطنت پر بیٹھے، اور سندھ کی حکومت کو حاصل کرے، جام جو نہ نے اس خبر کے سنتے ہی اپنے اراکین و دولت سے مشورہ کر کے ان دونوں بے گناہوں کو قید کر کے خفیہ طور پر دہلی بھجوا دیا، وہاں یہ دونوں ایک عرصہ تک قید رہے، پھر شیخ کی دعاؤں کی برکتوں سے ان دونوں نے رہائی حاصل کی، اور سندھ کے تخت حکومت پر متمکن ہو گئے۔

**استجاب دعا** کہتے ہیں کہ جب جام تماچی سندھ کے تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ آپ کی خدمت میں ایک کثیر رقم بطور نذر لے کر

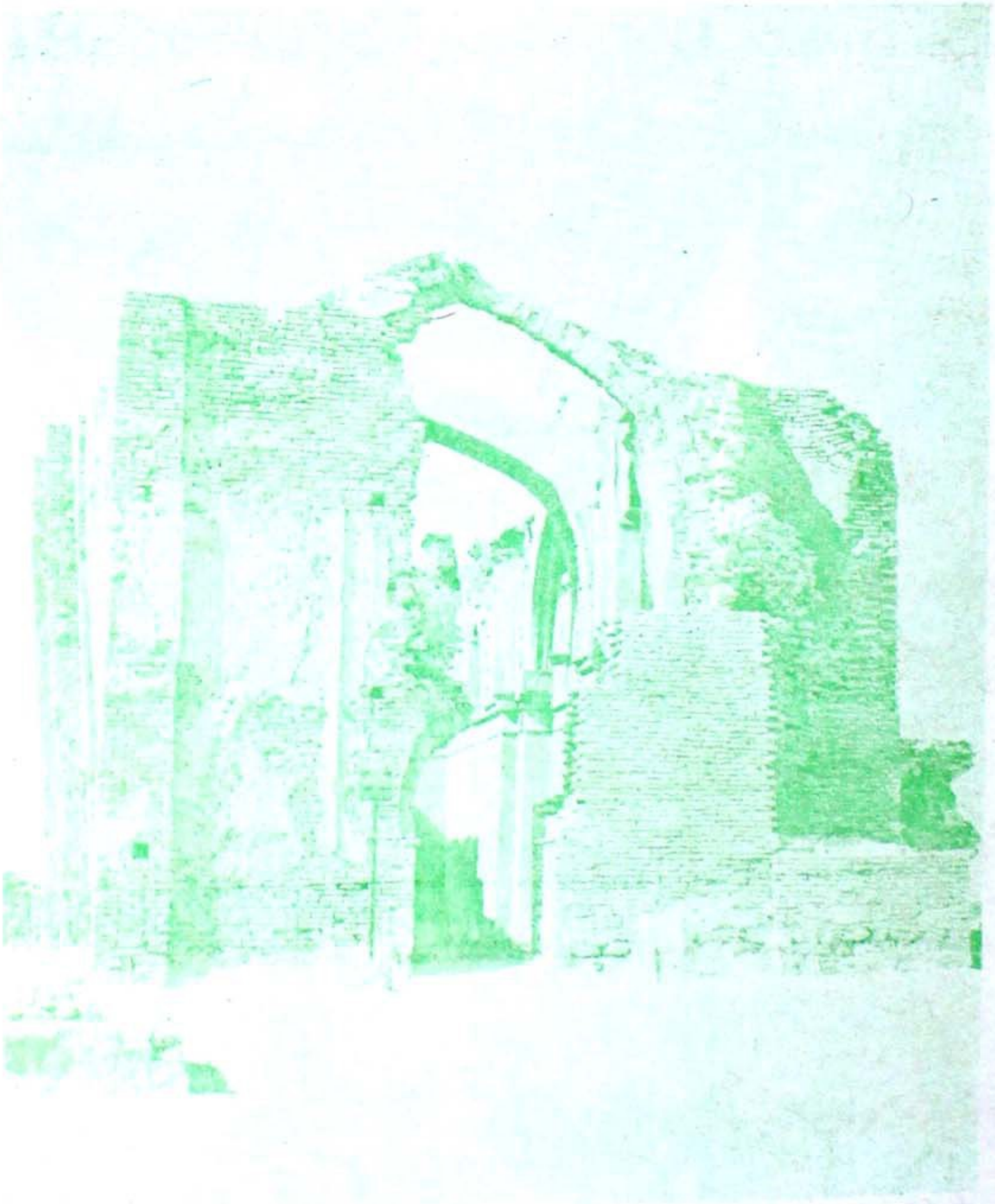
حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یہ تاج و تخت حضور ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے، میں پھر بھی آپ کے لطف و کرم کا طالب ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے، شیخ نے فرمایا یہ رقم جو تم لے کر آئے ہو میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک مسجد تعمیر کرو، اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین کو تقسیم کرو، تاکہ یہ زمین ہمیشہ ان کے قبضے میں رہے، غالباً یہ شیخ کی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لے کر کیچ تک زمین کا بڑا حصہ ستمہ قوم کی ملکیت رہا۔

۱۵ میں نے یہاں اجمالی طور پر اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے، تحفۃ الکریم جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ د  
تحفۃ الظاہرین صفحہ ۲۸ پر یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اور حدیقۃ الاولیاء میں بھی صفحہ ۵۹ تا ۶۲ پر  
اس کی تفصیل ملتی ہے۔

۱۵ تحفۃ الکریم جلد ۳ صفحہ ۱۸۳



ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام  
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام



شیخ حماد جمالی کی تعمیر کردہ جامع مسجد مکی جس کی  
وجہ سے ٹھٹھہ کے شہور قبرستان کا نام مکی پڑا  
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)







**مسجد مکلی** | جام تماچی نے شیخ کے ارشاد پر ایک مسجد آپ کی خانقاہ کے متصل تعمیر کرائی، یہی مسجد بعد میں مسجد مکلی کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ٹھٹھہ کے بالکل متصل ایک پہاڑی ہے جو تقریباً بارہ میل لمبی ہے، اس پہاڑی پر بہت سے اولیاء اللہ، علماء و فضلاء، شعراء، مورخین، سلاطین اور یگانہ روزگارا، اہل کمال مدفون ہیں، ٹھٹھہ کا یہ قبرستان اپنی عظمت اور تاریخ کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، شیخ حماد ہی کے زمانے میں اس مسجد میں ایک اہل دل و صاحب حال درویش جو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جا رہے تھے مقیم ہوئے، انھوں نے اس قبرستان میں غیر معمولی انوار و برکات محسوس کئے، ان انوار و برکات کو مشاہدہ کر کے بار بار یہ بزرگ کہتے تھے کہ ہذا مکہ لی (یہی میرے لئے مکہ ہے)، شیخ حماد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے اس مسجد کو ”مسجد مکلی“ سے موسوم کیا، اُس وقت سے اس پہاڑی کا نام بھی مکلی پڑ گیا، اس وقت بھی یہ مسجد نہایت حسہ حالت میں موجود ہے۔

**وضع و قطع** | وضع و قطع بالکل سادہ رکھتے تھے، مقالات الشعراء میں ہے۔  
 ”وضع شیخ سرور پابریہ، پارہ نمد ستر پوش و بوریاے فرش بود“  
 غالباً آپ نے اپنے ہی حال کا اظہار اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے۔

دو گزک بوریا و پوستگی      دلکی پر زرد و دوستگی  
 اس قدر بس بود جانی را      عاشقی زند و لا ابالی را

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵      ۲۔ مقالات الشعراء علمی صفحہ ۷۸ ملو کہ سید

حسام الدین صاحب راشدی، ان اشعار کے متعلق جناب سید حسام الدین صاحب راشدی نے خواہی

مکلی نامہ میں ریاض الشعراء والداغستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ اشعار سیر العارفین

کے مصنف جانی دہلوی کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔



**بزرگی** | حضرت شیخ حماد جمالی کے زہد و دُرع اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تمام تذکرہ نگاروں نے ان کے عرفان و تصوف، تقدس و تقویٰ کا نہایت اہتمام سے ذکر کیا ہے۔

حدیقة الاولیاء کے مصنف نے ان کے حالات کو اس القاب سے شروع کیا ہے۔

”ان صاحب کشف و کرامت و آں جلیل القدر عالی مرتبت، سرخیل

مبارزانِ طریقت، سرد فر عارفانِ حقیقت، خداوندِ خصائلِ مرضیہ

جامع کمال است علمیہ و عملیہ، محرم خلوت خانہ قدس، بار یافتہ مجلس انس،

سرست جامِ وحدت، غریب در دریائے معرفت، محبوب ذوالجلالی

شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جمالی“

آگے چل کر ان کچھ لوگ و کرامت و فیض رسائی کا اعتراف کرتے ہوئے

صاحب حدیقة الاولیاء لکھتے ہیں کہ

خو رشید فیضانِ الہی، و مکاشفہ غیر متناہی بنوعی بکاشانہ و سے پر تو

انداخت کہ جمیع اسرار عالم ملک و ملکوت بروے لکشوف ساخت،

تا آنکہ ہر روز صد تلامیذ و دانش اندوز از مجلس آن شمع دل انروز

حدیقة الاولیاء کے مولف کا نام سید عبد القادر ہے، حدیقة الاولیاء سندھ کے اولیاء

کا پہلا تذکرہ ہے، جس کو سید عبد القادر نے ترخانی دور کے مشہور امیر خسرو خاں چرخس کے

نام سے معنون کیا تھا، خسرو خاں چرخس علم و دست، شعرا پرورد علماء کا قدردان تھا، سید

عبد القادر اسی کے دامن دولت سے وابستہ تھا، حدیقة الاولیاء کے تین نسخے میری نظر سے گزرے

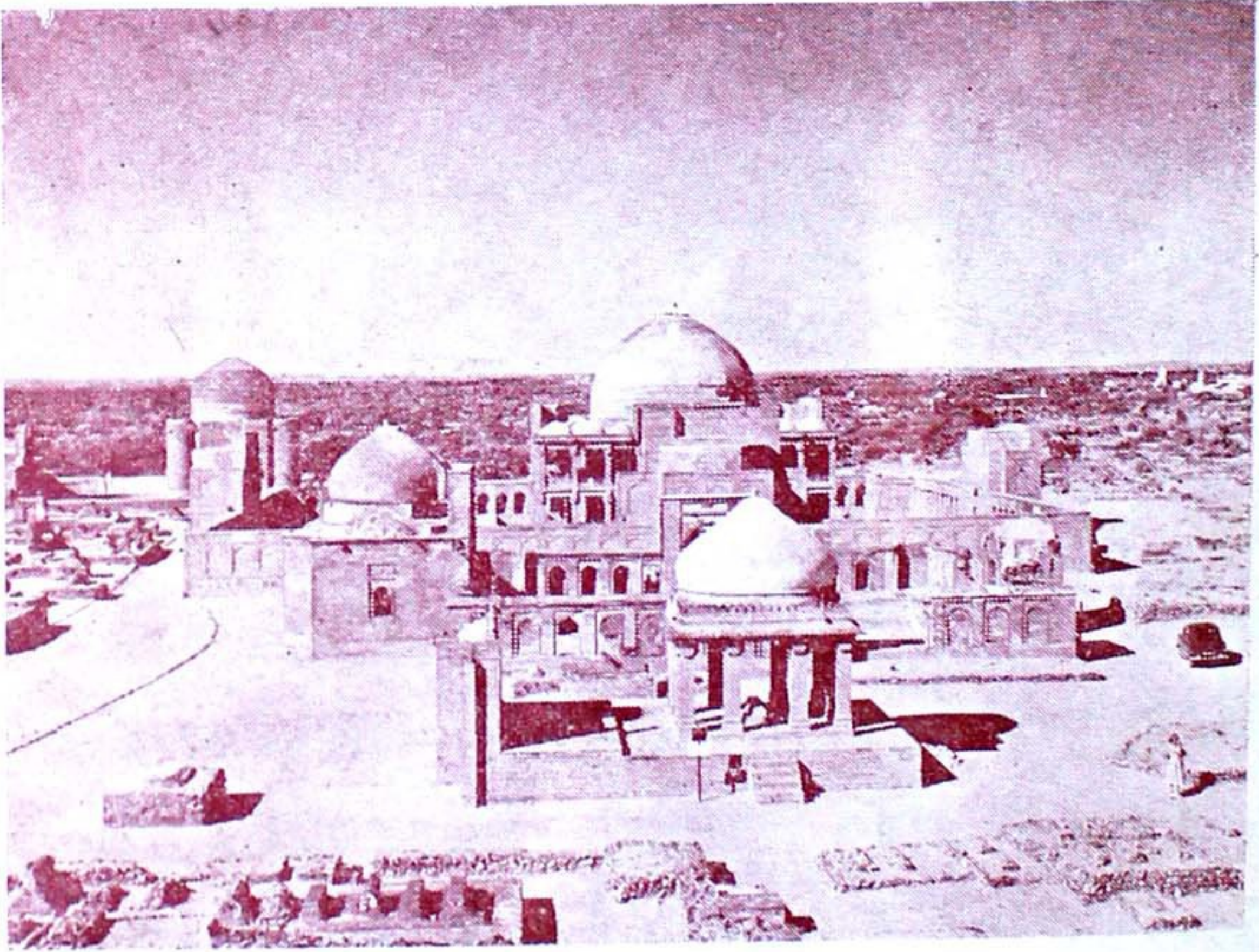
ہیں، اس کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے، دوسرا نسخہ ناقص سید حسام الدین صاحب

راشدی کی لائبریری میں نے دیکھا تھا، تیسرا نسخہ آغا بدر عالم درانی کی لائبریری آشتیانہ ادب میں

موجود ہے



مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم  
تو نے وہ گنجہائے گراں سایہ کیا کیئے



ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان سکلی کا ایک عام منظر  
جس میں سندھ کے جلیل القدر علماء، عظیم المرتبت صوفیاء،  
بلند پایہ شعراء، بیمثل مفکرین، متعدد فرمائروایان سندھ،  
اور مختلف اہل کمال و دانشور محو استراحت ہیں  
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)







اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آل تشبث اذیالی  
مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کر دندے۔

شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی نے اپنی مشہور تالیف تحفۃ الطاہرین میں شیخ حماد جمالی  
کے تذکرہ کو ان القاب سے شروع کیا ہے۔

آن کثاف غوامض حقیقت، دانائے رموز معرفت، غوامض بحر  
تحقیق، فارس مضار توفیق، عالم حقائق شریعت، مشعلہ دار شہستان  
طریقت، محبوب ذوالجلال، یعنی شیخ جمال بن شیخ رشید الدین جمال  
علیہ الرحمۃ۔

مزار شیخ حماد کا مقبرہ نہایت خستہ حالت میں مکلی میں جام نندا کے مقبرے  
کے قریب اور مسجد مکلی کے برابر موجود ہے۔

۱۰ تحفۃ الطاہرین کا مولف شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی ہے، جس کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ  
میاں نور محمد کلہوڑا کے دوران حکومت (۱۱۶۷ھ - ۱۱۷۷ھ) میں پیدا ہوا، اور ٹالپروں کی حکومت  
کے ابتدائی زمانے میں اس نے وفات پائی، کیونکہ اس نے اپنی دوسری کتاب ہیبت العالم  
میں جو جغرافیہ پر ہے میر سہراب خان ٹالپرو والی خیر پور کی مدح نظم میں لکھی ہے، شیخ محمد اعظم نے  
تحفۃ الطاہرین ۱۱۹۷ھ میں مرتب کی (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ، تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا  
بدیع عالم درانی) ۱۱۰ مقالات اشعار



(۱۶)

## حضرت شیخ حسین صفائی

**ابتدائی حالات** | ٹھٹھہ کے اولیاء میں حضرت شیخ حسین صفائی ایک بڑے عالی مرتبت بزرگ گذرے ہیں، آپ کی والدہ حضرت پیر مراد کی بیوی کی خادمہ تھیں، اور چونکہ ان کو اپنی والدہ کی وجہ سے حضرت پیر مراد کے یہاں تربیت پانے کا موقع ملا، اس لئے ابتدا ہی سے آپ میں بزرگی اور ولایت کے آثار ہوید اکتے۔

**توجہ شیخ** | تذکرۃ المراد میں ہے کہ ایک روز حضرت سید مراد قدس سرہ وضو فرما رہے تھے، آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی، حضرت شیخ حسین صفائی کو پینے کے لئے دیا، پانی کا پینا ہی تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور اسی دم آپ ولایت کے درجے پر فائز ہو کر اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

**استغناء** | فقر و درویشی کا امتیازی وصف ما سوا اللہ سے استغناء و بے نیازی ہے، حضرت شیخ حسین صفائی میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔

آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہ حسن ازغون نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔  
کہا جاتا ہے کہ آپ کے خادموں سے ایک خادم کہیا جانا تھا، اسے



جب آپ کی تنگدستی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی  
 کیمیا بنانے کا نسخہ بتایا تاکہ آپ کا ہاتھ فراخ ہو۔ چند دن کے بعد یہی خادم آپ کی  
 خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ شیخ کے گھر میں سابق کی طرح وہی تنگدستی داخل ہے  
 یہ دیکھ کر اسے افسوس ہوا اور اُس نے شیخ سے عرض کیا کہ جو چیز میں نے آپ کو  
 سکھائی تھی اُس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تنگدستی دور ہو، لیکن آپ نے اُس کی  
 طرف توجہ نہیں فرمائی، شیخ نے فرمایا جاؤ ہمارے کسی بیت الخلاء میں جاؤ اور تماشا  
 دیکھو، وہ ایک بیت الخلاء میں گیا، وہاں اُس نے دیکھا کہ سونے چاندی کے  
 ڈھیر لگے ہوئے ہیں، جب وہ وہاں سے لوٹا تو شیخ نے اس سے فرمایا، اسے  
 بے خبر تم نے دیکھا کہ دنیا مردانِ خدا کی نظر میں کس قدر ذلیل و خوار ہے، وہ  
 چیز جس کو تم اپنے دل میں جگہ دینے ہوئے ہو، ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر  
 بیت الخلاء کے سپرد کر دیا ہے۔

**سرافرازی** | مشہور ہے کہ آپ شیخ قطب الاقطاب پیر مراد کی جناب میں منصب  
 "عرض بگلی" سے سرفرازی تھے، اور اہل حاجت کی حاجت دہانی میں ممتاز تھے۔  
**تصنیف** | حضرت شیخ صفائی نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ مراد کی سوانح حیات  
 تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کی ہے۔

**وفات** | آپ نے ۹۳۰ھ میں وفات پائی ہو خیر البقاء سے آپ کا سنہ وفات  
 نکلتا ہے اور حضرت پیر مراد کے فرار مبارک کے پائینتی مدنون ہوئے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۱ و ۲۲ و تحفۃ الکرام و معارف الانوار سے ماخوذ ہے۔  
 ۲۔ رسالہ بہران نمبر ۳ جلد ۱۹۵۰ء حواشی مکتب نامہ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی، تذکرۃ المراد  
 کا ایک عکسی نسخہ میرے محترم دوست آغا بدر عالم درانی سابق اسپیکر سندھ اسمبلی کی لاہوری آشیانہ  
 ادب - گڑھی بسین ضلع سکھر میں موجود ہے۔



## درویش حسن مرقی

**حالات** | آپ کا نام درویش حسن مرقی، عرف موزن تھا، قصہ بانوت کے رہنے والے تھے، بخاری کا پیشہ کرتے تھے، ہمیشہ ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہتے اور بحرِ مکہ شیفے میں غرق رہتے تھے، نطافت و پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں عنبر و وضو، و طہارت کے لئے ایک طہارت خانہ بنا رکھا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اس میں وضو کے لئے داخل ہوتے، اور عین وضو میں آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی، اور گھنٹوں اسی عالم میں گذر جاتے۔

ایک روز آپ ٹوٹے کر وضو کے لئے بیٹھے، ابھی ہاتھ بھی دھونے نہ پائے تھے کہ ظہر کی اذان کی آواز آپ کے کان میں پہنچی، اور آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی یہاں تک اسی عالم میں پوری ایک رات اور دن گذرا، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ آپ سے کچھ پوچھے، یہاں تک کہ جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا اور موزن نے ظہر کی اذان دی تو اس وقت آپ ہوش میں آئے اور حیرت سے فرمایا کیا ابھی تک موزن نے اذان ختم نہیں کی۔

صاحبِ مدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک دفعہ مخدوم مراد ابن مخدوم صدر الدین اپنی سواری پر سوار ہو کر آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اور سواری کو ایک جگہ باندھ کر آپ کے مکان پر پہنچے، وہاں جا کر خدام سے معلوم ہوا کہ آپ پر سات روز سے وضو کی حالت میں استغراق کی کیفیت طاری ہے، یہ سن کر



مخدوم صدر الدین کو تعجب ہوا، اور تھوڑی دیر آپ کے پاس کھڑے رہے، یہاں تک کہ آپ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے اور آپ نے مخدوم مراد سے مصافحہ کیا، مخدوم مراد نے ذرا گستاخانہ لہجے میں کہا کہ آپ پر وضو کی حالت میں سات دن سے استغراق کی کیفیت طاری ہے، ان سات دن کی بہنیتیں نمازیں ہوتی ہیں، آپ نے کوئی نماز بھی ادا فرمائی؟ درویش حسن مقری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، میاں آپ جائیے اور پہلے اپنی سواری کے جانور کی خیر لیجئے، پھر مجھ سے نماز کے متعلق دریافت کیجئے، مخدوم مراد یہ سن کر اُس جگہ لوٹے جہاں انہوں نے اپنی سواری کو باندھا تھا، دیکھا کہ سواری کا جانور غایب ہے، کئی دن کی تلاش و جستجو کے بعد وہ سواری کا جانور ملا اور مخدوم مراد اپنے گھر واپس ہوئے۔

ایک دفعہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لوگوں سے ان کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے کہا یہ ایک مسافر ہیں اور حافظ کلام اللہ ہیں، آپ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم حافظ قرآن ہو، انہوں نے کہا ہاں، پھر پوچھا کہ میاں یہ تو بتاؤ کہ قرآن مجید کی تلاوت میں کسی وقت بھی کوئی نشتر تمہارے دل میں کھٹکا ہے، یہ فقرہ زبان مبارک سے سن کر ان صاحب کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا، اور ان کی پوری زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا، اور مختلف ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد وہ اپنے زمانے کے اولیائے کبار میں شمار ہوئے۔

**وفات** | درویش حسن مقری نے بانوت علیہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۔ بانوت ضلع دادو میں (سجدہ کا) ایک قصبہ ہے۔

۲۔ یہ تمام حالات حدیقتہ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۲ سے ماخوذ ہیں۔



## شیخ خضر سیستانی

**حالات** | شیخ خضر سیستانی سندھ میں سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے میں، شیخ خضر کا بڑا حصہ ہے، میاں میر لاہوری انھیں کے جلیل القدر مرید خلیفہ تھے، جنھوں نے نہ صرف سندھ میں بلکہ پنجاب میں بھی سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو پھیلایا۔

شیخ خضر قادری کا وطن سیوستان تھا، اُن کے آئینہ سیرت میں اتقا و تقدس، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں، توکل کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان میں گزارتے تھے، پھر وہ سیوستان کے متصل ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں ان کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یاد الہی میں گزرتا تھا، اس پہاڑ میں انھوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جس میں روٹی پکینے کی نوبت کبھی نہیں آئی، گرمی و سردی میں ہمیشہ اُن کا لباس ایک تہ بند تھا، سردی میں ہمیشہ اُس تنور میں بیٹھ کر یاد الہی کرتے، مشہور یہ ہے کہ جس پتھر پر وہ بیٹھتے تھے وہ کبھی گرم نہیں ہوا، پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ سہر سیوستان میں بہت کم آتے تھے، تعلقات دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے اُن



کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیلوستان کا حاکم اس پہاڑ پر آپ کی زیارت کے لئے آیا، شدید گرمی کا موسم تھا، اور آپ پنچہ پر بیٹھے ہوئے عبادت و مراقبہ میں مصروف تھے، وہ اس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے اس طور پر کھڑا ہوا کہ اس کا سایہ آپ پر پڑے، جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیوں اس دیرانے میں آئے ہو، اور تمہارا کیا مقصد ہے، اس نے جواب دیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائیں تو اس کی بجا آوری میری انتہائی سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کر سکو، حاکم نے نہایت ہی بجا جت سے پھر دوبارہ عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہوگی، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اسے منظور کرو گے، اس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو یہ اپنا سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے ہٹا لو، اس لئے کہ جو لوگ اللہ کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں، انہیں اس سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ، حاکم یہ سن کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اتنی دور کھڑا ہو گیا کہ اس کا سایہ آپ پر نہ پڑے، پھر اس نے عرض کیا کہ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ عبادت الہی میں مصروف ہوں میرے لئے دعائے خیر فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے کہ جب کہ اللہ کی ذات



کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے، اور میں اس وقت میں  
تمہیں یاد کروں۔

**وفات** شیخ خضر سیوستانی نے ۱۹۹۲ء میں وفات پائی، مفتی غلام سرور  
لاہوری نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

خضر چوں آں رہنمائے دو جہاں  
مقتداے دین ولی و مستقی  
گرد چوں رحلت ازین دارِ فنا  
سالِ وصلِ آں ولیِ جنتی  
آفتابِ عارفانِ حقِ بگو  
نیز سالکِ مستقی نورِ لولی  
۳۹ ۹ ۳

۱۔ یہ تمام تفصیل تذکرہ مشاہیر سندھ (سندھی) مولفہ مولانا دین محمد وفائی سے ماخوذ ہے  
جس میں خزینۃ الاصفیاء کا حوالہ موجود ہے۔



## قاضی خیر الدین

**حالات** | قاضی خیر الدین سندھ کے نامور صوفیاء اور مشائخین میں شمار ہوتے ہیں، صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے انکی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص مرضِ اسہال میں اس درجہ مبتلا ہوا کہ کوئی دوا اس پر کارگر نہ ہوتی تھی، اس کے اعزہ جب دوا و علاج سے عاجز آگئے تو اسے گھر سے لاکر چوراہے پر ایک کُوڑھی پر بٹھا دیا، ناگاہ ادھر سے قاضی خیر الدین کا گزر ہوا، اور آپ کی نظر اس بیمار پر پڑی، جب آپ اس کے پاس پہنچے، آپ نے اس سے اس کی کیفیت دریافت کی، اس شخص نے آپ سے اپنا سارا حال بیان کیا، آپ نے اس پر ایک نظر کیمیا اثر ڈالی، اسی وقت اس کے اسہال رک گئے، اور وہ تندرست ہو گیا، اور تقریباً چالیس سال تک زندہ رہا اور تندرستی و عیش و آرام کی زندگی بسر کی۔

**وفات** | قاضی خیر الدین نے غالباً نصر پور میں وفات پائی اور نصر پور سے ایک میل دور جانبِ جنوب دفن ہوئے۔

۱۵۔ یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۶ سے ماخوذ ہے۔



(۲۰)

## قاضی دتہ سیوستانی

**نام و نسب** | آپ کا نام قاضی دتہ آپ کے والد کا نام قاضی شرف الدین تھا جو مخدوم راہو کے لقب سے مشہور تھے، مخدوم راہو کے والد شیخ محمود حلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے۔

**تعلیم** | قاضی دتہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب کشف بزرگ تھے، وہ بہت سے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اکتساب فیض کیا، اور روحانی تعلیم حاصل کی، قاضی دتہ نے علوم متداولہ کی تعلیم ایک طویل عرصہ تک اپنے والد محترم قاضی شرف الدین کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، جب وہ علوم و فنون میں خاطر خواہ ترقی کر چکے تو مخدوم بلال کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، بعض علوم میں انہوں نے مخدوم محمود داؤد پورہ اور مولانا عبدالعزیز ہردوی کے تلمذ

لے مخدوم محمود فخر پورہ سندھ کے اکابر علماء میں سے تھے، ان کی وجہ سے سندھ میں کافی علم کی اشاعت ہوئی عالم اور صاحب باطن بزرگ تھے، علم میں فیوض و برکات کا یہ عالم تھا کہ جس طالب علم نے بھی آپ سے علمی اکتساب کیا ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، جس وقت آپ ہرات سے سندھ تشریف لائے راستے میں بہت سے خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوئے، آپ نے موضع کاہان میں اقامت اختیار فرمائی تھی (معصومی صفحہ ۱۹۸ - جز سوم) مولانا عبدالعزیز ہردوی ابھری ہرات سے سندھ تشریف لائے، اور موضع کاہان میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، علم معقول میں مہارت تامہ رکھتے تھے، حکام وقت آپ کا بڑا احترام اور خاص خیال رکھتے تھے، اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنی سعادت سمجھتے تھے (معصومی صفحہ ۱۹۹ - جز سوم)



کافر حاصل کیا۔

**تفسیر سے شغف** | تفسیر قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے تقریباً  
قرآن مجید کی اٹھارہ تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا،  
اور قرآنی معارف و نکات کو بیساختہ بیان فرماتے تھے۔

**حافظہ** | مختلف علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ  
اکثر کتابوں کی عبارتیں بغیر کتاب کے سنا دیا کرتے تھے۔

**شاہ حسن ارغون کی عقیدت** | ارغون خاندان کا دوسرا فرمانروا مرزا شاہ  
حسن ارغون آپ کے علم و فضل و تقویٰ و

تقدس کی وجہ سے آپ سے بچہ عقیدت رکھتا اور آپ کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتا  
تھا، شاہ حسن نے بعض علوم میں آپ سے استفادہ بھی کیا تھا، اس لئے وہ آپ کو  
اپنا استاد بھی کہتا تھا، اور علمی عظمت کی بنا پر انھیں امام جبار اللہ کہتا تھا، میر معصوم  
بھکری مولف تاریخ معصومی بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک رہے ہیں۔

**فرار** | قاضی دتہ نے موضع باغبان میں وفات پائی اور وہیں آپ کا فرار مبارک  
مرحج خاص و عام ہے۔

لہ یہ تمام تفصیل حدیقۃ الادلیا، قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی کے صفحہ ۹۳-۹۴ سے ماخوذ ہے۔



## حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی

**ولادت** | حضرت سید علی کلاں شیرازی حضرت پیر مراد کے حقیقی بھائی، اور حضرت پیر مراد ہی کے مرید ہیں آپ کی ولادت ۹۵۰ھ میں ہوئی، اور تصوف و طریقت کے منازل آپ نے اپنے بھائی حضرت پیر مراد سے سیکھے اور خلافت حاصل کی اور کھٹھہ میں اپنے بزرگوں کی طرح تزکیہ باطن اور اصلاح خلق میں مصروف ہو گئے۔

**پیر کی دعا** | مشہور ہے کہ حضرت قطبِ زمان حضرت پیر مراد نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر و برکت اور وسعتِ رزق کی دعا فرمائی تھی، حضرت پیر مراد کی دعا کا یہ اثر تھا کہ آپ درجہ ولایت تک پہنچے، صاحبِ کشف و کرامات ہوئے۔

**اولاد** | حضرت سید علی کلاں شیرازی کے دو صاحبزادے ایک سید جلال، اور دوسرے سید جمال تھے۔

سید جلال آپ کے بڑے صاحبزادے تھے جو ۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی طرح صاحبِ حال بزرگ تھے، یہ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت پیر مراد کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے، علوم ظاہری میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ میں آپ بیحد کمال رکھتے تھے، اور ان علوم کا درس بھی دیتے تھے، آپ کی ساری عمر مذہبی علوم کی اشاعت و درس



تدریس میں بسر ہوئی، سید جلال نے چھیاٹھ سال کی عمر میں ۳۰ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مکی میں اپنے والد کے مزار مبارک کے پائنتی، سید محمد جعفر کی قبر کے متصل مغربی جانب ہے، وجعلنا للمتقین اماما سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

**وفات** حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی نے بیاسی سال کی عمر میں ۳ صفر ۷۸۰ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی اور یکم ربیع الاول کو اپنے والد کے مزار مبارک کے پائنتی دفن ہوئے۔

**فضائل** صاحب حدیقۃ الاولیاء نے آپ کی بزرگی و عظمت و فضائل کا اعتراف ان اشعار میں کیا ہے۔

آن دانے گشودِ ولایت	برہانِ مالکِ ہدایت
صاحبِ دلِ عارفِ محقق	بیدارِ دلی ولی مطلق
سید علی آن بفضل ممتاز	سر دفتر سیدان شیراز
گل دستہ بوستانِ طاہر	فخر نمری ز نخل زہرا
کشافِ دقائقِ معانی	دانائی حقائقِ ہسانی
مراتبِ جمالِ اسمِ اعظم	بینائی رموزِ ہر دو عالم
از آئینہ دلش ہویدا	اسرارِ جلالِ حق تعالیٰ
ہم منظرِ صورتِ تجلی	ہم مخزنِ گنجِ لایزالی
دریا دلِ فتلیمِ ساحت	عیسیٰ دم و یوسفِ ملاحیت
دستِ کرشمِ جو ابر نیاس	می بود ہمیشہ گوہر افشاں
فیضِ کرشمِ کہ عام بودے	زو بہرہ صد کرام بودے
در راہِ خدا ببدل و ایثار	می داشت دلی جو بحرِ رخا



گر خود ہمہ گنج شائیکاں بود  
میداد ہمہ بتازگی رو  
بودش بنظر ہزار جوہر  
صد گونہ سماط نزل چندی  
بنشستہ بسنم میزابانی  
اخوان صفائے ہر دیاری  
ہر روز بر رسم مہاناں  
ہر یک ز اخاضہ نعیمش  
بر جمیدہ جو اہر مطالب  
دائم بہ ابتغایے مرضات  
ہشتاد یکے سین و نہصد  
کو رخت ازین سرائے فانی  
آسودہ بخوشترین فراغے  
خورشید ز روی شوق اخلاص  
از باغ طرب کلی شگفتہ  
نزد ہمت گہ چشم اہل بینش  
تا ہست نفوس پاک در خاک

در حال جملہ بحر دکاں بود  
ہرگز ننگندہ بین در ابرو  
با قیمت یک پشہ برابر  
خوان ہائے نغم بر آں کشیدی  
میداد صلاے مہانی  
خلان و فائز ہر کناری  
از شوق بخدمت شتاباں  
وز بحر کعب ید کریمش  
برگشتہ از آں حریم صائب  
کوشیدہ در انقضاے حالات  
بگذشتہ ز ہجرت محمد  
بر بست بملک جاودانی  
مانند بہشت مرغزارے  
در گنبد او چو ذرہ رقاص  
کز شبیم فیض رخ بشستہ  
پیدا یی باغ آفرینش  
ہستند میخان افلاک

باد از درود پاک بازاں  
معمور ز فیض خاک بازاں



## حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی

**خاندان** | آپ سید جلال کے صاحبزادے، حضرت میاں سید علی کلاں کے پوتے تھے، مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، آپ بچپن ہی سے تقویٰ اور پرمیزگاری کی طرف مائل تھے، خاندانی ماحول اور افتاء و طبیعت نے آپ کو نیکی اور اتقا کے ڈگر پر ڈالا تھا، ابتداءً آپ نے ایک بزرگ درویش راجہ سے تزکیہ نفس اور تربیت روحانی حاصل کی، ان کے بعد آپ نے اُس عہد کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم نوح ہلالی سے بیعت کی، اور مقام فنا فی اللہ سے گذر کر مقام بقا باللہ میں داخل ہوئے۔

**مدینہ طیبہ میں حاضری** | مشہور ہے کہ جب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مدینہ منورہ کے بعض شرفائے آپ کے سید ہونے سے انکار کیا، اور کہا کہ سید اس قدر سرفام نہیں ہوتے، آپ حجرہ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا یا جدی (اے میرے دادا)، روضہ مبارک کے اندر سے آواز آئی لبیک یا ولدی (اے میرے بیٹے میں موجود ہوں) یہ سن کر لوگ حیران ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تھا، انھوں نے آپ کے قدموں پر گر کر آپ سے اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔



**سخاوت و فیاضی** | سخاوت و فیاضی وجود و بخشش میں آپ کا ہاتھ بہت کشادہ تھا، کوئی حاجتمند آپ کے دروازے سے ناکام نہ جاتا تھا۔

**رشد و ہدایت** | آپ سے بھی بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں نے رہنمائی حاصل کی، اور آپ کا زیادہ وقت اعلیٰ کلمۃ الحق میں صرف ہوتا تھا

**تصانیف** | آپ کی تصانیف میں رسالہ آداب المریدین کو خاص شہرت حاصل ہے، یہ رسالہ آپ نے چونتیس سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا، اور سنہ ۹۵۴ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اس کے علاوہ حضرت سید علی ثانی فارسی، عربی اور سندھی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے، معارف الانوار کے مصنف نے آپ کے سندھی کے دو ایک دوہے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، ان کے دوہوں کو سندھی ادب کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

**شہنشاہ بہایوں کی عقیدت** | ترخان نامہ میں ہے کہ جب بہایوں عمر کوٹ پہنچا تو ٹھٹھ کے لوگوں کی طرف سے حضرت سید علی شیرازی جو اس وقت شیخ الاسلام تھے بہایوں کے پاس آئے، اور انھوں نے اس کے سامنے تحفہ مختلف قسم کے عطر اور پھل پیش کئے، اسی زمانے میں رجب شب یکشنبہ ۹۴۹ھ میں اکبر کی ولادت ہوئی۔ بہایوں نے تبرکاً حضرت سید علی شیرازی کے پیراہن سے کپڑے لے کر اکبر کا پہلا لباس تیار کرایا۔

**وفات** | سنہ ۹۵۸ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کا مزار مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

**اولاد** | آپ کے فرزندوں میں جلال ثانی خاص طور پر مشہور ہیں، جو اپنے بزرگوں کی طرح پُر وقار زندگی بسر کرتے تھے، اور اپنے والد اور

لے ترخان نامہ قلمی۔ یضمن میرزا شاہ حسین درغون۔

لے سنہ وفات تحفۃ الکریم جلد سوم صفحہ ۸۸ سے نقل کیا گیا، تحفۃ الطاہرین میں آپ کا شمار دوں ہے۔



دادہ کے سجادہ نشین ہوئے، مرزا باقی ترخان کے بھائی مرزا صالح نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کی تھی، اور اسی نسبت سے اس نے آپ کو اکبر بادشاہ کے حضور میں بھجوایا تھا۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت جلال ثانی کا پایہ بہت بلند ہے، میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ

سید جلال الدین محمد نیر نیر پور و رع و کمال آراستہ و قدم پر جادہ پد پد بزرگوار نہادہ و در جمیع علوم یگانہ زماناں و وحید عصر و اوان بودند بتانت و لطافت ذہن بے نظیر، و در کمال مردمی و مردوست با وجود قلت ادراارے کہ داشتند زیادہ از پدر مردم بہرہ مند می شدند، تشریح سید جلال زیادہ از پدر راست

حضرت جلال الدین ثانی کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سید میر محمد ان کے جانشین ہوئے۔ ترخانی دور کی مشہور تاریخ ”ترخان نامہ“ سید میر محمد ہی کی تالیف ہے کہ

۱۱۵ میرزا محمد باقی بن میرزا عیسیٰ ترخان اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۱۹۷ھ میں ٹھٹھہ میں تخت حکومت پر بیٹھا، یہ بڑا ظالم انسان تھا، سلطنت ۱۱۹۷ھ میں اس کو جنون ہو گیا، اسی جنون میں اس نے اپنے خنجر مار لیا، اور اسی زخم سے وفات پائی، اور مکی کے قبرستان میں دفن کیا گیا، اس کی مدت حکومت تیرہ سال تھی (معصومی) ۱۱۹۷ھ میرزا محمد صالح ترخان بڑا شیخ و بہادر تھا، یہ ۱۱۹۷ھ میں مرید نامی بلوچ کے ہاتھ سے مارا گیا، مرید کو میرزا محمد صالح سے اس وجہ سے دشمنی تھی کہ اس کا باپ میرزا محمد صالح کے ہاتھ سے مارا گیا تھا (معصومی صفحہ ۲۰۶)

۱۱۵ اولاد کے متعلق جلد معلومات تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ سے ماخوذ ہیں۔

۱۱۵ معصومی صفحہ ۲۱۶ جزر سیوم و تحفۃ الکرام سندھی صفحہ ۲۶۸



(۲۳)

## حضرت شاہ صد

نام و خاندان | آپ کا اسم گرامی صدر الدین، لقب شاہ صدر آپ کے والد محترم کا نام نامی سید محمد اور آپ کے دادا کا اسم گرامی حضرت سید علی مکی تھا آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے مل جاتا ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صدر الدین، بن سید محمد، بن سید علی مکی، موسوی بن سید عباس بن سید حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبداللہ الاشراف بن سید قاسم بن سید عبید اللہ بن امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

چوتھی صدی ہجری میں حضرت شاہ صدر کے جد امجد حضرت سید علی مکی جو اکابر شیوخ اور اولیائے کبار میں تھے، اپنے ایک سوزنقا اور ہمراہیوں کے ساتھ سامرہ سے ہجرت کر کے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے سندھ تشریف لائے، اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو میں بھگے توڑے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پرفضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوئے، یہ گاؤں آئندہ چل کر حضرت سید علی کے نام پر ”لک علوی“ سے مشہور ہوا، اور ان کی

۱۰ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ



اولاد "لکیاری سادات" کہلائی، سادات کا یہ پہلا خانوادہ تھا جو سندھ کے لئے باعث شرف و زینت بنا۔

**لکیاری سادات** | لکیاری سادات کا خاندان اپنے شرف و مجد اور نجابت کے اعتبار تمام سندھ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے، لکیاری سادات کی شرافت و نجابت اور فضائل کا تذکرہ سندھ کے مورخین اور تذکرہ نگار نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری کا ایک سندھی مورخ میرک یوسف جس نے ۴۴۰ھ میں سندھ کے شاہجہانی دور کے حالات پر شاہجہاں کے لئے "منظر شاہجہانی" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی، اپنی اس بیش بہا تالیف میں لکیاری کے سادات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

سادات لکھووی بسیار صحیح النسب اند

آگے چل کر اس نے ان کی شرافت خاندانی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایسے صحیح النسب ہیں اور اپنے نسب پر اس قدر نازاں ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ دوسرے سادات میں نہیں کرتے۔

**حضرت سید علی کی تشریف آوری** | میر علی شیر قانع ٹھٹھوی صاحب تحفۃ الکرام کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام کا بیان کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

سندھ میں اروڑ اور برہمن آباد کا راجہ دلو رائے تھا، جس کا پایہ تخت "ارور" تھا، دلو رائے نہایت ظالم اور بدکار انسان تھا، اس کا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام

لے اخبار ہران سندھی (شاہ صدر نمبر۔ ۲۴ جنوری ۱۹۵۵ء) "لکیاری سادات" مضمون سید حسام الدین

صاحب راشدی بجوازہ منظر شاہجہانی صفحہ ۲۸۳



چھوٹے امرانی تھا، اس کے ساتھ رہتا تھا، مسلمانوں کے فیضِ محبت سے امرانی متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اور غالباً منصورہ میں جا کر اس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی، اور حافظِ قرآن ہو کر اپنے وطن واپس آیا، اس کے گھر والوں نے اُسے شادی پر مجبور کیا، لیکن اُس نے انکار کر دیا، اُس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملکِ عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کرے گا، یہ بات اُس کے دل میں بیٹھ گئی، اور وہ فوراً حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا، اور وہاں جا کر اُس نے فاطمہ نامی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا، اور برہمن آباد میں رہنے لگا، چھوٹے امرانی بڑا نیک اور پرہیزگار انسان تھا، ہمیشہ اپنے بھائی دلو رائے کو نصیحت کرتا رہتا، اور نیکی کی طرف مائل کرتا رہتا تھا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک دن کسی نے دلو رائے سے فاطمہ کے حسن و جمال کی تعریف کی، دلو رائے اُس کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایک دن موقع پا کر جب کہ چھوٹے امرانی گھر میں نہ تھا بڑی نیت سے اس کے گھر میں گھس گیا، امرانی کو بھی خبر لگ گئی، وہ بھی بردقت گھر میں پہنچ گیا، اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے نکل گیا، اور اُس نے اعلان کیا کہ یہ شہر دلو رائے کی شامیتِ اعلیٰ سے تباہ ہو جائے گا، وہ سیدھا یہاں سے عرب پہنچا، اور خلیفہ کے دربار میں دلو رائے کے مظالم کی فریاد کی، خلیفہ نے سامرہ سے حضرت سید علی کو ایک سو فوجی سپاہیوں کے دستے کے ساتھ دلو رائے کی گوشمالی کے لئے سندھ بھیجا، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اردو ڈاؤر برہمن آباد خدا کے غضب سے تباہ ہو چکے تھے، حضرت سید علی جب سندھ پہنچے تو راجہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہو کر تائب ہوا، اور اُس نے اپنی لڑکی کی شادی جو اسلام قبول کر چکی تھی حضرت سید علی سے کر دی، اس بیوی سے آپ کے چار صاحبزادے



تولد ہوئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱) سید محمد

۲) سید مراد

۳) سید حاجی عرف سید برکیہ

۴) سید چنگو

شاہ صد حضرت سید علی کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد کے بیٹے ہیں۔

یہ وہ روایت ہے جو میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکریم میں اس

عظیم المرتبت خانوادے کے سندھ میں آنے کے متعلق نقل کی ہے، اس روایت

کے علاوہ ہمیں اس خاندان کے متعلق سندھ کی کسی تاریخ میں کوئی ایسا مواد نہیں ملتا

جس سے اس خاندان کی آمد کے متعلق کچھ فرید معلومات حاصل ہو سکتیں۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ دہلویوں کے گاؤں کھنڈرات اب تک موجود ہیں

حضرت سید علی کی اولاد ”لکیاری سادات“ سندھ کے ہر حصے میں موجود ہیں

اور آج بھی سیون میں ناظمہ اور چھوٹے آمرانی کی قبریں زیارت گاہ خاص و عام

ہیں، جس پر شاہجہانی دور کے ایک دین پرور حاکم دیندار خاں کا یہ کتبہ موجود ہے۔

بدور شہنشاہ شاہ جہاں

ندو خرد مند، صاحب قراں

چو خلد بریں روضہ شہ چھٹہ

بنا کرد نواب دیندار خاں

ز سال بنائش طلب داشتن

”بہشت بروئے زمیں“ گفت غماں

۱۰ ۲۲

۱۵۔ یہ تمام مواد اخبار مہران سندھ علی شاہ صد نمبر ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء سید حامد الدین صاحب راشدی کے مضمون سادات لکیاری سے ماخوذ ہے۔



**جلالت شان** | صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت شاہ صدر کی عظمت و جلالتِ شان و اوصافِ حمیدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سید صدر الدین عرف صدر بن سید محمد صاحب آیات باہرہ و کرامات ظاہرہ، اولی وقت و سرسید مشائخ روزگار، فخر سادات، جامع البرکات بود، اولادش در سند بنجابت دو دمان و اصلت خاندان متصف ہے

حضرت شاہ صدر کی ذات گرامی ارشاد و ہدایت کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے ہزاروں انسانوں نے تصوف و عرفان کی دولت حاصل کی، دور دور سے لوگ ساندھی اور روحانی استفادے کے لئے حضرت شاہ صدر کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ لوگوں کو رشد و ہدایت فرماتے، سندھ میں سلسلہ قادریہ کی شیوع اور ترقی میں حضرت شاہ صدر کی مساعی جمیلہ کو بڑا دخل ہے۔

**مزار** | حضرت شاہ صدر کا روضہ مبارک "اسٹیشن لکی شاہ صدر" کے متصل زیارت گاہ عام و خاص ہے، روضہ مبارک کے دروازے پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر یہ شعر درج ہے۔

سال تارخیش بحسبم از خسرو

ہاتفم گفتا "بہشتِ اہل بیت"

مقامی طور پر لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ روضہ نادر شاہ کے

حکم سے تعمیر ہوا۔

**اولاد** | آپ کی اولاد میں بہت سے صاحبِ بدل اور صاحبِ حال بزرگ گزرے ہیں جو صلاح و تقویٰ، تقدس و پرہیزگاری کے اعلیٰ مراتب پر فائز اور

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ



اپنے وقت کے عارفِ کامل تھے۔

### (۱) سید محمد

سید محمد حضرت شاہ صدر کے نواسوں میں، ولیِ کامل اور نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے، صاحبِ تحفۃ النکیرام کا بیان ہے کہ درود شریف کا پڑھنا آپ کا معمول تھا، اور روزانہ کئی ہزار مرتباً آپ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تھے، عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی وفات کے بعد جو آپ کا مصرعہ تاریخِ وفات نکلا، وہ یہ تھا۔

### درودِ حسد ابر محمد بود

گویا یہ مصرع آپ کے مبارک شغل کی مقبولیت کی طرف ایک لطیف اشارہ تھا۔

سید محمد کے صاحبزادے سید اول شاہ سالک و مجذوب تھے، اور سلوک کے بلند مراتب پر فائز تھے۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے سید عبدالرسول نے بھی اپنے آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے خاندان کے نام کو روشن کیا، اور اس دور کے مشاہیر اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔

### (۲) سید محمد شجاع

یہ بھی شاہ صدر کے نواسوں میں تھے، اور نقشبندیہ سلسلے کے نامور صوفیاء میں تھے۔

### (۳) سید محمد اشرف

صاحبِ شرف و مجد بزرگوں میں تھے، اور اپنے اکابر کی طرح عظمتِ روحانی



کے حال تھے۔

### ۴) سید ابو بکر

ساداتِ کلیاری میں عظیم المرتبت بزرگ تھے، ایک دفعہ شہزادہ محمد معز الدین ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا، آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی، آپ کی دعا کی برکت سے خدائے تعالیٰ نے اس کی حاجت پوری کی۔

### ۴) سید غازی خاں

ظاہری اور معنوی کمالات سے متصف، اور لکھنوی سادات کے سرگروہ تھے، آپ کے گاؤں کے تمام سادات آپ کی بزرگی و عظمت کو تسلیم کرتے تھے، اور آپ کی مرضی اور مشورے کی مخالفت اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے۔

### ۵) سید حمزہ

اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ اور سادات کے پیشوا تھے میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں ان کے علاوہ بھی حضرت شاہ صدر علیہ الرحمہ کی اولاد میں ۱۱۸۲ھ تک جو بزرگ گزرے ہیں، ان کے حالات لکھے ہیں، لیکن میں اس زمانے میں جب کہ میر علی شیر قانع ۱۲۸۲ھ میں تحفۃ الکرام کی تکمیل کر چکے تھے، شاہ صدر کے خاندان میں ایک اور بچہ تھا جس کی ولادت باسعادت ۱۱۸۲ھ میں ہوئی، اور اس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی، یہی نونہال آئندہ چل کر سندھ کے آسانِ ولایت پر آفتاب بن کر طلوع ہوا، اور اس نے عرفان و معرفت کے نور سے سارے سندھ کو منور کر دیا یہ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمہ تھے جن کا روحانی بیض سارے سندھ میں پھیلا، جن کا تفصیلی تذکرہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

یہ اس گرامی قدر خاندان کے اسلاف کا اجمالی تذکرہ تھا، جن کے فیوض و



برکات سارے سندھ میں مسلم ہیں، اور آج بھی صدیاں گزر جانے کے بعد لکیاری سادات کا مرکز سیون ضلع دادو ہے، ان کے روحانی مرکز اب بھی سارے سندھ میں قائم ہیں، لکی میں سادات لکیاری کا روحانی مرکز حضرت شاہ صدر کی درگاہ ہے، اس خاندان کے سادات کا دوسرا روحانی مرکز حضرت پیر محمد راشد کی درگاہ ہے، اس خاندان کا تیسرا روحانی مرکز حضرت پیر جھنڈہ کی خانقاہ ہے، ان مرکزوں کے اس برگزیدہ خاندان کے بہت سے خلفاء سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے روحانی مرکز اپنے اپنے مقام پر قائم کئے ہوئے ہیں، بالائی سندھ میں خلیفہ جوئی کی خانقاہ، خلیفہ دین پور کی خانقاہ، خلیفہ بھرچوٹی کی خانقاہ، خلیفہ امرٹ شریف کی خانقاہ اب بھی موجود ہیں۔

زیریں سندھ میں بھی اس خاندان کے بہت سے خلفاء کی خانقاہیں ہیں، جو قادری اور نقشبندی سلسلے کے فروغ اور ترقی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

سلسلہ اولاد کے متعلق تمام تفصیل سید حامد الدین صاحب راشد کی مضمون "سادات لکیاری" تالیف شدہ روزنامہ اخبار مہران (سندھ) شاہ صدر نمبر سے ماخوذ ہے۔



پیر صلاح الدین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور اس کی تائید  
 (۲۴) اس کی تاریخیں ہیں جو اس کے ہاتھ میں تھیں اور یہ  
 اس کے ہاتھ میں تھیں اور اس کے ہاتھ میں تھیں اور یہ  
 اس کے ہاتھ میں تھیں اور اس کے ہاتھ میں تھیں اور یہ

## پیر صلاح الدین

**حالات** | پیر صلاح الدین اپنے وقت کے اکابر صوفیاء میں تھے  
 صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ یہ سمہ دور حکومت میں جام فیروز  
 کی فرماں روائی کے زمانے میں شیر پر سوار ہو کر ہندوستان سے  
 سندھ تشریف لائے، جام فیروز کو معلوم ہوا تو اس نے مطلقاً  
 آپ کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ اپنے ہم نشینوں سے استہزاء کہا کہ  
 شیر پر سوار ہو کر آنا کونسا کمال ہے، اس طرح تو مدار ہی بھی رہے  
 اور بندر کو سدھا کر رام کر لیتے ہیں، اگر کسی نے شیر کو اپنا تابع بنا لیا  
 کون سا تیر مارا، جام فیروز کی یہ باتیں، جب آپ تک پہنچیں تو  
 آپ نے خشمناک ہو کر فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ وہ وقت دور  
 نہیں کہ جب اس کا آفتاب دولت زوال پذیر ہوگا، اور اس کا  
 ایوانِ مملکت زمین پر آ رہے گا، آپ کی اس پیش گوئی کے  
 چند دن بعد ہی جام فیروز کی سلطنت زوال



پذیر ہوئی ہے

وفات | آپ نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی اور محلہ بھائیخاں میں مدفون ہوئے۔

اے جام فیروز سمہ خاندان کا آخری فرماں روا ہے جو جام نظام الدین نندا کے بعد تخت نشین ہوا بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی جگہ جام صلاح الدین کو جو جام نظام الدین کا عزیز تھا بادشاہ بنائیں، لیکن دریاخاں اور سارنگ خاں جو جام نظام الدین کے درباری امیر و وزیر تھے، انھوں نے اس خیال کی مخالفت کی اور جام نظام الدین کے لڑکے جام فیروز ہی کو سندھ کا بادشاہ بنایا۔

جام صلاح الدین نے سلطنت سے مایوس ہو کر ہجرت کا رخ کیا، اور ہجرت کے بادشاہ سلطان مظفر کو متاثر کر کے اپنی امداد و حمایت پر آمادہ کیا، ادھر جام فیروز تخت پر بیٹھے ہی رنگ ریبوں میں پڑ گیا، اس کا سارا وقت محل میں گزارتا تھا، اگر محل سے نکلتا تو دربار میں مسخرے جمع رہتے جن میں وہ اپنا وقت خوش گپیوں میں گزارتا، یہ دیکھ کر جام صلاح الدین نے ٹھٹھہ پر دھاوا بول کر قبضہ کر لیا، لیکن جام نظام الدین کے وزیر دریاخاں کی حسن تدبیر سے جام فیروز نے دوبارہ ٹھٹھہ کی حکومت حاصل کر لی لیکن سال ۹۰۷ھ میں شاہ بیگ ارغون نے جام فیروز پر حملہ کر کے ٹھٹھہ کو فتح کر لیا، اور سمہ خاندان کی خود مختار حکومت ختم ہو کر ارغون حکومت کی داغ بیل پڑی اور اسکے بعد اسکے بیٹے میرزا شاہ حسن ارغون کے دور میں سمہ خاندان کی حکومت جو براے نام باقی تھی بالکل ختم ہو گئی۔

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۱۳ سے ماخوذ ہے۔ (معصومی)



## (۲۵) ملا عبدالرحمن معروف بہ لٹری

**نام و وطن** | آپ کا اصل نام عبدالرحمن تھا، لیکن آپ لٹری کے نام سے مشہور تھے، آپ کا وطن دریائے ساموئی کے کنارے موضع کینجھر تھا، اپنے حال کے اخفا کے لئے آپ نے ظرافت مزاح کو پردہ بنایا تھا، سندھی ادب میں آپ کے لطائف و ظرائف کو ایک خاص مقام حاصل ہے صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

”وے اجل مشائخ و اہل اولیا، ہست بس کہ طبیعت دوست بود بایں لقب شہرت یافت“

**عظمت** | جامان <sup>علیہ</sup> ستمہ آپ کا نہایت احترام کرتے تھے، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگر آپ کے پاس کوئی اپنی مشکل لیکر آتا آپ اُس سے مزاح کے رنگ میں کچھ فرمادیتے، اسی وقت اُس کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔

**مزار** | آپ کا مزار ساموئی کے کنارے پیر مراد کے قبرستان کھوڑی دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ بعض راویوں سے منقول ہے کہ اگر کوئی آپ کی مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہو اور آپ کے مزار کو دیکھ کر اپنی منسی کو ضبط کر لے، اس کا مقصد دلی پورا ہوتا ہے۔

۱۔ تحفۃ الکرام صفحہ ۲۴۱ جلد ۳ میں مذکور ہے کہ ملا عبدالرحمن عباسی نے اپنے اخفا کے لئے ظرافت کو اختیار کیا تھا، ملا کی ظرافت آمیز باتیں اور لطائف سے محفلیں رونق پاتی تھیں، اسی وجہ سے وہ لٹری کے لقب سے مشہور ہوئے

۲۔ اردو کے مزاحیہ ادب میں جس طرح ملا دو بیازہ، بیربل اور فارسی میں ملا نصیر الدین کے لطائف و ظرائف مشہور ہیں، اسی طرح سندھی ادب میں ملا لٹری کے لطائف و ظرائف کو خاص اہمیت حاصل ہے، سندھ کے صوفیاء کرام کی تاریخ میں یہ انفرادی بزرگ ہیں جن میں لایت و ظرافت کا امتزاج تھا رفت نوٹ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۳ مرتبہ آغا بدر عالم درانی۔ ۳۔ سندھ میں مرہ خاندان کے زوال کے بعد جو خاندان سندھ کی سند حکومت کی زینت بنادہ سمہ خاندان ہے۔ اس خاندان کے تمام فرمانروا جام کے لقب سے مشہور ہیں، سمہ خاندان کا

پہلا بادشاہ جام تھوڑا آخری بادشاہ جام فیروز بن سلطان نظام الدین تھا جس سے آخری طور پر ۱۲۰۰ھ میں مرزا شاہ حسن ارغون نے حکومت حاصل کر کے سندھ پر کابل قبضہ کر لیا، سمہ خاندان میں کل ۱۵ بادشاہ ہوئے اور انہوں نے مجموعی طور پر ایک سو تیرا نوے سال حکومت کی رفت نوٹ تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم درانی بحوالہ تاریخ



## شیخ عیسیٰ لنگوٹی

**ابتدائی حالات** | آپ کا نام شیخ عیسیٰ، آپ کا اصل وطن برہان پور تھا، آپ نے برہان پور سے سندھ آنے کے بعد موضع ساموٹی میں سکونت اختیار کر لی، اور یہیں ارشاد و ہدایت کا ایک مدرسہ قائم کیا، اس سرچشمہ علم سے سیکڑوں طالب علموں نے علمی دروہانی فیض حاصل کیا، اسی مدرسے کے طالب علم علامہ نعمت اللہ عباسی تھے۔ اسی درس گاہ میں آپ کی ملاقات حضرت پیر مراد کے دادا سید محمد سے ہوئی، اور آپ نے حضرت پیر مراد کی ولادت کی پیشگوئی فرمائی، پیشگوئی کے مطابق پیر مراد کی ولادت کے بعد آپ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اور ان سے مرید ہوئے، عجیب اتفاق یہ ہے کہ مرید ہونے کے تین دن بعد آپ نے وفات پائی۔

**ہمعصروں سے ملاقاتیں** | اکثر آپ کی ملاقات اُس وقت کے مشہور بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت حضرت شیخ حامد جالی قدس سرہ سے رہتی تھی، اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

شیخ جالی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عیسیٰ لنگوٹی وہ شخص ہیں کہ ان کی ٹوپی کے اقتدار کا طرہ عرش کو چھوتتا ہے۔



**شاعری** | شاعری سے بھی آپ کو ذوق تھا، کبھی کبھی شعر کہتے، صاحبِ مقالات الشعراء نے آپ کے دو شعر نقل کئے ہیں جو آپ نے شیخ حماد جمالی کے اشعار کے جواب میں کہے تھے۔

قید باشد حکیم در رہ دوست      دو گزک بوریاد پوستکی  
گر تو آزاده بس است ترا      دلی پرز در دو دوستکی

**وفات** | آپ نے ۱۳۹۷ھ میں وفات پائی، آپ کا فرار مکلی میں حضرت پیر مراد اور حضرت سید علی کے قبرستان کے عقب میں آج بھی نہایت زبوں حالت میں موجود ہے۔

۱۔ تحفہ الطاہرین و تحفہ الکرام و مقالات الشعراء ص ۲۵۷



## مخدوم عربی دیانہ

**خاندان** | مخدوم عربی دیانہ، پیراسات کے بھائی تھے، اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔

**تلاوت قرآن** | تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ ایک نشست میں ایک سو چالیس مرتبہ قرآن پاک آپ نے ختم کیا۔

**خوش الحانی** | قدرت نے آپ کی آواز میں وہ سوز و گداز رکھا تھا، اور اس درجہ خوش الحان تھے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو پرندے اڑنے سے رک جاتے اور پانی کا بہاؤ بٹھہر جاتا۔

**عبادت** | ہمیشہ گوشہ تنہائی میں عبادت الہی میں مصروف رہتے، استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کی نظر میں اشرفی اور پیسہ برابر تھا، تحائف اور نذروں کے قبول کرنے سے ہمیشہ اکراہ فرماتے تھے، ایک دفعہ مخدوم اسماعیل نے آپ کی خدمت میں بطور نذر کچھ اشرفیاں

لے پیراسات سالک و مجذوب تھے، اور مخدوم میراں جو بنوری کے متقدّم تھے، ان کے مجاہدوں اور ریاضت کی یہ کیفیت تھی کہ عشا کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھتے، اور صبح صادق کے وقت مراقبہ سے سہراٹھاتے، پیراسات کا وطن ہالہ کنڈی تھا، لیکن ان کا زیادہ وقت ٹھٹھہ میں گذرا، اور وہیں وفات پائی اور مکی میں دفن ہوئے (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۹ دعوائی مکی نامہ۔)



روانہ کیں، آپ نے اُن کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ اپنے شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دو۔

**وفات** | شہدہ میں آپ داصل الی اللہ ہوئے، آپ کا فرار ہالہ کنڈی میں مرجع خاص دعام ہے۔

**اولاد** | مخدوم عربی کے بعد اُن کے صاحبزادے مخدوم بایزید اُن کے قائم مقام ہوئے، جنہوں نے اپنے والد سے اکتساب روحانی کیا تھا، مخدوم بایزید بھی بزرگی، تقویٰ و تقدس رُشد و ہدایت میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، جن سے علاوہ روحانی فیوض کے علوم ظاہری میں بھی بہت سے طالب علموں نے استفادہ کیا۔

۱۴۰ حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۴۰

۱۴۱ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام ۱۵۰ سے ماخوذ ہے۔



# سید شاہ عبداللہ حسنی

## مشہور بہ عبداللہ صحابی

نام - لقب | آپ کا اسم گرامی عبداللہ تھا، اور آپ سارے سندھ میں سید عبداللہ صحابی کے لقب سے مشہور ہیں۔

خاندان | خاندانی اعتبار سے آپ سید تھے، اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔

سندھ میں تشریف آوری | آپ مرزا شاہ بیگ ارغون کی حکومت کے زمانے میں اپنے دوستوں سید منیب، سید کمال،

۱۰ سندھ میں شاہ بیگ کی حکومت کا زمانہ ۱۱۱۱ھ سے ۱۱۲۰ھ تک ہے (معصومی)

۱۱ سید شاہ منیب بھی سندھ کے ایک بزرگ تھے، جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، آپ کا نزار بھی کوہ مکی پر زیارت گاہ خاص دعاء ہے، آپ کے تفصیلی حالات تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۰ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ اور تحفۃ الکرام صفحہ ۲۲۵ پر ملتے ہیں۔

۱۲ سید کمال و سید جمال دونوں حقیقی بھائی تھے، دونوں ولایت و بزرگی میں شہرت رکھتے تھے، سید کمال وفات کے بعد ٹھٹھہ کے محلہ مسکر میں اپنی جوبلی میں جس میں وہ رہتے تھے دفن ہوئے تفصیلاً

کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۵۲ و تحفۃ الکرام صفحہ ۱۹۸-۱۹۹



اور سید قاضی شکر اللہ کے ساتھ گجرات سے ٹھٹھہ تشریف لائے اور اپنی عزت پسندی کی وجہ سے مکلی میں سکونت پذیر ہوئے، اور آخر عمر تک وہیں مقیم رہے، عبادت | ایام طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق تھا، ساری عمر ذکر و شغل و عبادت الہی میں مصروف رہے، اور شاید اسی شوق کی وجہ سے آپ کو ازدواجی زندگی سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تخرید میں گذاری۔

حضرت سید عبداللہ حسینی نے چونکہ ساری زندگی لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے یاد الہی میں گذاری، اس لئے آپ کے حالات زندگی کی ہمیں کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا، لیکن اتنی صراحت کی ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پوری ہوئی اور آپ نے وفات پائی تو لوگوں نے آپ کو اسی جگہ دفن کیا، جہاں آپ ساہا سال سے عبادت میں مصروف تھے۔

اس وقت بھی مزار مبارک کے قریب جو ایک پرانی مسجد ہے، اس پر ۱۹۳۳ء کا کتبہ موجود ہے، کتبے میں یہ شعر مندرج ہیں۔

زہے فیض مسجد کہ از یک دعا شود حاجت مستنداں روا

۱۵ قاضی سید شکر اللہ شیرازی سندھ کے مشہور درویش اور عالم تھے، آپ ہی کے اولاد سے سندھ کا مشہور مورخ و شاعر میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ہے، آپ ہی سے سندھ میں شکر الہی سیدوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ مرزا شاہ بیگ کے عہد میں ٹھٹھہ میں قاضی القضاة تھے، آپ کا مزار مکلی میں شیخ اسحاق پورہ کے مزار کے قریب واقع ہے، تفصیلات کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۰ مقالات الشعراء قلمی بضم قانع باب القاف و تحفۃ الکرام جلد ۳۔



بتاریخ ہفت دہم ماہ صفر ..... ختم بالخیر والظفر  
اس کتبے سے خیال ہوتا ہے کہ ۹۳۰ھ کے لگ بھگ ہی آپ  
نے وفات پائی ہوگی۔

مزار مبارک کی جدید تعمیر | مکلی کے قبرستان میں آپ کے مزار پر  
آج بھی سب سے زیادہ ہجوم عوام و خواص

کارہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

مزار مبارک کی جدید عالی شان عمارت ۱۳۵۰ھ میں تعمیر ہوئی ہے، اور  
سارے مکلی میں ہی ایک عمارت نئی وضع کی نظر آتی ہے۔

کرامت | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے سالہا سال گزر جانے کی وجہ  
سے آپ کی قبر کھنگی کی وجہ سے شکستگی کے قریب تھی، اس عہد  
کے مشہور بزرگ شاہ حافظ اللہ گجراتی کو جو اس وقت گجرات میں تھے،  
حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا حکم ہوا کہ وہ ٹھٹھہ پہنچ کر آپ کے  
مزار مبارک کو برآمد کریں، چنانچہ شاہ حافظ اللہ گجراتی اپنے مرید و خلیفہ  
شیخ محمد یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کے ساتھ جو خود بھی بڑے پایہ کے

۱۔ تحفۃ الطاہرین کے سندھی نٹ نوٹس مرتبہ آغا بدر عالم درانی سے کتبے کے یہ اشعار ماخوذ ہیں۔

۲۔ شیخ محمد یعقوب سے فیوض و برکات کا سلسلہ سندھ میں جاری ہوا، آپ کے مریدوں میں  
شیخ عثمان بقادلی، درس محمد امین، اور درس طلبہ مشہور ہیں، شیخ محمد یعقوب کا مزار مبارک مقصود  
شاہ عبداللہ میں ان کے پائیں واقع ہے، شیخ محمد یعقوب کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳  
۳۔ ۲۳۴ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۹ پر ملتا ہے۔

۴۔ خلیفہ ابوالبرکات سید شاہ حافظ اللہ گجراتی کے مرید تھے، اور صاحب نسبت اور باکرامت بزرگ  
تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے خلیفہ محمود ان کے جانشین ہوئے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)۔



بزرگ تھے، ٹھٹھہ پہنچے اور وہاں آنکھوں نے حضرت سید علی ثانی شیرازی سے حضرت غوث پاک کا حکم اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، حضرت سید عالی ثانی نے یہ سن کر فوراً ہی گردن جھکالی اور مراتبہ میں مصروف ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے اس وقت سید عبداللہ کو اولیا کی محفل کا صدر نشین دیکھا ہے، اسی وقت اٹھے، اور ان کے ساتھ مکھی روانہ ہوئے، اور ان سب نے مل کر حضرت سید عبداللہ کے مزار مبارک کو ٹھیک کیا، کہتے ہیں کہ شیخ محمد یعقوب، اور خلیفہ ابوالبرکات پتھر اٹھا کر لاتے تھے، اور حضرت سید علی شیرازی اور حضرت سید علی ان پتھروں کو مزار مبارک پر لگاتے جاتے تھے یہ

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ اور تحفۃ الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ طصفی

۵۷-۵۸ سے ماخوذ ہے۔



## سید عبدالکریمؒ

**نسب و خاندان** | حضرت سید عبدالکریم کو سندھ کے اولیاء کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے، آپ سندھ کے مشہور درویش و شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا تھے، آپ کے والد ماجد کا نام سید لہ تھا، سید عبدالکریم سندھ کے ممتاز خاندان سادات متعلوی کے چشم و چراغ ہیں۔

**ولادت** | سید عبدالکریمؒ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۲ء کے اوائل میں ہوئی، بچپن کے حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کے متعلق آپ کے تذکرہ نگار خاموش ہیں، لیکن آپ کی تصانیف "توبیان العارفین" اور رسالہ "کرمی" سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

**تعلیم و تربیت** | باطنی و روحانی تعلیم آپ نے مختلف بزرگوں سے حاصل کی، آپ سید محمد یوسف رضوی بھکری، مخدوم نوح، مخدوم آدم سمیچہ ساکن موضع کلاہ اور دوسرے جلیل القدر مشائخین کی خدمت رہے اور ان سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔

**بیعت** | لیکن سب سے زیادہ مخدوم نوح ہالائی کی کیمیا اثر صحبت و تربیت



سے آپ کا جوہر قابل نکھرا، اور انھیں کی توجہ سے یہ سونا گدن بنا، اور آپ نے مخدوم نوح ہی سے بیعت کی۔

**بلٹری میں قیام** | حضرت مخدوم نوح کے ارشاد پر سید عبدالکریم نے موضع بلٹری میں قیام فرمایا اور مخلوق خدا کے ظاہری

و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول ہوئے، ارشاد و ہدایت آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا، لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتے تھے اور آپ سے مذہبی اور روحانی تعلیمات حاصل کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی موضع میں آسودہ خواب ہوئے۔

**عبادت** | تحفۃ الکرام میں ہے کہ ابتدا ہی سے سید عبدالکریم کا وقت ریاضت و عبادت میں گذرا بوجہ اس کے آپ کی عادت مبارک

یہ تھی کہ فجر کے اذان کے وقت مسجد تشریف لے جاتے، اور وضو کر کے اذان دیتے، اذان کے بعد سنتیں ادا فرما کر اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے، یہاں تک کہ لوگ نماز فجر کے لئے جمع ہو جاتے، نماز فجر ادا کرنے کے آپ اشراق تک پھر یاواہلی میں مصروف رہتے، اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ گھر میں تشریف لاتے، اور گھر کے فرائض اور بازار کے کام خود انجام دیتے، پھر فقرا کو کھانا کھلا کر، بیلوں کے کندھے پر ہل رکھ کر اپنے کھیت کو تشریف لے جاتے، اور دوپہر تک ہل چلاتے، پھر بیلوں کو پانی پلا کر گھر لوٹتے، پھر نماز عصر، مغرب اور عشاء ادا فرما کر گھر کے کاروبار اور فقرا کے کھانے سے فارغ ہو کر رات کو اپنے گاؤں سے موضع راہوت تشریف لے جاتے، راستے میں جو گاؤں پڑتے ان کی مسجدوں میں نمازیوں کے لئے وضو کے پانی وغیرہ کا انتظام کر کے آگے بڑھتے، یہاں تک کہ راستے



کی تمام مسجدوں میں یہی عمل کرتے ہوئے دریائے سندھ کو تیر کر پار کر کے ٹھٹھہ پہنچتے، اور مکلی میں مشہور اولیاء کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر ٹھٹھہ کی آبادی میں تشریف لاتے، اور وہاں کی مسجدوں کی خدمت کر کے حضرت پیر بھٹھا کی زیارت کو تشریف لے جاتے، پھر وہاں سے مساجد کی دیکھ بھال کرتے ہوئے صبح صادق کے وقت اپنے گاؤں میں داخل ہو جاتے، اور اول وقت مسجد میں صبح کی اذان دیتے، گاؤں کے لوگ نادانقہیت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ شاید سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کو رات نیند نہیں آتی، اسی لئے اتنی سویرے اذان دے دیتے ہیں۔

**تہجد** | تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود آپ کی ساری زندگی شروع سے آخر تک پابندی شریعت اور اتباع سنت میں گزری، عبادات میں تہجد سے بڑا شغف رکھتے تھے، نماز تہجد میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، پہلی ہی رکعت میں آپ پر اس قدر رقت دگر یہ طاری ہوتا اور بیخودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ پہلی رکعت پوری کر نہیں پاتے تھے کہ صبح ہو جاتی اور دوسری رکعت کا پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا، تعجب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ خدا جانے لوگ تہجد کی نماز کو کس طرح پورا کرتے ہیں تو ایک رکعت بھی مشکل سے ادا کر پاتا ہوں۔

**پیر بھائیوں کی محبت** | سید عبدالکریم اپنے پیر بھائیوں سے بید محبت کرتے اور ان کا احترام فرماتے تھے۔

سید جعفر بھکری کا بیان ہے کہ حضرت مرشدِ زمان سید عبدالکریم متعلوی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت بہار الدین دلق پوش کا وعظ سننے کے



لئے تشریف لے گئے، جب وعظ ختم ہو گیا تو حضرت سید عبدالکریم نے اپنی چادر کو حضرت بہار الدین دلق پوش کے پیروں سے بچھا کر آپ کے جوتے اٹھائے اور ان کو صاف کر کے رکھانا کہ آپ پہن کر تشریف لے جائیں، سید عبدالکریم کے ساتھ جو مرید تھے ان پر یہ امر گراں گذرا، آخر ان میں سے ایک مرید سید عبدالقدوس نامی نے عرض کیا کہ اسے ہمارے سید آج آپ نے حضرت بہار الدین دلق پوش کے جوتے اٹھا کر رکھے لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے کسی قسم کی معذرت نہیں کی اور آپ کو اس سے نہیں روکا، بلکہ وہ بے نیاز رہے، آپ نے فرمایا کہ معذرت کا تعلق بیگانگی سے ہے، اور ہم دونوں تو ایک وجود ہیں، میں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی کبھی مشرف ہوتا ہوں، لیکن بہار الدین دلق پوش کا عالم یہ ہے کہ سرور کائنات کی بارگاہ میں بالکل قریب بیٹھے ہوتے ہیں جب کہ میں بہت دور تیسری صف میں کھڑا ہوا ہوتا ہوں، اس کے بعد تمہیں انصاف کر سکتے ہو کہ میرا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے۔

**مرشد کا فیض** | حضرت مخدوم نوح سے جو فیض آپ کو حاصل ہوا تھا اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک دن ہم تین آدمی علیحدہ علیحدہ ایک ایک تمنائے کہ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے میری تمنا یہ تھی کہ مجھے حضرت سے طالبان حق کے لئے ایسے ذکر کی تلقین ہو جو سب سے علیحدہ ہو، اور میں ہدایت حاصل کرنے والوں کا پیشوا بنوں، دوسرے ہمارے ساتھ میرن کا تیار تھے، ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی لڑکی مخدوم معظم کے کسی صاحبزادے کے نکاح میں آئے، تیسرے ہمارے ساتھی بلوچ تھے ان کی آرزو یہ تھی کہ وہ صاحب کشفنا و کرامت ہوں، جیسے ہی ہم حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچے اور

لے دلیل الذاکرین تسلی، ملوکہ سندھی ادبی بورڈ



آپ کے روئے مبارک کو دیکھا ہم تینوں کی یہ تمنائیں پوری ہو گئیں۔  
 فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے داوی سلوک میں قدم رکھا تو مجھ پر یہ  
 کیفیت طاری ہوتی تھی کہ میں عریاں رہوں اور گدڑی کو بھی اتار دوں، لیکن  
 جب میں حضرت مخدوم کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو یہ خیالِ فاسد میرے  
 دل سے نکل گیا اور میں جاوہ شریعت پر مستقیم ہو گیا۔

**اطاعتِ مرشد** | حضرت سید عبدالکریم کی اطاعتِ شیخ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک  
 دن کسی نے آکر آپ سے کہا کہ آپ کو حضرت مخدوم یاد  
 فرماتے ہیں، اس بات کے سنتے ہی آپ نے وہ بیل جو کھیتی کے لئے رکھے تھے  
 ذبح کر کے فرمایا کہ الحمد للہ یہ امر کتنا قابلِ شکر و فخر ہے کہ مخدوم مجھ کو یاد فرماتے  
 ہیں، حالانکہ آپ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ بعض اوقات اپنے سرزندوں کو بھی  
 نہیں پہچانتے۔

فرمایا کرتے تھے اس خیال سے کہ طالبِ حق کو کھانا نہیں چاہئے، میں نے  
 کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا، جب اس کی خبر حضرت مخدوم کو پہنچی تو فرمایا کہ  
 خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کلو واشربوا اس وقت سے میں کچھ تھوڑا  
 بہت کھانے لگا۔

**وفات** | چھبیس سال کی عمر میں سنہ ۳۳۰ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، اور  
 بلٹری ہی میں مدفون ہوئے۔

**خلفا** | آپ کے مریدوں میں درویش مہرا، نہریہ، درویش احمد قطب عالم، مخدوم  
 حامد داؤدی، درویش عبداللطیف، مخدوم ضیاء الدین، درویش سمہ،  
 مخدوم عیسیٰ، میاں عبدالقدوس اور درویش اللہ دہ زنگریاں، عبداللہ اور درویش  
 ہارون مشہور ہیں۔



درویش مہار نہریہ | یہ اپنے زمانے کے جلیل القدر بزرگوں میں تھے، ابتداء  
کسی شیخ سے بیعت کی ان کی وفات کے ایک مدت

بعد سید عبدالکریم کی خدمت میں پہنچے اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے کہا  
میرا شوہر مرچکا ہے اب میں حضرت کو اپنا شوہر بناتا ہوں۔

درویش اللہ دنہ زرگر | درویش اللہ دنہ زرگر حضرت سید عبدالکریم کے جلیل القدر  
مریدوں میں تھے، صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان

ہے کہ موضع کھارہ کے قریشی پرزادے، حضرت سید عبدالکریم کے سلسلے  
کے درویشوں سے حسد رکھتے تھے، اور اس سلسلے کا جو درویش ادھر سے  
گذرتا اس کو تکلیف پہنچاتے، فقرا ان کے ظلم سے تنگ تھے، یہاں تک کہ انھوں  
نے وہ راستہ بھی چھوڑ دیا تھا، اتفاق سے درویش اللہ دنہ کا اس طرف سے گزر ہوا  
قریشی پرزادوں کو خبر لگی، وہ فوراً ہی آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے تیار ہوئے اور  
آپ کے پاس پہنچے، جیسے ہی آپ کے قریب آئے آپ نے ان پر ایک نگاہ ڈالی  
نگاہ کا پڑنا ہی تھا کہ سارا حسد مہر و محبت میں تبدیل ہو گیا اور یہ لوگ لکڑیاں  
پھینک کر آپ کے ساتھ موضع بلٹری پہنچے، اور سب حضرت سید عبدالکریم سے  
بیعت ہو گئے، آج تک بھی موضع کھارہ کے لوگ اس کے موقع پر برہنہ سرور  
برہنہ پادرگاہ میں چراغ افروزی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

درویش اللہ دنہ زرگر کا مزار مکی میں واقع ہے۔

اولاد | حضرت سید عبدالکریم کے آٹھ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید اللہ اول (۲) سید عبدالرحیم (۳) سید جلال (۴) سید برہان

۱۵ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹۔ ۱۶۰ درویش اللہ دنہ زرگر کے حالات کی تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۸۷

سے ماخوذ ہے۔ ۱۶ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۔



(۵) سید اللہ ثانی (۶) سید دین محمد (۷) سید محمد حسین (۸) سید عبدالقدوس  
 سید صاحب کے فرزندوں میں اکثر عابد و صاحب ارشاد تھے۔ سید اللہ اول  
 نے بچپن میں وفات پائی، سید عبدالرحیم کے متعلق مخدوم نوح کے صاحبزادے  
 میاں ابراہیم کہا کرتے تھے کہ جب وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے تو ان کے  
 زہد و تقویٰ کو دیکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ ثانی عبدالکریم پیدا ہوئے  
 لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے سامنے ہی وفات پائی۔

سید جلال جو اپنے چچا کے ہمنام تھے وہ اپنے وقت کے نہایت ہی عابد و زاہد  
 بزرگ تھے، ایک روز اپنے والد کی زندگی میں ہالہ کنڈی سے اپنے گاؤں واپس  
 آرہے تھے کہ راستہ میں ڈاکوؤں نے ان کو شہید کر دیا۔

سید برہان بھی صاحب کمال بزرگ تھے، خدائے تعالیٰ نے ان میں غیر معمولی  
 طاقت و قوت و دلیریت کی کھٹی، انھوں نے اپنے والد کے سامنے وفات پائی۔  
 سید اللہ ثانی مجذوب و سالک تھے، ان کے وقت کا بڑا حقدہ سیر سیاحت  
 میں گذرا اور انھوں نے اپنے والد کے بعد وفات پائی۔

سید دین محمد شروع ہی سے عزت پسند اور گوشہ نشین ہو کر شوکت و غنا کی  
 زندگی بسر کرتے تھے حضرت سید عبدالکریم نے ان کو طلب کر کے اپنا سجادہ و جانشین مقرر  
 فرمایا اپنے والد کی وفات کے بعد یہ ان کے جانشین ہوئے اور لباس فاخرہ چھوڑ کر  
 سیا چادر اور کفنی اختیار کر لی، اور اپنی بزرگی و کرامت سے اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ کر دیا۔  
 سید عبدالقدوس بچپن ہی سے زہد و اتقا کی طرف مائل تھے، جب یہ پیدا ہوئے  
 تو سید عبدالکریم نے فرمایا کہ میں نے خدا سے ایک ایسے لڑکے کے لئے دعا کی تھی کہ وہ  
 بچپن ہی سے ذاکر و شاعر ہو، آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی، کہتے ہیں کہ سید عبدالقدوس  
 جب بچپن میں لڑکوں کے ساتھ کھینٹے تو ان کو جمع کر کے حلقہ ذکر کرتے۔

لے یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲-۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔



## صوفی شاہ عنایت اللہ

سندھ میں حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ کا فیض چپے چپے میں پھیلا، ہزاروں گمراہانِ بادیہ ضلالت نے آپ سے ہدایت پائی، انھوں نے اور ان کے خلفائے رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ان کی خانقاہ قدیم خانقاہوں کے تصور کو زندہ کرتی تھی، امیر و غریب، عوام و خواص سب پر دانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے تھے، اور وہ اپنی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کے فرائض خاموشی سے انجام دیتے تھے۔

**نام و نسب** | آپ کا اصل نام عنایت اللہ آپ کے والد کا نام مخدوم فضل اللہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے، شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا آجیب بن مخدوم خدا آگاہ مخدوم صد ہولانگاہ قادری مخدوم صد ہولانگاہ کے بزرگوں کا اہل وطن بغداد شریف تھا، جو بعد میں آگرہ میں مقیم ہوئے، آپ کے جدِ اعلیٰ مخدوم صد ہولانگاہ کا شمار اپنے زمانے کے اکابر و لیا اللہ میں ہوتا ہے، توکل، اور خدا پر بھروسہ آپ کا امتیازی وصف تھا، انتہا یہ ہے کہ رات کو برتنوں میں جو پانی ہوتا تھا، اس کو الٹا دیتے

۱۔ مخدوم صد ہولانگاہ کا اہل نام صدر الدین لانگاہ ہے، لانگاہ ایک قوم ہے، جس کی حکومت ملتان میں تھی، شاہ حسن ارغون نے ۱۳۱ھ میں لانگاہ قوم کے بادشاہ کو شکست دے کر ملتان کو فتح کر لیا، اور لانگاہ قوم کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا (معصومی صفحہ ۱۵۰)



تھے، اور فرمایا کرتے تھے یوہرُ جَدِیدًا و رزقُ جَدِیدًا، سید عبد الکریم متعلوی  
 آپ کے بچہ معتقد تھے، آپ کے صاحبزادے ملا آجیب بھی زہد و ورع، تقویٰ و  
 تقدس میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے، اُن کے صاحبزادے اور صوفی  
 شاہ عنایت کے والد مخدوم فضل اللہ یگانہ عصر درویش و بزرگ تھے، انھیں کے  
 آغوشِ عاطفت میں صوفی شاہ عنایت نے پرورش پائی۔

**ولادت** | صوفی شاہ عنایت کی ولادت باسعادت ۱۶۵۶ھ میراں پور میں  
 ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے علم و عرفان، زہد و ورع کے  
 آثار ہویدا تھے، اور چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتابِ لائیت  
 بننے والے ہیں۔

**بیعت** | جوانی کی ابتدائی منزلوں میں قدم رکھتے ہی صوفی شاہ عنایت کو مرشد  
 کی جستجو ہوئی، اسی تلاش و فکر میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے  
 ملتان پہنچے، وہاں آپ کی ملاقات ایک صاحبِ دل سے ہوئی جن کا نام شمس شاہ  
 تھا، شمس شاہ نے آپ کی طلبِ صادق کو دیکھ کر بتایا کہ اگر واقعی مرشدِ کامل کی تلاش  
 ہے تو تم دکن میں جا کر اس وقت کے شیخِ کامل شاہ عبدالملک برہانپوری سے اکتساب  
 فیض کرو، چنانچہ صوفی شاہ عنایت دکن پہنچے، اور سید عبدالملک کی خدمت میں  
 حاضر ہو کر دعائی تربیت حاصل کی، اور اُن کے پاس رہ کر عظیم مجاہدات کئے۔  
 میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی کتاب ”طواریح سلاسل“ میں آپ کا شجرہ  
 طریقت اس طرح نقل کیا ہے، صوفی شاہ عنایت، شیخ عزیز اللہ قادری، شیخ جان محمد  
 سنوری، شیخ میراں جی برہانپوری، شاہ عبدالشکور، شاہ برہان الدین، شیخ نجم الدین

۱۶۹ صفحہ ۳ - لے ماخوذ از نئی زندگی بابت ماہ فروری ۱۹۵۶ء

(شاہ شہید) مرتبہ پرنسپل محبوب علی چنا صاحب صفحہ ۴۱ -



علی خطیب احمد آبادی، برہان الدین بخاری، سید محمود، سید جلال، شیخ رکن الدین  
ابن الفتح، شیخ صدر الدین، شیخ بہار الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی

علم ظاہری | وہاں سے آپ دہلی تشریف لائے، اور دہلی میں شاہ غلام محمد

سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، جنہوں نے رشد و ہدایت  
کی مسند دہلی میں شاہ عبدالملک کے حکم پر آراستہ کی تھی۔ اگرچہ علوم ظاہری میں شاہ  
غلام محمد آپ کے استاد تھے، لیکن وہ آپ کے تقویٰ و تقدس کے اس قدر  
معترف تھے کہ انہوں نے بیعت ہو کر تصوف کی تعلیم شاہ عنایت سے حاصل کر کے  
اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

ٹھٹھہ میں تشریف آوری | علوم ظاہر و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے شیخ  
کی اجازت سے شاہ غلام محمد کے ساتھ ٹھٹھہ

تشریف لائے، اور آپ نے ٹھٹھہ کو ابتداءً روحانی تربیت کا مرکز بنایا، لیکن  
یہیں بعض مسائل میں علماء سے ان کا اختلاف شروع ہوا۔

شاہ غلام محمد جو آپ کے استاد بھی تھے اور نخلص معتقد و مرید بھی وہ اپنی محبت و  
عقیدت میں اس درجہ غلو کئے ہوئے تھے کہ وہ اپنے مرشد کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے،  
علمائے ٹھٹھہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو حکمہ شرعی میں طلب کر کے سجدہ  
تعظیمی کرنے کی بنا پر سزا دی۔

چنانچہ علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے قسطاس مستقیم میں سجدہ تعظیمی کی اباحت کا انکار  
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آپ (صوفی شاہ عنایت) سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھتے تھے، اور لوگ آپ کے

۱۵ مقدمہ دارالاسات البلیب صفحہ مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی بحوالہ طومار سلاسل علمی صلوکہ شائع کردہ

۱۶ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹-۱۷۰

سندھی ادبی بورڈ۔



سامنے سجدہ تعظیمی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے استاد شاہ  
 غلام محمد ٹھٹھہ کے علماء کے سامنے لائے گئے، اور علمائے اُن کو  
 اپنے شیخ صوفی شاہ عنایت کو سجدہ تعظیمی کرنے کی بنا پر سزا دی  
 تحفۃ الکرام میں ہے کہ اس تقدیر کے بعد صوفی شاہ عنایت کے ارشاد پر  
 شاہ غلام محمد جہان آباد (دہلی) واپس تشریف لے گئے، اور وہاں ایک طویل  
 مدت تک فقرائے کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، اور وہیں وفات پائی  
**جھوک میں قیام** ٹھٹھہ سے شاہ عنایت میراں پور تشریف لائے جو جھوک  
 کے نام سے مشہور ہے، اور یہیں توطن اختیار فرمایا، جھوک  
 ہی میں آپ نے اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے خانقاہ قائم فرمائی، جو تھوڑے  
 ہی دن میں زہد و عرفان کا مرکز بن گئی، اور ہزاروں طالبانِ حق دور دور سے  
 سفر کر کے آپ سے تحصیلِ فیض کے لئے جھوک کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے،  
 اور آپ کے خزان کماں سے مستفید و فیضیاب ہونے لگے، آپ کی زندگی کا سب  
 سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اونچ نیچ کے فرق کو مٹائیں، لوگوں کے دلوں میں اللہ اور  
 اُس کے رسول کی محبت کا پیراغ روشن کریں، اور تومی زندگی کی اُن صلاحیتوں کو  
 ابھاریں، جن سے ایک شاندار مستقبل جنم لے سکے، آپ کی تعلیمات میں عوام و  
 خواص کے لئے ایک ایسی کشش تھی، جس سے دوسری خانقاہوں کی گرمی محفل  
 سرد ہونے لگی، چنانچہ بلٹری کے سادات کے مرید بھی آپ کے حلقہ عرفان میں

۱۰ دراسات البلیب - مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی صفحہ

۱۱ سید میران محمد جو پوری نے جام نظام الدین مندرا کے زمانے میں اسی قصبہ میں کچھ دنوں کے  
 لئے قیام فرمایا تھا، اسی مناسبت سے یہ قصبہ بعد میں میراں پور کے نام سے مشہور ہو گیا رتھی زندگی  
 ماہ فروری فٹا نوٹس مضمون شاہ شہید جی سوانج با ماخذ مرتبہ سید جام الدین صاحب راشدی صفحہ ۱۰



شریک ہونے لگے، یہ بات ساداتِ بلٹری کو ناگوار گذری، انہوں نے بعض زمینداروں کو آپ کی مخالفت میں بھڑکایا، اور یہی مخالفت آخر میں آپ کی شہادت کا باعث بنی۔ اس زمانے کا ماحول

شاہِ عنایت کے واقعہ شہادت کی تفصیل سے قبل اس ماحول کا بیان ضروری ہے کہ جس میں شاہ عنایت نے شہادت پائی، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مستحکم حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں، ۳ مارچ ۱۱۱۸ھ کو عالمگیر نے وفات پائی، آخر وقت میں اس عظیم المرتبت بادشاہ نے اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ وہ باہمی رضامندی اور خوش دلی سے پوری مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں، اور استحکامِ سلطنت میں مصروف ہو جائیں، عالمگیر کی نگاہ دور رس نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ مخالف طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جھم لے رہی ہیں، جن کا مقابلہ ایک مرکز سے ممکن نہیں، لیکن اس کے بیٹوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اور وہ تو تیس جو مخالفین کے استیصال میں صرف ہوئیں باہم دست و گریبان ہو کر ختم ہو گئیں، ان کی باہمی مخالفتوں نے مغل جیسی مستحکم سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا، ۱۱۱۸ھ سے ۱۱۲۰ھ تک چار شہزادے تخت نشین ہوئے، اور نگار زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول بڑے کشت و خون کے بعد تخت نشین ہوا، وہ اس درجہ فیاض تھا کہ اس کی فیاضیوں اور شاہِ خرچیوں نے ملک کے مایے کو متزلزل کر دیا، آخر وہ بھی باہمی خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھا، اور مارا گیا، غریب کو کفن و دفن بھی میسر نہ ہو سکا، ایک مہینے تک بادشاہ کی لاش بے گورد کفن پڑی رہی، اس کے زمانے میں مشہور تھا کہ ”شاہ عالم از دلی تا پالم“۔

شاہ عالم کے بعد جہاندار شاہ تختِ سلطنت کی زمینت بنا یہ عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں سب سے بازی لے گیا، اس کی عیاشی و فضول خرچی کا اس سے



اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی معشوقہ لعل کنور پر دو کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوتے تھے، اُس کا دربار راجہ اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا، عیش و نشاط کی محفلیں جب آراستہ ہوتی تھیں تو اُس کی محفلیوں کی چراغاں کی بدولت دہلی میں تیل کمیاب ہو جاتا تھا، انسانی قدریں اس قدر گر چکیں تھیں کہ ایک دن اسی جیبا ختمہ عورت لعل کنور نے اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی ہوئی کشتی میں انسانوں کی جو حالت ہوتی ہے کبھی نہیں دیکھی، میں اس منظر کو دیکھنا چاہتی ہوں، جہاں شاہ نے حکم دیا کہ اس کی یہ تمنا پوری کی جائے، اس کے دور میں اقتصادی تباہی اس درجہ پہنچ چکی تھی کہ گہوں روپے کا ساتھ سیر بگتا تھا، رذیل، اوباش، میرانی اور بھڑوے وزراء توں اور صوبے داریوں پر متمکن تھے، اور نظام سلطنت تباہ ہوتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ فرخ سیر تخت پر بیٹھا، یہ بھی قتل و غارت گری، سازشوں اور قحط کو اپنے ساتھ لایا، اسے گھوڑوں کا شوق تھا، اور ہزاروں روپے گھوڑوں پر برباد کرتا تھا، بزدلی اور کمزوری اس کی خصوصیت تھی، اُس کے مشہور شاعر جعفر زٹلی نے ان الفاظ میں اُس زمانے کا نقشہ کھینچا ہے۔

سکہ زو بر گندم و موٹھ و مٹر

بادشاہ پشہ کش فرخ سیر

کہتے کہ جعفر زٹلی کو فرخ سیر نے اسی شعر پر مراد دیا تھا۔

مرکز کی اس بے وقاری اور بد حالی کا اثر صوبوں پر بھی پڑ رہا تھا، سندھ میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح مرکزی حکومت کا رعب و وقار ختم ہو چکا تھا، اور مقامی قوتوں کی دبی ہوئی آگ ابھر رہی تھی، اُس وقت سندھ میں کلوڑوں کا اثر سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا، اور مرکزی حکومت کی بد نظمی سے ان کی حکومت خود مختار اور آزاد حکومت کی حیثیت اختیار کرتی جاتی تھی، مرکز کی بد نظمی کا اس سے



اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۱۸ھ تک دہلی سے سندھ میں نواب بیدار آئے، اور کوئی بھی جم کر نہ رہ سکا، خود فرح سیر کے زمانے میں (۱۳۱۷ھ تا ۱۳۱۸ھ) سندھ میں چار صوبے داو آئے، جن میں ایک صوبے دار نواب عطر خاں بھی تھا یہ ایک نانا تجربہ کار نوجوان تھا، اس نے ملک کے انتظام کی باگ ڈور محمد یعقوب کشمیری کے سپرد کر رکھی تھی، جس سے ملک کا انتظام دوہم درہم ہو گیا، میر لطف علی خاں جو مرکز کی طرف سے اس بد نظمی کو دور کرنے کے لئے صوبیدار مقرر کیا گیا تھا، نواب عطر خاں نے اسے جایزہ دینے سے انکار کر دیا، دونوں میں جنگ کی نوبت پہنچی دو سال تک جنگ ہوتی رہی، جس کی وجہ سے ٹھٹھہ میں بہت سی تباہیاں آئیں، اس دور کے سندھ کے شعرا نے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر شہر آشوب لکھے، جس میں یہاں کے قحط، بد حالی، شریفوں کی بربادی اور بزیوں کے عروج کا نقشہ کھینچا گیا ہے، یہاں بھی وہی سازشیں، وہی بد حالی وہی ملکی انتشار وہی جوڑ توڑ تھا، جس کا مرکز شکار ہو رہا تھا، ایک تنزل پذیر معاشرے اور حکومت کے آثار سندھ میں بھی اسی طرح پائے جاتے تھے، جس طرح مرکز میں تھے، رعایا بے عمل، حاکم بے وقار، کاہلی اور سستی زندگی کے ہر رنگ و ریشتے سے ہویدا، اور ہر شخص ایک عجیب بخودی کے عالم میں مست و سرشار تھا، مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی، اکثر خانقاہوں پر گندم نا جو فروش صوفی اجارہ دار تھے، علم و فضل کی مسندوں پر علماء سوت قابض تھے۔ تنزل و انحطاط کے اس دور میں حضرت صوفی شاہ عنایت دکن سے ٹھٹھہ تشریف لائے، اور جھوک کی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، ادھر طالبان حق آپ کے گرو پروانہ دار جمع ہو رہے تھے، ادھر مخالفت کا طوفان بھی اندر ہی اندر

۱۔ نواب عطر خاں ولد نواب سعید خاں ۱۳۱۷ھ میں نواب لطف علی خاں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا

مارا گیا (تحفۃ الکریم جلد ۳ صفحہ ۹۹)



موجزن تھا، آخر یہی مخالفت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا باعث بنی۔

**واقعہ شہادت** | صوفی شاہ عنایت کے شہادت کے واقعات افسوس ہے کہ اُن کے زمانے کے کسی سوانح نگار نے قلمبند نہیں کئے،

نہ اس کی طرف اس دور کے کسی تذکرہ نگار نے توجہ کی، اس لئے ان واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس میر علی شبر قانع ٹھٹھوی کی دوکتا میں مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام ہیں، قانع نے مقالات الشعراء کو جو سندھ کے فارسی گو شعراء کا تذکرہ ہے، صوفی شاہ عنایت کی شہادت کے ۲۲ سال بعد ۱۲۱۷ھ میں مکمل کیا تھا، جس میں اُس نے باب الالفاظ میں نواب اعظم خاں کے ضمن میں اختصار کے ساتھ صوفی شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کو قلمبند کیا ہے، نواب اعظم خاں فرخ سیر کے عہد میں میر لطف علی خاں کی معزولی کے بعد ۱۲۱۷ھ میں ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا اسی کے زمانے حضرت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ہم اس واقعہ کو مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے اقتباس کر کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

صوفی شاہ عنایت دکن سے واپس تشریف لائے کے بعد اپنے فقرا کے ساتھ قصبہ جھوک میراں پور میں جو فازیاہ کے کنارے پرگنہ تھورہ میں واقع ہے عبادت اور یاد الہی میں مصروف تھے، شاہانِ مغلیہ نے جو زمینیں اس موضع کے اردگرد معافی مانگزاری کے ساتھ ان کے والد مخدوم فضل اللہ کو دی تھیں اُن کو کاشت کر کے ان کی آمدنی خانقاہ کے اخراجات میں صرف کرتے تھے، یہ سلسلہ جاری تھا کہ سادات بلٹری میں سے سید عبدالواسع بن سید عبدلعفی بن سید عبداللیل بن سید دین محمد بن سید عید الکریم جو اسی پرگنہ میں رہتے تھے یہ دیکھ کر کہ ان کے سلسلے کے بہت سے فقرا آپ کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، حضرت صوفی شاہ عنایت کی مخالفت شروع کی اور مخالفت کی ابتدا اس



طرح کی کہ آنھوں نے اس قبضے اور نواحی قبضے کے زمینداروں کو ملا کر میر لطف علی خاں  
 گورنر ٹھٹھہ کے پاس حضرت صوفی شاہ عنایت کی کچھ شکایتیں پیش کیں، لطف علی خاں  
 نے سادات بلٹری اور ان لوگوں کی وجہ سے جو سادات بلٹری کے ساتھ تھے  
 بغیر کسی تحقیق کے حکم دیا کہ تم آپس میں سمجھ لو بعد میں ہم دیکھ لیں گے، چنانچہ نور محمد  
 ولد منیب بن رادو ساکن پرگنہ پلچا نے جو ابو جہل کی اولاد میں تھا اطراف و جوانب  
 کے لوگوں کو جمع کر کے صوفی شاہ عنایت کی خانقاہ پر ہتھ بول دیا، مجبوراً خانقاہ  
 کے فقرا کو بھی مقابلے کے لئے نکلنا پڑا، اس لڑائی میں چند فقرا شہید ہوئے،  
 ان فقرا کے درثا نے قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ان النفس بالنفس - الخ  
 بادشاہ وقت کی بارگاہ میں قصاص کے لئے استغاثہ کیا، وہاں سے حکم ہوا کہ  
 مجرموں کو حاضر کیا جائے تاکہ ان بے گناہوں کے خون کی جواب دہی کریں، ان  
 مجرموں نے شاہی حکم سے انحراف کیا، دوبارہ حکم صادر ہوا کہ سلطنت کے قانون  
 کے مطابق مجرموں کی زمینداروں کی خوں بہا کے طور پر شہدار کے درثا کے حوالے  
 کر دی جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے کے رہنے والے غریب جوان  
 ظالموں کے ظلم کا سدکار بنے ہوئے تھے، حضرت شاہ عنایت کی بدولت مامون  
 ہو گئے، لیکن حمل دلد لاکھا جٹ جو آپ سے دشمنی رکھتا تھا وہ لوگوں کو فقرا کے  
 خلاف برابر بھڑکانا رہا، اور وقت کا منتظر رہا کہ کسی طرح کوئی موقع ملے تاکہ فتنے کی آگ

۱۔ لطف علی خاں کا اصل نام محمد شفیع اُس کے والد کا نام یار محمد تھا، یہ سید یوسف بھکری رضوی  
 کی اولاد میں ہے، نواب عطر خاں کے قتل کے بعد ۱۲۱۵ھ میں بادشاہ نے اس کو شجاعت علی خاں کا  
 خطاب دیا تھا، فارسی کا شاعر تھا اور بہت تخلص کرتا تھا، ذی استعداد تھا نظم و نثر میں خوب لہجہ رکھتا تھا  
 سندھ کے مشہور فارسی گو شاعر محسن ٹھٹھوی کا مرتبی تھا، یہ ۱۲۱۵ھ سے ۱۲۱۸ھ تک سندھ کا گورنر رہا،  
 اور ۱۲۱۸ھ میں مختلف اعلیٰ خدمات پر ناز رہ کر وفات پائی، محسن ٹھٹھوی نے "ادخلہ فی الجنات"  
 سے اس کی تاریخ وفات نکالی ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۹، ۱۰۰) ۲۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ -



کو بٹھرایا جاسکے، اس عرصے میں شاہ صاحب کے رُشد و ہدایت کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، اور اس شمع معرفت کے گرد پروانے جو درجہ کھٹے ہو رہے تھے، فقرا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی، آپ طالبانِ حق کے اس بے پناہ ہجوم کو دیکھ کر کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میں بازارِ عشق میں (شہرت کا) یہ سودا سے کر نہیں آیا تھا، اور نہ اس شور و شغب کی آرزو رکھتا تھا کہ میرے سامنے دار و گیر کا یہ میدان بپا ہو۔

چو خود کردند سہر خویشتن فاش

عراقی را چہر ابد نام کردند

لیکن حضرت شاہ اولیاء کرام کے اس حکم کے مطابق عرفتِ ربی بفسخ العزایس میں نے سمجھا کہ عنانِ اختیارِ مختار (حقیقی) کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے لے جاتا ہے يفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید۔

عین اسی زمانے یعنی ۱۲۸ھ میں نوابِ اعظم خاں صوبہ <sup>ٹھٹھہ</sup> کا ناظم جھوک پہنچا اور فقرا سے ان زمینوں کی مالگزار سی طلب کی جن کی مالگزاری بحکمِ سلطانی معاف ہو چکی تھی، فقرا اور ان کے متعلقین نے جواب دیا کہ جہاں پناہ کے حکم سے ان زمینوں کی مالگزاری معاف ہو چکی ہے، اب آپ کو اس کے مطالبے کا حق نہیں، وہ مفسدین جو موقع کی تاک میں تھے انھوں نے سہرکاری پیشکاروں اور متصدیوں

۱۵ سورہ ابراہیم پارہ ۱۳ - رکوع ۱۶ - ۱۵ اعظم خاں ولد صالح خاں بن فدائی خاں سادات خانی، کوکلتاش خانبخشاں بہادر معروف بہ میربابا کے بھائی کا بیٹا تھا، ۱۲۸ھ میں <sup>ٹھٹھہ</sup> کی معزولی کے بعد <sup>ٹھٹھہ</sup> کا ناظم مقرر ہوا، پہلے خواجہ محمد طیل خاں بحیثیت نائب کے پہنچا، اُس کے چند دن بعد نوابِ اعظم خاں پہنچا لیکن اہل <sup>ٹھٹھہ</sup> کو اس کی حکومت راس نہ آئی، اس کے آتے ہی <sup>ٹھٹھہ</sup> والوں کو قحط اور دوسری بلاؤں کا شکار ہونا پڑا، اسی کے دورِ حکومت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)۔



کے ذریعے سے نواب اعظم کو بھڑکا یا کہ فقرا نظم سلطنت میں خلل ڈال رہے ہیں، آخر حکومت کے ان عمال نے بادشاہ کے پاس معروضہ پیش کیا کہ یہ فقرا مدعی سلطنت ہیں، اور شاہی احکام کی پروا نہیں کرتے، اس معروضہ پر میاں یار محمد لقب بہ خدا یا زخا کلبوٹرا کے نام شاہی فرمان پہنچا کہ وہ اس کا انسداد کرے، خدا یا زخاں عباسی اور اطراف کے زمینداروں نے جو آپسے کینہ رکھتے تھے بشیر فوج کے ساتھ جو سیوی دا در سے دریائے شور تک پھیلی ہوئی تھی فقرا پر یلغار کیا، آپ کے خدام نے ہر چند چاہا کہ ان کی پیش دستی سے پہلے برافعت کریں، مگر آپ نے اجازت نہ دی، یہاں تک کہ فوج نے آکر قصبہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے مورچے قائم کر لئے، مگر صورت حال یہ تھی کہ فوج اسلحہ سے مسلح تھی، اور فقرا کے پاس سامان حرب سوائے معمولی چیزوں کے کچھ نہ تھا، آخر اس حدیث کے مطابق اقل الموذی قبل الایناء (موذی کو ایذا دینے سے قبل قتل کرو) فقراء ۱۸ ذیقعدہ ۱۲۹ھ کو رات کے پچھلے پہر باوجود ہتھیار نہ ہونے کے تلواروں کے ساتھ نکلے اور اچانک دشمن پر جا پڑے اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کے چھٹکے چھڑا دیئے، اتفاق سے ایک فقیر نے کسی لکڑی سے ٹھوکر کھائی، اس کی زبان سے زور سے لفظ اللہ نکلا، فقرا نے یہ آواز سن کر اللہ کا لغزہ مارا، جس سے بھاگتی ہوئی فوج متنبہ ہو گئی، اور انھوں نے خود کو جمع کر کے فقرا کو شکست دیدی، حالانکہ صوفی شاہ عنایت نے شیخوں کے لئے روانہ ہوتے وقت فقرا کو ہدایت دی تھی کہ وہ دوران شیخوں میں بالکل خاموش رہیں اور حدیث من سکت سلح (جو خاموش رہا وہ سلامت رہا) کو پیش نظر رکھیں،

۱۵ میاں یار محمد لقب بہ خدا یا زخاں ولد نصیر محمد بن الباس بن داؤد بن آدم کلبوٹرا، یہ خاندان کلبوٹرا کا پہلا شخص ہے، جس نے فقیری میں اللہ میں شاہی کی بنیاد ڈالی، اور کلبوٹرا حکومت کی ابتدا اسی سے ہوئی میاں یار محمد نے روز دوشنبہ یا سہ شنبہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ کو وفات پائی۔

(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷)



ورنہ مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں گے، لیکن تقدیر الہی سب پر غالب ہے، آخر چار ماہ تک فقرا محاصرے میں رہے، ۹ صفر ۱۱۳۳ھ کو حضرت صوفی شاہ عنایت اپنے فقرا کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلے، مقابلہ بڑا شدید تھا، فقرا جان کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے، اور مقابل فوج اپنی بے بسی محسوس کر رہی تھی کہ فوج کے لوگوں میں سے محمد خاں ولد خدایا رھاں اور شہداد بلوچ جو اس فوج کے سپہ سالار تھے آگے آئے اور انھوں نے کلام مجید کو درمیان میں رکھ کر کہا کہ اگر شاہ صاحب نواب کی خدمت میں حاضر ہو جائیں تو ہم قرآن مجید کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ آپ کی جان و مال محفوظ رہے گی، ۵ صفر ۱۱۳۳ھ کو اس عہد کے مطابق آپ نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا، لیکن یہ معاہدہ دھوکے کی ایک ٹٹی تھا، آپ نواب اعظم خاں ناظم ٹھٹھہ کے سامنے پیش کیے گئے، ناظم نے آپ سے پوچھا تم نے یہ شورش کیوں برپا کی، آپ نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔

آں روز کہ تو سنِ فلک زیں کردند      آمد ایشِ مشتری ز پرویں کردند  
 ایں بود نصیبِ ماز دیوانِ قضا      ماراچہ گناہِ قسمتِ ما ایں کردند  
 شیخ محمد رضا شاعر جو اس وقت نواب کے ساتھ تھا اُس نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،  
 دوست بیدار بشو عالم خوابست اینجا      حرفِ بیہودہ مگو پاسے حسابست اینجا

۱۵ شیخ محمد رضا اہل میں ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، اُس نے بعد میں بھکی میں توطن اختیار کر لیا تھا، عربی و فارسی میں کافی مہارت رکھتا تھا، میر عبد جلیل بلگرامی کے عقیدت مندوں اور شاگردوں میں تھا، عہد عالمگیر سے محمد شاہ کی حکومت تک فوجداری اور دوسری خدمات پر امانتاً یا نیا بتا فائز رہا، شیخ محمد رضا نے ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی، تذکرہ نگاروں نے اُس کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

کارِ ما آخر شد و آخر زما کارے نشد      مشیتِ خاکِ ما غبارِ کوچہ یاہرے نشد  
 ساہا خونِ جگر و رنابتِ آہو شد گرہ      مشکِ شدا ماچہ حاصلِ خالی خسارے نشد

(تذکرہ صبح گلشن صفحہ ۱۷۵)



آپ نے اس کے جواب میں فرمایا

در کو سے نیک نامی مارا گذر ندادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

نواب نے کہا اب تم اپنی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہو، آپ نے فرمایا۔

البلاء للولاء كاللهب للذاهب { مصائب اولیاء اللہ کے لئے ایسے

ہوتے ہیں جیسے آگ سونے کے لئے، نواب نے کہا آخر تم نے اپنے آپ کو

کیوں بدنام کیا، جس کی وجہ سے آج تمہیں بلاؤں کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے، آپ نے

جواب میں بیساختہ یہ شعر پڑھا۔

عاشق چه کند گر نکشد بار ملامت

با هیچ دلاور سپر تیر قضا نیست

نواب نے کہا اب تم قتل کئے جاؤ گے، آخر اس طویل اہل کا کیا نتیجہ ہوا؟

آپ نے فرمایا۔ ہرگز نمیرد آنکہ دشمن زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

نواب نے کہا اب تم اپنی آرزوں کا خون ہونے پر کچھ غم رکھتے ہو، آپ

نے فرمایا۔

من آزاں دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق

چار تکبیر زدوم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

قید کے وقت حضرت صوفی شاہ عنایت اس شعر کو پڑھتے تھے۔

ساقیا بر خیز در وہ جام را

فاک بر سر کن عنیم ایام را

عین اس وقت جب کہ آپ جام شہادت نوش فرمانے کے لئے تیار تھے



زبانِ حال سے اپنے قاتلوں کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

رہا نیدی مرا از قید ہستی

جزاک اللہ فی الدارین خیرا

آپ کی شہادت صفر ۱۳۰۷ھ کو واقع ہوئی۔

تحفۃ الکریم میں اس قدر اضافہ ہے کہ ۹ صفر ۱۳۰۷ھ کو نواب اعظم خاں حضرت صوفی شاہ عنایت کو گرفتار کر کے ٹھٹھہ پہنچا، اور تادان جنگ وہاں کے تاجروں پر ڈالا، جب آپ ٹھٹھہ گرفتار کر کے لائے گئے تو مخدوم رحمت اللہ طالب علم نے جو ایک جلیل القدر عالم اور درویش تھے، اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور نواب کی مخالفت کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر یہ بیچارے شہر چھوڑ کر احتجاجاً باہر نکل گئے کہ شاید اس طریقے پر نواب پر کچھ اثر ہو، مگر یہ بھی بیوڈ ثابت ہوا، نواب نے صوفی شاہ عنایت کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، اور چند دن قید میں رکھا پھر شہید کر دیا، جس کی وجہ سے اہل اللہ اور عوام اس سے سخت متنفر ہو گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اسی زمانے میں منادی کی گئی کہ جو کوئی اسم اللہ زبان سے نکلے گا اس کا سر قلم کیا جائے گا۔

آخر ۱۳۰۷ھ میں نواب اعظم خاں ٹھٹھہ کی نظامت سے معزول ہوا اور اس کی جگہ نواب جمایت خاں کاظم ٹھٹھہ کا ناظم ہو کر آیا۔

۱۔ واقعہ شہادت کی تمام تفصیل مقالات الشعراء باب اللغات بعنوان اعظم سے ماخوذ ہے۔  
 ۲۔ تحفۃ الکریم جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲۔ نواب جمایت خاں نعت محمد نعم خاں المحاطبہ رفان خانوں، شاہ عالم بہادر شاہ کا وزیر اعظم تھا، ۱۳۰۷ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا، نہایت ہی غریب پرور اور صاحب خیر تھا، اہل اللہ اور اہل کمال کی صحبت میں بیٹھا، اور شعر بہت اچھا کہتا تھا، فن شاعری میں استاد کی مرتبہ رکھتا تھا، شاعری میں اس کا تخلص کاظم تھا، نواب جمایت خاں نے ۱۳۰۷ھ میں ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی "رضی عنہ" سے اس کا سند وفات نکلتا ہے (مقالات الشعراء۔ باب الکاف بعنوان کاظم صفحہ ۶۵۷-۶۵۸)



مزار | آپ کا مزار جھوک میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، اور یہ درگاہ سندھ کی بڑی درگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

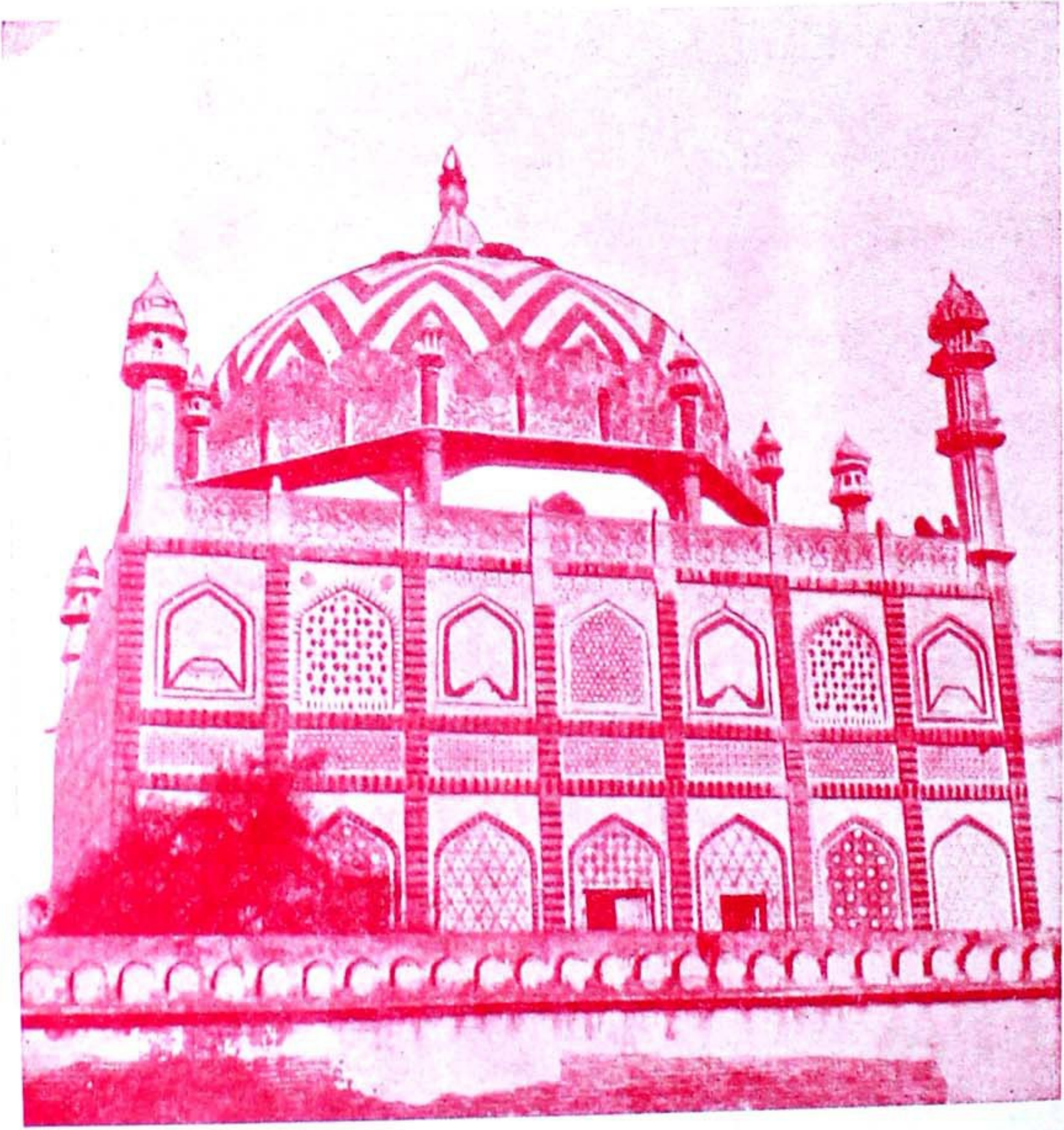
اولاد | حضرت صوفی شاہ عنایت کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، اُن میں سے بڑے صاحبزادے کا نام میاں عزت اللہ تھا، جو آپ کی شہادت کے بعد سجادہ نشین ہوئے، شاہ عزت اللہ نے سلسلہ اہل بیت پائی اور دوسرے صاحبزادے کا نام شاہ سلام اللہ تھا۔

شاہ سلام اللہ بھی بڑے عابد و زاہد صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے، ساٹھ سال آپ نے صحرا میں عبادت و ریاضت میں گزارے، یہاں تک کہ ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی وجہ سے آپ پر سکر کی کیفیت طاری رہتی تھی، ہمیشہ شہرت سے متنفر رہے اور گوشہ گنہامی کو پسند فرمایا، آپ کے متوسلین اپنی راحتوں کو قربان کر کے آپ کے ساتھ تکلیفیں برداشت کرتے تھے، لیکن آپ کا دامن تو سل کسی طرح نہیں چھوڑتے تھے، صاحب خوارق و کرامات تھے، آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں، منجملہ اُن کے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ میاں غلام شاہ خاں اور میاں عطر خاں کلہوڑا دونوں بھائیوں کے درمیان سلطنت پر جھگڑا تھا، اور یہ دونوں بھائی ملک کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، کسی نے شاہ سلام اللہ کی مجلس میں ان دونوں بھائیوں کے تنازع کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ان سے غین صاحب اور نگ و تاج ہوگا، یہ اشارہ میاں غلام شاہ کی طرف تھا، حالانکہ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کسی کو یقین نہ تھا کہ غلام شاہ کامیاب ہو سکے گا، آپ کی اس پیشگوئی کو کچھ دن بھی نہ گزرے تھے کہ غلام شاہ

غلام شاہ، خاندان کلہوڑا کا چوتھا بادشاہ ہے جو میاں محمد مراد یاب کے قید ہونے کے بعد سلسلہ میں تخت نشین ہوا، اور سلسلہ اہل بیت میں وفات پائی۔



لله الحمد نه مرديم و رسيديم به دوست  
آفرين باد برين همت مردانه ما



درگاہ صوفی شاہ عنایت شہید

واقع جھوک

( بشکریہ سمندهی ادبی بورڈ )







تخت و تاج کا وارث ہوا۔

**مریدین و معتقدین** سندھ اور بیرون سندھ میں صوفی شاہ عنایت کے مریدین و معتقدین کی تعداد بہت کثیر تھی، وہ ان مخصوص بزرگوں میں تھے جن کی روحانی عظمت کا سگہ عوام و خواص سب کے قلوب پر بیٹھا ہوا تھا، تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی لکھتے ہیں۔

غامہ خامکار چہ قدر شرح اوصاف بزرگی این خاندان کند، خدام این سلسلہ امروز ہم با آنکہ ہزاران ہزار در فترت شہادت بکار آمدند، و کسے ازاں دو دمانِ مشیخت دوست نیست، در سند ہزاران ہزار مریدان عیان و نہانند و در دیگر بلاد و مشایخ کبار بتوسل ارادت این در داخل اجلہ اہل کمال می باشند۔

**شاہ غلام محمد** شاہ غلام محمد کا اجمالی تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، یہ آپ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، انھوں نے ٹھٹھ سے واپسی کے بعد دہلی میں شاہ صاحب کے کام کو جاری رکھا، اور ہزاروں تشذگان معرفت اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، انھوں نے دہلی میں وفات پائی۔

**میر جان اللہ شاہ رضوی** میر جان اللہ رضوی روٹھی کے رہنے والے تھے، حضرت صوفی شاہ عنایت کے ارشد خلفاء میں تھے، ان کے بزرگوں میں ..... ساتویں صدی ہجری میں سید محمد کی نے مشہد سے آکر بھکر کو اپنا وطن بنایا اور وہیں وفات پائی اور قلعہ ارک میں مدفون ہوئے، سادات بھکری انھیں کی اولاد ہیں

۱۴۰-۱۴۱

۱۴۱-۱۴۰



ہیں، اور یہ پہلے سید ہیں جو بھکر میں آئے، پھر شاہ بیگ ارغون کے اشارے پر یہ خاندان بھکر سے آکر روٹہری میں آباد ہوا، بہت سے بزرگ اس خاندان میں گزرے ان میں سے ایک بزرگ حیدر شاہ حقانی بھی تھے، انھیں کی اولاد میں میر جان اللہ شاہ رضوی تھے میر جان اللہ شاہ رضوی کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام نے بہت ہی مختصر سے کام لیا ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ حیدر شاہ حقانی کی اولاد میں تھے، اپنی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے طالب راہ حق ہو کر صوفی شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، صوفی شاہ عنایت نے ان کے جوہر قابل کو سنوارا اور نکھارا، اور اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر یہ اپنے وطن روٹہری لوٹ آئے، عظیم المرتبت شاعر تھے، میر تخلص فرماتے تھے، ان کا دیوان جو اپنے اندر عرفان و معرفت کے بہت سے جواہر ریزے لئے ہوئے موجود ہے ان کے صاحبزادوں میں میر قلندر علی کو میر علی شیر قانع صاحب تحفۃ الکرام نے شاہ آباد میں کئی مرتبہ دیکھا تھا، جن کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ فقیر دوست اور جادو سلوک پر قائم ہیں، صرف اتنے ہی حالات پر قانع نے قناعت کی ہے، جو بڑی حد تک تشنہ ہیں۔

لیکن پروفیسر لطف اللہ بدوی نے اپنے مضمون ”میر جان اللہ شاہ رضوی میں جوئی زندگی کے شہید نمبر فروری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ہے، آپ کے کچھ فرید حالات کا اضافہ کیا ہے، ہم اس سے آپ کے کچھ اور حالات اور نمونہ کلام پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

اپنے شیخ سے میر جان اللہ شاہ رضوی کی عقیدت و محبت کا یہ حال تھا کہ جبکہ نواب اعظم نماں اور میاں یار محمد کلہوڑا کی ظالمانہ اور جاہرانہ طاقتیں، صوفی شاہ عنایت جیسے حق پرست سے ٹکرا رہی تھیں، اور آپ صبر و شکر سے ان مصائب کو برداشت



کر رہے تھے تو یہ بیقرار ہو کر حضرت صوفی شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نواب کے مقابلے کی اجازت چاہی آپ نے ان کو منع فرما دیا، انھوں نے اپنے مرشد کے ارشاد کی تعمیل کی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، آخر آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، میر جان اللہ کے قلب پر اس واقعہ سے جو قیامت گزری انھوں نے اپنے اس درد کا اور اس واقعہ کا اظہار اپنے مشہور قصیدے حجۃ اللہ میں نہایت ہی حسرت ناک طریقے پر کیا ہے، اس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں۔

اے برقعہ تو زیب تشریف کبریائی  
وے از توشد ہویدا در بندگی خدائی  
حقا کہ نار پاکی، دور از غبارِ خاکی  
دادند ہر دو عالم بر عصمتِ گواہی  
نازت بتو امامت، بالا بتو شجاعت  
در محفل سخاوت ماتم کند گدائی  
اے فقر بر تو زیبا، وے زہد بر توشیدا  
عشق از توشد ہویدا اے جانِ پار سائی  
وضع قلندرانت، کو بادہ از مشائخ  
شد بر سرت مسلم آئین مقتدائی  
در عہد تو ولایت بر اوج عزت آمد  
چوں ختم بر محمد شد کارِ انبیائی  
طلابِ حق زہر سودر حضرتت دویدند  
از خاندانِ دیگر بر خاست پیشوائی  
یشخانِ کبر کیشاں اندر حسد فتادند  
دادند در خلائی انکار را روانی



فرخ سیرِ مہبط، آں شاہ جاہلیت  
 برگشتہ بے تحقق بر قول ادعائی  
 ترسید زینکہ گیرد عکس فقیر تارک  
 یارب نعوذ باللہ از حق در ستائی  
 برخاست تا نشاند، شمع وجود حق را  
 عاقل ز سر بریدن افزوں کند ضیائی  
 آں مرشد زمانہ، آں عارف زمانہ  
 رخت از جہاں بروں زد در عالمِ خدائی

با میر دل شکستہ، پیوستہ باش موش  
 در حضرت تو دارد آئین جبہ سائی  
 جز تو کسے ندارم، جز تو کسے نخواہم  
 بے تو دے نباشم باشد کہ رخ نمائی  
 نام قصیدہ کردم، در قدس حجت اللہ  
 بر سنت محمد در حضرت خدائی

واقعہ شہادت کے بعد میر جان اللہ شاہ رغبوی روہڑی میں آکر مقیم ہو گئے،  
 اور ساری عمر یاد الہی مصروف رہے، آپ کی وجہ سے روہڑی قادریہ سلسلہ کا ایک  
 بڑا مرکز بنی۔

میر جان اللہ فارسی کے بڑے خوش گو شاعر تھے، ان کی شاعری صوفی شاہ  
 عنایت کے خیالات کی آئینہ دار ہے وہ اپنے اشعار میں تصوف کے حقائق کو بڑے  
 دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں، علوئے فکر، سلامت و روانی، برجستگی و بیباختگی



سوز و گداز ان کی شاعری کی جان ہیں، ان کے تمام اشعار میں از دل خیزد و بر دل  
ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے و حدت الوجود کے نظریہ کو انھوں نے عجیب و لکش  
انداز میں اپنے اشعار میں سمویا ہے، فرماتے ہیں۔

عنفی و پیدا بود یارے کہ من می ہمیش  
گاہ در خلوت آگہے در انجمن می ہمیش  
آن گل اندامے کہ در لیلی و مجنون جلوہ کرد  
در لباس بلبل و گل در چمن می ہمیش  
کثرت صورت حجاب معنی وحدت نشد  
سنبلسل میسر بر برگ سمن می ہمیش

دیدہ بکشا کہ وقت دیدار است  
جا بجا جلوہ ہا کے دلدار است

غیر ناید بچشم محرم دوست  
عالم آئینہ دار جلوہ دوست  
قمریاں پائے بند عشق و سیند  
سر و دیگر مہیں کہ بر لب جو ست

شوکت الفاظ، علوے تخیل روانی و برجستگی کے اعتبار سے ایک غزل کے

چند شعر ملاحظہ ہوں۔

دریناخم ز شور عشق رنگا اندا ختم رفتم  
بنائے کعبہ در دیر فرنگا اندا ختم رفتم



ز عشقم سالک ملکوت ہر مست جنوں گشتہ  
 بینا خانہ افلاک سنگ انداختم رنم  
 آسانی نیامد گوہر مقصود در دستم  
 بسدرہ فرش در کام نہنگ انداختم رنم  
 تعلق در طریق عشق باشد عین گمراہی  
 بزیر پا سر خود بے درنگ انداختم رنم  
 نوائے من گمنداں زبا شد تیر دلہارا  
 ز زلف دلبراں او تار چنگ انداختم رنم  
 وہ اپنے اشعار کی رنگینی اور معارف کو اپنے شیخ کا فیض بتاتے ہوئے فرماتے ہیں  
 ایں کہ می جو شد معارف تیر در گفتار من  
 از تلفت ہائے آل شاہ شہیداں یافتہ

میر جان اللہ رضوی یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ کو واصل الی اللہ ہوئے

**سید طالب اللہ** | سید طالب اللہ کا شمار حضرت صوفی شاہ عنایت کے ممتاز  
 ترین مریدوں میں ہوتا ہے، صاحب تحفۃ الطاہرین نے لکھا  
 ہے کہ سید طالب اللہ نے فیوض باطنی کو صوفی شاہ عنایت اللہ سے حاصل کیا تھا،  
 اپنے مرشد کی شہادت کے بعد سید طالب اللہ کو ہکلی پر مقیم ہو گئے تھے، ان پر  
 استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، صاحب وجود حال اور ہل کمال تھے سید طالب اللہ  
 نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی، ان کا مزار ہکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔  
**شاہ اسماعیل صوفی** | سید حسام الدین صاحب اشرفی نے تحفۃ الکرام کے حوالے سے

لے ماخوذ از نئی زندگی شہید ممبر مضمون میر جان اللہ شاہ رضوی مرتبہ پروفیسر لطفنا اللہ بدوی۔

۱۰۰ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۰۰ -



اپنے مضمون "شاہ شہید کے سوانح کے ماخذ" مطبوعہ نئی زندگی ۱۹۵۴ء میں صوفی شاہ غنایت کے بعض مخلص معتقدین کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے آپ کے ایک مخلص و معتقد شاہ اسد اللہ معروف بہ شاہ اسماعیل بھی ہیں، یہ بزرگ شاہ عاشق اللہ کے مرید تھے، لیکن حضرت صوفی شاہ غنایت سے بھی بجدولی عقیدت رکھتے تھے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے۔

شاہ اسماعیل صوفی مرید خدمت شاہ عاشق اللہ است کہ از ہند وارد شدہ، و مخلص جناب شاہ غنایت اللہ صوفی کہ مذکور شدہ، در تہہ بایں نزدیکی ہچو صاحبہ کمالی بر نحو استہ زبان قاصر ہر قدر و صصہ کمالش بیان نماید ہنوز قاصر است۔

صوفی شاہ اسماعیل پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، ان کو مثنوی مولانا رام پر بڑا عبور تھا، اور اس کا درس دیتے تھے عارف رومی کے معارف کو وہ نہایت ہی دلکش انداز میں بیان فرماتے تھے۔

شاہ مسعود و ولہاری | یہ شاہ اسماعیل کے ممتاز ترین مریدوں میں ہیں، شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد آپ صوفی شاہ غنایت کے حلیفہ شاہ غلام محمد کی خدمت میں بیٹھ گئے اور اور تعلیم سلوک کی تکمیل کر کے ٹھٹھہ واپس ہوئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی شاہ اسماعیل صوفی کے خاص دستوں میں تھے، اور وہ بھی صوفی شاہ غنایت شہید سے بجد محبت و عقیدت رکھتے تھے "شاجورالوامین" بعض ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ وہ صوفی شاہ غنایت کی شہادت سے متاثر ہو کر شاہ عبداللطیف نے کہے ہیں۔

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ اس کے علاوہ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۶۹ پر بھی آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔  
 ۲۔ مخلصین معتقدین کے متعلق تمام مواد رسالہ نئی زندگی مضمون شاہ شہید کی سوانح کے ماخذ مرتبہ سید حسام الدین راشدی بابت ماہ مئی ۱۹۵۴ء و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ سے لیا گیا ہے۔



## حضرت شیخ عیسیٰ جنبد اللہ

**نام و نسب** آپ کا اسم گرامی عیسیٰ، لقب مسیح الاولیا اور جنبد اللہ تھا، آپ کے والد کا نام نامی قاسم تھا، آپ کے آبا و اجداد قصبہ پات کے رہنے والے تھے جو تعلقہ سیون میں ایک قصبہ ہے، یہ قصبہ شیخ عیسیٰ جنبد اللہ کے آبا و اجداد نے آباد کیا تھا، حضرت مسیح الاولیا نے اپنا سلسلہ نسب اپنی تصنیف عین المعانی میں اس طرح لکھا ہے۔ عیسیٰ بن قاسم، بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی۔

### ترک وطن:

سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بد امنی پھیلی تو سندھ کے بہت سے علماء اور صوفیاء کے گھرانے ترک وطن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہوئے انہیں ہجرت کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ جنبد اللہ کے والد ماجد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم اور ان کے بڑے بھائی شیخ طاہر محمد محدث اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد تشریف لائے، اور انہوں نے اسی زمانے میں حضرت محمد غوث گوالیاری سے بیعت ہو کر چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے، اُس زمانے میں برار کا حاکم تفال خاں تھا، جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت احترام و عزت



سے پیش آیا، اور یہ بھی اس کے خلوص و قدر افزائیوں کو دیکھ کر ایلیچ پور میں مقیم ہو گئے، وہاں تقریباً ۳۲ سال تک مقیم رہ کر علم و عرفان کی دولت، عام کہتے ہیں۔

**ولادت** ۵ رذالہ ۱۲۹۷ھ شب یکشنبہ کو مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ کی ولادت باسعادت ایلیچ پور میں ہی ہوئی، اس روز آپ کے والد ماجد شیخ قاسم

گھر پر موجود نہ تھے، آپ کے چچا شیخ طاہر محمد محدث نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔

**تعلیم** نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر علوم مستداولہ کی طرف توجہ فرمائی، اور اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے فقہ، حدیث، تجوید

اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی، ابھی آپ کا آغاز شباب ہی تھا کہ ۱۲۹۷ھ میں آپ کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

۱۲۹۷ھ میں تھال خاں کی وفات کی وجہ سے برار کا نظم و نسق درہم و

برہم ہو گیا، محمد شاہ فاروقی حاکم برہانپور کی قدر افزائیاں اور اس کا بیدار حضرت شیخ طاہر محدث اور ان کے متعلقین کو کھینچ کر برہانپور لایا، شیخ عیسیٰ بھی آپ کے ساتھ برہان پور آئے۔

شیخ طاہر محدث اور شیخ عیسیٰ کے برہان پور میں قیام کے بعد ۱۲۹۷ھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، برہان پور میں آکر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہل سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان کے متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلہ کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کہلانے لگا، جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

**سفر** شیخ عیسیٰ اگرچہ علوم متداولہ کی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کر چکے تھے، لیکن ذوق علمی کا قافلہ رواں دواں تھا، آپ بایں علم و فضل شیخ یوسف کے درس میں



شریک ہوئے، اور وہاں سے اکتساب کرنے کے بعد، آپ مزید حصولِ علم کے لئے  
اگرہ کی جانب روانہ ہوئے، آگرے میں آپ کی ملاقات حضرت قاضی جلال الدین  
مثنائی سے ہوئی جو اپنے وقت کے علیل القدر عالم اور بزرگ تھے۔

**چچا کا خط** | ابھی آپ آگرے ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر کا خط  
ملا جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے

یگانہ روزگار ہیں برہان پور پر آئے ہوئے ہیں، شاید اس سہرچشمہ علوم سے تم  
زیادہ سکون حاصل کر سکو، یہ خط ملے ہی آپ برہان پور واپس چلے آئے اور حکیم  
بوبکانی کے درس میں شریک ہو گئے، لیکن اب معرفت و عرفان کے حصول کی  
ایک نئی لگن قلب میں پیدا ہو چکی تھی، اور آپ مرشد طریقت کے تلاش میں تھے۔

**بیعت** | اتفاقاً ایک روز آپ چوک بازار میں ایک دکان پر تشریف فرما تھے  
کہ ادھر سے حضرت شیخ شکر محمد عارف اور ان کے ماموں گذرے،

شیخ عیسیٰ کو دکان پر بیٹھا ہوا دیکھ کر شیخ شکر محمد عارف نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ  
کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شیخ طاہر محدثا کے بھتیجے ہیں، اور ان کا نام شیخ  
عیسیٰ ہے، شیخ شکر محمد عارف نے شیخ عیسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا، میاں تم تو  
ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے، یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے۔

اس ارشاد کے چند دن بعد آپ شیخ شکر محمد عارف کی خدمت میں پہنچے،  
اور ایک ہی ملاقات میں آپ سے محسوس کیا کہ جس رہبر طریقت کی آپ کو تلاش  
تھی، وہ آپ ہی ہیں، دو ایک ملاقاتوں کے بعد آپ شیخ شکر محمد عارف کے دست  
حق پرست پر بیعت ہوئے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ  
سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

**ریاضتیں اور مجاہدے** | ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ



کے ایک گرامی قدر خلیفہ شیخ برہان الدین راز الہی کا بیان ہے کہ حضرت لشکر محمد عارف کے ارشاد پر میرے شیخ حضرت عیسیٰ جند اللہ نے دریائے تاپتی کے کنارے ایک چلہ کھینچا چالیس روز تک یہ کیفیت تھی کہ اگر غیب سے کھانے کا کوئی سامان ہو گیا تو اس سے در نہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نیم کے پتے اس وقت کڑے نہیں بلکہ میٹھے معلوم ہوتے تھے۔

**اطاعتِ شیخ** ایک دفعہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے مکان کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا، زمین کو ہموار کرنے کے لئے آپ کے بعض مرید مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر گڑھے میں ڈال رہے تھے اس وقت شیخ عیسیٰ بھی تشریف لائے اور کام میں شریک ہوئے، کثرتِ ریاضت و مجاہدے نے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ آپ ٹوکری اٹھا کر لا رہے تھے کہ راستے میں گر پڑے، حضرت لشکر محمد عارف نے آپ کو دوڑ کر اٹھایا، اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ میاں تم جو ہر قسم پڑھو، دوسرے ریاضتیں اور مجاہدے کرو، تمہارا کام یہ نہیں ہے، پھر آہستہ سے کان میں فرمایا۔

آفریں بادکار طالبانِ حق جنیں است

**توکل و استغنا** توکل و استغنا کا یہ عالم تھا کہ اُس زمانے میں جب کہ آپ گریے تشریف لے گئے، راستے میں آپ کا قیام اوجین میں شیخ عبدلکریم ابن شیخ عیسیٰ کی خانقاہ میں ہوا اتفاق سے اس وقت مالوہ کا حاکم بھی اپنے مصاحبین کے ساتھ اوجین ہی میں ٹھیرا ہوا تھا، اوجین کے شیوخ نے چاہا کہ آپ کی ملاقات حاکم مالوہ سے کریں، تاکہ آپ کچھ دنیاوی فائدہ پہنچے، لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور اوجین سے روانہ ہو گئے۔

**بیعت لینے کا طریقہ** آپ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا،



اور آپ اس میں صلاحیت پاتے تو بیعت کر لیتے ورنہ انکار فرما دیتے، یا اس سے  
فرما دیتے کہ تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ فلاں صاحب سے بیعت کرو۔  
جس کو مرید کرتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر یہ پڑھواتے :-

الحمد لله الذي لا اله الا هو الحي القيوم واتوب اليه  
استغفر الله ربي من كل ذنب اذنبته عمدا او خطأ سراً  
او علانية واتوب اليه من الذنب الذي اعلم ومن  
الذنب الذي لا اعلم وانت علام الغيوب، ان الذين يباعدون  
الله اذ يبايعونك تحت الشجرة ايد الله فوق ايدهم،

پھر اس کے بعد طالب سلوک سے ارشاد فرماتے کہ خدا سے تعالیٰ نے جن  
چیزوں کو حرام کیا ہے، ان کو حرام جانو، روزانہ پانچ وقت کی نماز وقت پر ادا  
کرو، رمضان کے روزے رکھو، اگر تمہارے پاس نصاب شرعی کے مطابق مال ہے  
تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو، اور اگر اللہ نے تمہیں استطاعت دی ہے تو حج کرو پھر  
مرید کے ہاتھ چھوڑ دیتے، اور ارشاد فرماتے کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو درمیان میں پردہ ڈال دیا جاتا، اور پرٹے  
کے اندر سے دوپٹہ..... مرید ہونے والی خاتون کے ہاتھ میں اس طرح دیا جاتا  
کہ اس کا ایک سر آپ کے ہاتھ میں ہوتا، اور اس کو بھی آپ مندرجہ بالا دعا و  
استغفار پڑھوا کر دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کا حکم دیتے۔

عورتوں کو مرید کرنے کے بعد ایک دامنی بھی عطا فرماتے، یہ چار گز لمبا  
ایک کپڑا ہوتا تھا جس پر آپ کے بڑے صاحبزادے بابا عبدالستار یہ عبارت  
تحریر کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - لا اله الا الله محمد رسول الله



قل یا عبادى الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من  
رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً انه هو الغفور  
الرحیم۔

فلانة بنت فلانة راحق سبحانه وتعالى بحرمته  
کلمة طیب وایة مسطوره وبحق النسبى والبه و  
اصحابه بیاورد۔

مریدوں کی تعلیم | مریدوں کی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ شفقت کو پیش نظر رکھتے،  
اور حالات کے لحاظ سے نصاب کو تمثیلات کے رنگ میں اس طرح  
پیش فرماتے کہ وہ سننے والے کے آئینہ قلب پر منقش ہو جاتی تھیں۔ ابتدائے سلوک  
میں مرید کو فنا فی الشیخ کی تعلیم فرماتے تھے۔

اپنے مرید خاص شیخ برہان الدین راز الہی کو تاکید فرمائی تھی کہ اپنے مرشد کا  
تصور اس طرح غالب رکھو کہ جب کسی سے ملاقات کا اتفاق ہو تو خواہ وہ مشایخانہ  
وضع میں ہو، یا قلندروں کے لباس میں، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میرا پیر بیٹھا ہے۔  
ارشاد فرمایا کہ مرشد کا وجود بھی مرید اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے،  
اگر مرشد کا وجود درمیان میں نہ ہو تو جمال الہی کی تجلی مرید کو نظر نہیں آ سکتی۔

سماع | سماع سے آپ کو رغبت تھی، لیکن منکرین سماع کو بھی آپ برا نہیں  
سمجھتے تھے، آپ کی مجلسوں میں سماع کے آداب کو بڑی اہمیت  
دی جاتی تھی۔

ایک دفعہ آپ کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد ہو رہی تھی، مرتاض صوفیاء کا  
اجتماع تھا۔ اتفاقاً ماجیب علی سندھی بھی ادھر آئے اور محفل سماع میں شریک ہو گئے  
لیکن انھوں نے آداب سماع کا خیال نہیں رکھا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی







مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ  
عشق ہے اصل حیات، موت ہے آس پر حرام



مقبرہ حضرت مسیح الاولیا شیخ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہ

واقع سندھی پورہ - برہانپور

( بشکرید سندھی ادبی بورڈ )







(۹) فتح محمدی در علوم ما يتعلق به التفسیر۔

(۱۰) تتمیم شرح مائتہ عامل۔

(۱۱) رسالہ عقود۔

(۱۲) دور باعی کی دو شرح۔

(۱۳) ترجمہ اسرار الوحی۔

ان کے علاوہ بھی آپ کے بعض اور رسائل ہیں۔

**وفات** ۱۴ شوال ۱۳۱۷ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے اور اپنے حجرہ عبادت میں مدفون ہوئے۔ خانخاناں عبدالرحیم نے آپ کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

**اولاد** آپ نے اپنی وفات کے بعد چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں :-

(۱) شیخ عبدالستار (۲) شیخ فتح محمد (۳) شیخ طہ (۴) شیخ ہاشم

(۱) امۃ الرحمن (۲) فاطمہ۔

**خلفا** شیخ عینی جند اللہ کے بہت سے خلفاء تھے جن سے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ کا فیض نہ صرف خاندیس اور برار میں عام ہوا بلکہ دور دراز ملکوں میں پھیلا۔ ان میں سے بعض خلفاء کے نام یہ ہیں :-

(۱) حضرت شیخ عبدالعزیز لاہوری۔

(۲) حضرت شیخ محمد صدیق کابلی۔

(۳) حضرت شیخ عبدالقدوس۔

(۴) حضرت شیخ فریدین عبدالحکیم۔

(۵) حضرت نورا ایمان۔



(۶) حضرت شیخ محمد سندھی۔

(۷) حضرت حاجی نعمت اللہ۔

(۸) حضرت شیخ برہان الدین رازا الہی۔

(۹) حضرت شیخ اسماعیل فرجی۔

(۱۰) حضرت سید قاسم لہ

لے شیخ عیسیٰ جند اللہ کے تمام تر حالات جناب سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری کی تالیف  
 "برہان پور کے سندھی اولیا" شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہیں۔ شیخ عیسیٰ جند اللہ اور  
 ان سندھی اولیائے کرام کے حالات کی تفصیل جو سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور میں آباد ہوئے  
 اگر مطلوب ہو تو راشد صاحب کے اس تذکرہ کا مطالعہ بہت ضروری ہے، کیونکہ یہ اس موضوع پر  
 ایک جامع تذکرہ ہے جو مستند ماخذوں سے ماخوذ ہے۔



(۳۲)

# قاضی عبدالرحمن شہید

## (مخدوم کھوڑا)

**خاندان و وطن** | قاضی عبدالرحمن شہید جو مخدوم عبدالرحمن شہید کے نام سے مشہور ہیں، روہڑی سے تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر "کھوڑا" نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

مخدوم عبدالرحمن شہید بن مخدوم محمد بن مخدوم محمد عاقل بن محمد عبدالخالق بن مخدوم یحییٰ بن مخدوم جمال الدین بن مخدوم اسد اللہ بن مخدوم احمد بن مخدوم محمد بن ... بن سیدنا عبید اللہ بن جمال الدین محمد بن عبداللہ بن سید ابراہیم شہید بن اسحاق بن معرف بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن سیدنا عبداللہ بن سیدنا عباسؓ لہ اس خاندان کے بزرگوں میں سید ابراہیم شہید خلیفہ معتمد باللہ عباسی کی خلافت کے زمانے میں بغداد سے تبلیغ اسلام کے لئے سندھ تشریف لائے اور حیدرآباد جسے اس زمانے میں نیرن کوٹ کہتے تھے، اس کے قریب کلور نامی ایک پہاڑ پر قیام فرمایا اور کلور کے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور شریعت اسلامیہ کا پابند بنانے میں مشغول ہو گئے اس وجہ سے وہ لوگوں میں کلور والے کہلانے لگے۔ سید ابراہیم نے ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

لہ یہ شجرہ نسب تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد سے ماخوذ ہے۔

۲۷۵ھ کو سحاق معتمد بن ہارون الرشید مامون کی وفات کے بعد ۱۹ رجب ۲۱۸ھ کو خلیفہ ہوا اور ۲۲ ربیع الاول ۲۲۲ھ کو معتمد نے وفات پائی۔



سید ابراہیم شہید کی اولاد میں ایک بزرگ مخدوم اسد اللہ نامی اکبر کے زمانے میں قاضی القضاة کے عہدے پر فائز ہوئے، انہوں نے سندھ کا دورہ کرتے ہوئے ریاست خیبر پور کے علاقے کے ایک گاؤں سپری میں ۱۹۶۶ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند مخدوم جمال الدین نے سپری ہی میں سکونت اختیار کر لی، ان کے فرزند مخدوم یحییٰ نے بھی اسی گاؤں میں وفات پائی، ان دونوں بزرگوں کے مزار سپری میں آج بھی زیارت گاہ عام و خاص ہیں۔

مخدوم یحییٰ کے صاحبزادے مخدوم عبدالخالق سپری سے ”کھوڑا“ نامی گاؤں میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی اولاد اس گاؤں میں آج تک موجود ہے۔ مخدوم عبدالرحمن کے دادا مخدوم عاقل کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم و فضل، زہد و ریاضت، ہدایت و ارشاد کے جامع تھے اور ہر وقت یاد الہی میں مشغول رہتے تھے۔

مخدوم عبدالرحمن شہید انھیں عبدالخالق کے پر پوتے ہیں جنہوں نے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اپنے والد محترم مخدوم محمد علیہ الرحمہ سے کی۔

مخدوم عبدالرحمن شہید عالم باعمل اور استقامت دین کا ایک **استقامت دین** بہترین نمونہ تھے۔ صاحب تذکرہ مخدوم کھوڑا نے ان کے

استقامت دین کے بہت سے واقعات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم عبدالرحمن اپنے وقت کے جلیل القدر اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی سیرت و کردار کی بلندی کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

قاضی عبدالرحمن اوامر و نواری کے سختی سے پابند تھے اور مقدمات

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد رضین قاضی عبدالرحمن شہید سے ماخوذ ہے۔



کے فیصلوں میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اور سنت نبوی کی ترویج میں انتہائی کوشش کرتے تھے، اور جو لوگ بدعات و گمراہی میں مبتلا تھے انہیں سختی سے منع فرماتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔

**شہادت کا واقعہ** مخدوم عبدالرحمن اپنے موضع میں اطمینان سے تبلیغ دین اور اشاعتِ حق میں مصروف تھے کہ اچانک ایک نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ روہڑی کے سیدوں میں سے ایک سید ایک خوبصورت مطربہ پر فریفتہ ہو گیا اور اسے زبردستی اپنے گھر میں ڈال لینا چاہا۔ اس مطربہ کا شوہر غریب تھا۔ وہ آپ کے پاس رجوع ہوا اور حضرت مخدوم سے فریاد کی اور اپنی بیوی کو بھی آپ کی پناہ میں لے آیا، اس کے فریاد کرنے پر آپ نے روہڑی کے سیدوں کو لکھا کہ تمہارا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور تمہارے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ پھر مخدوم نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ اس عورت کو اپنے خاص خادم زبیر کی نگرانی میں بھجوایا کہ وہ اس کو حفاظت سے اس کے گھر پہنچا دیں۔ اتفاقاً اس شخص کو جو اس عورت پر عاشق تھا، خبر لگ گئی اور وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر آیا اور اس نے مخدوم کے آدمیوں پر ہلہ بول دیا، جس میں دونوں طرف کے کچھ لوگ مارے گئے۔

اچھ سادات روہڑی پر حضرت مخدوم کا احسان یہ بھی تھا کہ روہڑی کے سادات کو پھیلوں اور سبزیوں میں سے سرکاری طور پر حصہ ملا کرتا تھا، میاں نور محمد کھوڑا کے زمانے میں یہ حصہ بند ہو گیا تھا، سادات حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس زمانے کے فرماں روا میاں نور محمد کھوڑا سے سفارش کے طالب ہوئے، آپ خود بنفس نفیس خدا باد تشریف لے گئے اور میاں نور محمد سے سفارش فرما کر ان کا حصہ جاری کرادیا۔ لیکن اس موقع پر سادات روہڑی نے آپ کے احسانات



نرا موش کر کے مخدوم کے خلاف حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ مخدوم کے آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اتفاق سے روہڑی میں کھوڑا حکومت کی طرف سے معین ڈھرنامی حاکم تھا، اسے مخدوم سے خواہ مخواہ کی دشمنی تھی، اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میاں نور محمد کھوڑا بھی درپردہ مخدوم سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس نے حق و انصاف کو بلائے طاق رکھ کر میاں نور محمد کھوڑا کو لکھا کہ مخدوم کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوا ہے، میاں نور محمد نے اس اطلاع کے ملنے پر ایک نو مسلم سیستانی کو فوج دے کر بھیجا کہ مخدوم کو شہید کر دو۔

**شہادت** یہ نو مسلم سیستانی کھوڑا پہنچا تو سب سے پہلے اس نے بستی کا محاصرہ کر لیا۔ لوگوں میں خبر پھیلی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ آپ انہیں دعائیں دے کر رخصت کرتے جاتے تھے۔ آخر میں صرف دو سو آٹھ افراد رہ گئے ان میں سید بھی تھے، اکابر علما بھی، اور حافظ قرآن بھی۔ حضرت مخدوم نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب ظہر کی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر اللہ کا ذکر بالجہر شروع کریں اور اگر ہمارے مقابل تلواریں بھی نکال لیں تو اللہ کی رضا پر راضی رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ آپ کے بھائی مخدوم محمد عاقل نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں ابھی دشمنوں کو تہ و بالا کر دوں فرمایا، میں خود بھی یہ کر سکتا ہوں لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جو ابھی بچے ہی تھے پیار کیا، اس کے بعد قبلہ رخ ہو کر وضو کرنے لگے۔ اس وقت محاصرین اندر داخل ہوئے اور آپ سے کہا کہ ہم تمہارا خون شیشے میں بھر کر لے جائیں گے۔ مخدوم نے فرمایا خون تو اس وقت لے جاؤ گے جب کہ میرے جسم سے خون نکلے۔ میرے جسم سے تو ایک قطرہ خون بھی نہ نکلے گا اسی حالت میں ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت زبان سے اللہ کا ذکر جاری تھا اور تسبیح ہاتھ میں تھی۔ آپ کے بعد آپ کے رفقاء بھی شہید کئے گئے



آپ کے ساتھیوں میں سے صرف ایک صاحب بچے جو اتنے شدید زخمی ہو چکے تھے کہ ان کے متعلق بھی شہادت کا گمان ہوتا تھا۔ پھر محاصرین زنا خانے میں گھسنے لگے کہ شاید وہاں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہوں۔ لیکن اتفاق سے لکیاری کے ایک سید جن کا نام فیروز شاہ تھا، دروازے پر کھڑے ہو گئے اور فوجیوں کو گھر میں گھسنے سے روکا۔ یہ حزنیہ ۱۱۲۵ھ میں پیش آیا۔ "ستونِ سندھ قناد" سے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

صاحبِ تحفہ الکرام نے آپ کی شہادت کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

آخر اپنے حامیوں کی جماعت	آخر باجماعہ موفق در امر
کے ساتھ حمایتِ اسلام کی خاطر	حمایتِ اسلام میان مسجد نما
بحالتِ نماز مسجد میں شہید ہوئے	شہید شدہ۔

**مرثیہ**  
مخدوم عبدالرحمن شہید کی شہادت پر ملک میں صفت ماتم بچھ گئی  
متعدد لوگوں نے مرثیے کہے۔ ہم ان میں سے ایک مرثیے کے چند  
شعریاں نقل کرتے ہیں۔

ایں چہ سودا در دماغِ دہر پا انداختہ  
ایں چہ شور و شر بگردوں در صدا انداختہ  
فے بیک شہراست و نے بیک کوچہ است وائے  
خشت ماتم ہر تنے در ہر سرا انداختہ  
ہر زماں در فکرمی بینم بہ ہر جا فوج فوج  
ہر کے با ہر کے لا والی انداختہ

لے تحفہ الکرام جلد ۳ - ص ۱۳۲



یا قیامت گشت قائم ، یا بر شد آسماں  
 ہائے وہوی در جہاں چوں کر بلا انداختہ  
 یا بقتل عبد رحمان رحمت رحمان علیہ  
 در جہاں تپ لرزہ و رنج و بلا انداختہ  
 ہر کجا آل شاہباز دین و دولت می دوید  
 ہر غراب کفر و بدعت تا و قانداختہ

**اولاد** مخدوم عبدالرحمن شہید کے دو صاحبزادے تھے ، بڑے کا نام مخدوم  
 محمدی اور چھوٹے کا نام مخدوم احمدی تھا ، مخدوم عبدالرحمن کی شہادت  
 کے وقت مخدوم محمدی کی عمر دو سال اور چھوٹے صاحبزادے مخدوم احمدی کی عمر  
 ایک سال کی تھی ۔

مخدوم محمدی کے متعلق تاریخ آئینہ جہاں نما کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ظاہری  
 اور باطنی علوم میں اپنے والد کی فیض توجہ کے رہن منت تھے ۔ وہ اسی سلسلہ کے  
 نہایت ہی عظیم ترین بزرگ اور ولی کامل تھے ۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد ان کی  
 عمر سات سال کی تھی کہ انھوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ۔ آپ کی تعلیم کے لئے سندھ  
 کے اس دور کے مشہور عالم علامہ مخدوم ابوالمعالی نوشہرائی کو تکلیف دی گئی ۔

انھوں نے جو کتاب بھی آپ کے پڑھانے کے لئے کھوئی ، مخدوم محمدی نے  
 اس کے متعلق نہایت برجستہ اور معلومات آفرین تقریر کی کہ جس کو سن کر علامہ ابوالمعالی  
 حیران رہ گئے ۔ پھر قرآن ، حدیث اور تفسیر کے مشکل مسائل کو وہ اس طرح حل کرتے  
 تھے کہ اہل علم ان کی توضیحات کو سن کر حیران رہ جاتے تھے ۔ ان کے استاد مخدوم  
 ابوالمعالی نے جب ان کے وہی علوم کا بحر اس حد تک دیکھا تو ایک روز سے اختیار  
 ہو کر فرمایا کہ ان صاحبزادے کا علم خضری ہے اور انھیں علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا



ہے۔ ان کی تعلیم کے لئے میری ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اپنے وطن نوشہرہ واپس چلے آئے۔

مخدوم محمدی کی فصاحت و بلاغت و نکتہ آفرینی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک دوست اُن سے ملنے کے لئے اُن کے مکان پر آئے۔ جب وہ جانے لگے تو اُنھوں نے مخدوم محمدی کو لکھ کر بھیجا۔ ”حضرت آفتاب گرمی شود رخصت فرمایند“ مخدوم محمدی نے اس کے جواب میں لکھا۔ ”تجنیس گرم (گرم) مطلوب است، مبادا بہ تغلیب آل (مرگ) تاسف خوردند“

سندھ کے زندہ جاوید شاعر اور جلیل القدر صوفی شاہ عبداللطیف بھٹانی مخدوم محمدی کے ہم عصر تھے۔ صاحب تذکرہ مخادیم کھوڑا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہ عبداللطیف بھٹانی بطور سیاحت کھوڑا میں تشریف لائے اور شہر کے باہر میاں چنیہ کے کنویں کے قریب قیام فرمایا، میاں چنیہ مخدوم محمدی کے والد مخدوم عبدالرحمن شہید کے خلیفہ تھے۔ مخدوم محمدی کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو مخدوم نے آپ کو دعوت دی۔ شاہ عبداللطیف نے اس وقت عذر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا جس کا حاصل یہ تھا:-

آج میں نہیں آسکتا۔ کل صبح حاضر ہوں گا اے میرے دوست، تو، اس کا

ہمنام ہے جو لاوارثوں اور یتیموں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھانے والا تھا۔

دوسرے روز صبح کو شاہ عبداللطیف مخدوم صاحب کے پاس تشریف لائے

اور ایک ہفتہ مخدوم کے یہاں یہاں رہے، جب رخصت ہونے لگے تو مخدوم کے لئے دعائیں فرمائیں۔

مخدوم محمدی کے آئینہ اخلاق میں اتباع شریعت، محبت رسول اور استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ”تذکرہ مخادیم کھوڑا“ میں ان کے تفصیلی حالات



جاتے ہیں۔

مخدوم محمدی نے ربیع الاول ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کا قطعہ تاریخ

وفات یہ ہے۔

بہشتم از ربیع الاول اورفت      ز تارِ سخنش بمن ہاتفِ چنیں گفت  
دو شبہ چونکہ باز آمد ز عاوت      مقامِ روح پاکش جلے لاہوت

مخدوم احمدی اپنے بھائی مخدوم محمدی کی وفات کے بعد ۱۲۱۱ھ میں سند

آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ اعلائے کلمۃ الحق، ترویج شریعت  
اور شرک و بدعت کی بیخ کنی میں صرف ہوا۔

مخدوم احمدی نے قادری سلسلے میں ظاہری و باطنی فیوض و برکات اپنے شیخ

پیر موسیٰ شاہ ساکن گوٹکی سے حاصل کئے تھے جو ان کے والد قاضی عبدالرحمن شہید  
کے فیض یافتہ تھے۔ سندھ میں قادری سلسلے کے فیوض و برکات مخدوم احمدی سے  
پھیلے اور ان کے توسط سے بہت سے لوگ سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی مخدوم احمدی کا نہایت معتقد تھا۔ وہ ہندوستان کی طرف

جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا خواستگار ہوا اور اس نے فقراء کے  
خرچ اور لنگر کے لئے تعلقہ گڑھی یسین ضلع سکھر میں بعض گاؤں مرزا پور، نوآباد  
وکٹر اور جرم وغیرہ جاگیر کے طور پر عطا کئے۔

سندھ کے ممتاز راشدی خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمۃ

بھی مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے۔

۱۲۱۱ھ میں مخدوم احمدی نے نہایت اہتمام سے وہ مسجد از سر نو تعمیر کرائی

۱۔ مخدوم محمدی کے متعلق تمام تفصیل تحفہ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مخدوم امیر احمد ص ۲۳۸-۲۴۰  
شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہے۔



جس میں اُن کے والد محترم قاضی عبدالرحمن شہید ہوئے تھے، اور اسی کے ساتھ اپنے والد کے مزار پر ایک عالیشان مقبرہ بھی تعمیر کرایا۔ تعمیر کی تاریخ اس قطعہ سے نکلتی ہے۔

دانی کہ چیت قبر چون مشعلِ فروزاں  
تاریخ سال تعمیر از غیبِ دو ششم  
نورِ حند و مجسم بر تربتِ شہیداں  
عرشِ خدا ہویدا ہاتفِ بگفتِ اینساں

۱۲۰۱ھ

آج بھی یہ مسجد اور قبہ موجود ہے جو بارہویں صدی کی تعمیری قابلیت کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

مخدوم احمدی <sup>۱۲۰۳ھ</sup> میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اس آفتابِ ولایت کے غروب ہونے پر ملک کے مایہ ناز شعراء نے مہیشے کہے جو آئینہ جہاں نما اور تذکرہ مخدوم کھوڑا میں ملتے ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات "احمدی رامقام شد جنات" اور کان ولیاً طباء الضعفا سے نکلتی ہے۔

۱۲۰۳ھ

۱۲۰۳ھ

مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل جلیل القدر عالم، ولی کامل تھے سندھ کے مشہور و معروف ولی اللہ مخدوم محمد اسماعیل (ساکن پریالو) کے داماد تھے۔ کھوڑا کے موجودہ مخدوم انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفہ الکرام سندھی فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد ص ۳۳۸-۳۳۹ سے ماخوذ ہے۔



# شاہ عبداللطیف بھٹائی

یوں تو سندھ میں بڑے بڑے صوفی، درویش اور شاعر پیدا ہوئے، لیکن جو شہرت اور مقبولیت بحیثیت ایک روحانی پیشوا اور شاعر کے شاہ عبداللطیف کو میسر آئی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی، اگر ایک طرف ان کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف ان کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثیر، سوز و گداز کا ایک خزانہ لئے ہوئے تھی۔ انھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ ان کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاکیزہ نغموں سے سندھ کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اٹھے اور ان کی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیلی۔ ان کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور ناخواندہ طبقہ بھی ان کے اشعار میں ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ آج بھی عورتیں گھروں میں، کسان کھیتوں میں پتے گلیوں میں، صوفیا خانقاہوں میں شاہ کے کلام کو پڑھتے اور سر مڑھتے ہیں۔

**نام و نسب** آپ کا نام عبداللطیف، آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ

بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید اللہ۔ آپ کی والدہ درویش محذوم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے خاندان کا تعلق کاظمی سادات سے ہے۔

لے نذ لطیف مضمون حیات جاوداں مرتبہ علی منظر ضوی لے نذ لطیف مضمون سندھ کے صوفی شاعر مرتبہ اشرف بخش صاحب عقلی



اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر شاہؒ میں سندھ تشریف لائے اور قصبہ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد بلڑی میں آباد ہو گئے جو حیدر آباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خاندان کے جو افراد بلڑی میں آباد ہوئے۔ اسی شاخ میں سید عبدالکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبداللطیف کے پردادا ہیں۔ شاہ عبداللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ ہمیشہ آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپ کے صاحبزادے شاہ عبداللطیف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ پوچھتے ”تم کون ہو؟“ وہ فرماتے کہ حضور کا غلام عبداللطیف ہے، فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ مخدوم محمد صادق نقشبندی نے سید حبیب شاہ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکالی ہے۔ الموت جسٹن یوٹل الحبيب الى لقاء الحبيبؒ۔

**ولادت** شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت بالاحویلی جو پرگنہ ہالہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ۱۶۸۹ء میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔

**تعلیم** آپ نے کن مدارس میں تعلیم پائی اور کون سے اساتذہ کے سامنے کیا زانوائے ادب طے کیا اس سلسلے میں آپ کے نام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ شاہ عبداللطیف نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور وہ اُمی تھے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کی شاعری اور کلام کے

۱۔ نذر لطیف مضمون شعلہ نوا مرتبہ نصر اللہ خان ملہ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۴۳ ۲۔ نذر لطیف میں پر احمد بشیر صاحب نے اپنے مضمون رومی پاکستان میں لکھا ہے کہ شاہ عبداللطیف کی پیدائش کے وقت شاہ حبیب بالاحویلی کے مقام پر آباد تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی جائے پیدائش بالاحویلی قرار پاتی ہے۔



کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔  
 عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑی قدرت تھی۔ قرآن مجید، حدیث، تصوف اور  
 دوسرے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن و حدیث کے اعلیٰ مضامین کو اور تصوف  
 کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپ نے اپنی سندھی شاعری میں  
 سمویا ہے یہ سب چیزیں آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

آپ کے بچپن کا زمانہ اپنے والد سید حبیب شاہ کے ساتھ بالاحویلی ہی میں  
 گزرا۔ لیکن جب آپ کے والد کو ٹری چلے آئے تو آپ بھی اپنے والد کے ساتھ چند  
 دن کو ٹری میں رہے۔

ابتدا ہی سے علم و عرفان، سلوک و معرفت کا نور آپ کے چہرے سے ہویدا  
 تھا۔ اپنا زمانہ شعور ہی سے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن آپ  
 پر عشق مجازی کا بھی غلبہ رہا، اور اسی حیرانی میں آپ جو گیوں اور سنیا سیوں کے ساتھ  
 صحرا نوردی کرتے رہے، آخر یہی عشق مجازی عشق حقیقی کا راہبر بنا اور ایک دم  
 دل انوار الہی سے روشن ہو گیا، اور آپ صحرا نوردی چھوڑ کر ایک خاص مقام  
 پر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔

جس مقام کو حضرت شاہ عبداللطیف نے اپنے قیام کے  
**بھٹ میں قیام** لئے پسند فرمایا، یہ مقام اب شاہ بھٹ کے نام سے

مشہور ہے۔ بھٹ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ شاہ کی برکات  
 سے یہ ویرانہ مقام خوب آباد ہوا۔ جس وقت آپ بھٹ میں آباد ہوئے اس وقت

آپ کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر آپ نے علم و عرفان کے چشمے جاری  
 کئے اور رشد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سندھ سے نکل کر دور دور پھیلی۔

شاہ عبداللطیف نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات



دیکھتے تھے۔ اورنگ زیب نے جب وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا، اُن کے وطن میں خاندان کھوڑا کی حکومت مرکزی حکومت کا جو اکنڈھے سے اتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب سندھ کو نادر شاہ نے لوٹا، اور کھوڑا فرمانروا ایران کے باج گزار بنے۔ انہیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندنا تا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی جسکو عمل و اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کے لئے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کے لئے تھیں، اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ صوفیائے خام اور علمائے سو، رشد و ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیف کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا۔ انہوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ آپ کی ساری زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے، رسول اکرم کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔ بگڑی ہوئی زندگی کو حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار سے آراستہ کیا جائے۔ ظلم کے خبیث درخت کو اکھیر کر انسانیت کو محبت و خلوص سے آشنا کیا جائے۔

۱۱۵۲ھ کے اواخر میں سندھ آیا اور ۱۱۵۳ھ کو لاہور کاٹھ سے ایران روانہ ہوا اور ۱۱۶۱ھ میں قتل ہوا۔ (دفن نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۶۸)



بھٹ میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً چالیس سال تک اس مقصد کے لئے شاہ عبداللطیف نے جو انتھاک کوشش کی ہے، ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے انھوں نے اپنے پیغام کو عام بنانے کے لئے اپنی شاعری میں سندھ کی ان رومانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنہیں سندھ کے لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ انہیں کہانیوں کے پردے میں آپ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے، اور ان میں زندگی کی ایک نئی امنگ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت ان کی شاعری کا موضوع خاص ہے، ان کی شاعری میں تصوف اور شعریت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ پڑھنے والا ان کے نغموں میں ایک روحانی کیف محسوس کرتا ہے۔

شاہ عبداللطیف کا نام "شاہ جو رسالو" ہے۔ جو سندھ کے چھپے چھپے میں نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

یہ کلام ان کے مریدوں اور فقروں نے جمع کیا تھا۔ ان کے بعض مرید تو ایسے تھے کہ انھیں شاہ کا پورا کلام زبانی یاد تھا۔ ہاشم، تھراور بلال کے متعلق تو مشہور ہے کہ شاہ کا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو ان کو زبانی یاد نہ ہو۔

"شاہ جو رسالو" کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے جرمنی سے طبع کرایا تھا۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اس کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر گرنجانی نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن سب سے زیادہ مقبول ہوا کیونکہ اس کی تصحیح میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت و تحقیق سے کام لیا ہے۔ اب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے سندھ کے فاضل و محقق علامہ ڈاکٹر داؤد پوٹہ "شاہ جو رسالو" پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

شاہ عبداللطیف کو غریبوں سے بید محبت تھی۔ وہ ان کے غریبوں کی محبت دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور

غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔



مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبداللطیف شاہ بندر گئے اور کسی قریب کے گاؤں میں شتر بانوں کے خیمے میں ٹھیرے۔ شاہ عبداللطیف جہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔ کچھ اونٹ چیتے، چلاتے اور بلبلا تے ہوئے آئے۔ آپ نے اونٹ والوں سے اسکی وجہ پوچھی۔ انھوں نے بتایا کہ ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم جو بہت بڑا ظالم انسان ہے اس گاؤں میں جو غریب اونٹ والے بھولے سے آنکلتے ہیں یہ ان اونٹوں کی ٹانگوں اور دموں میں کپڑے کے گولے بنا کر ان گولوں میں آگ لگوا دیتا ہے۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلا تے ہیں تو یہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہ اونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں۔ شاہ عبداللطیف کو یہ بات سن کر بہت دکھ ہوا اور اونٹوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ آپ نے اسی وقت سندھی میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

یہ محل غارت ہوں، شتر بانوں کے خیمے آباد رہیں

میں اونٹنیوں کے دودھ کو کبھی نہیں بھول سکتا

شتر بان ہمیشہ آباد رہیں، اور ان کو ستانے والے

دودھ کو ترسیں

پھر شاہ نے ان اونٹ والوں سے کہا، جاؤ میرے بیٹو! کچھ دن نہیں

گزرتے کہ کہر قوم کے محل ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنیں گے۔ کہتے ہیں

کہ کچھ دن بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ گاؤں ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب الوطنی کو ایمان کی

نشانی قرار دیا ہے۔ شاہ عبداللطیف کو اپنے وطن (سندھ)

**وطن کی محبت**

سے غیر معمولی محبت تھی۔ انھوں نے شاہ جو رسالہ میں جا بجا اپنے وطن کے لئے

نہ نذر لطیف صفحہ ۶۵ مضمون بعنوان "شاہ پر تحقیق" مرتبہ ڈاکٹر بنی بخشاں طبع پرنسپل یونیورسٹی



خیر و برکت کی دعا کی ہے۔ ایک دوہے میں فرماتے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ اپنے وطن کو دیکھتے دیکھتے جان دوں

میرے جسم کو قید نہ کرنا

پر دین کو اس کے محبوب سے جدا نہ کرنا

میراجی چاہتا ہے کہ اپنے وطن تھر کی ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔

اگر میں پر دین میں مر جاؤں تو میری لاش کو میر میں دفن کرنا

شاہ کی حب الوطنی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانے

میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کا چرچا تھا اور اس دور کے سندھی شعراء فارسی

میں شعر کہنا اپنا طرہ امتیاز سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کو ایک سرکاری حیثیت حاصل

تھی اور فارسی شاعری ہی سے اس زمانے کے امراء اور اہل کمال کی مجلسیں گونجتی تھیں

عین اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہا

پر تھا۔ شاہ نے زمانے کی رو سے ہٹ کر سندھی زبان کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔

اور اپنی بے مثل شاعری سے سندھی زبان کو مالا مال کر دیا۔ اس لحاظ سے شاہ

عبد اللطیف سندھی زبان کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

شاہ کی شاعری پر ان کے تبصرہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ

## شاعری

سندھی زبان، سندھ کی قدیم تہذیب اور تصوف کے حقائق

و معارف پر وسیع نظر رکھتا ہو۔ ان عناصر کے بغیر ان کے شعر کی اعماق روح تک پہنچنا

تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن اس وقت تک ان کے کلام کا جو حصہ اردو میں منتقل ہو چکا

ہے ہم اس میں سے چند دوہے نمونہً یہاں نقل کرتے ہیں جو ان کے شاعرانہ کمالات

کے مظہر ہیں اور جن میں ان کی فکر نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بید

حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایک جگہ خود ہی انھوں نے اپنے کلام کے



مقصد اور مضمون نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔  
 اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو، یہ آیاتِ ربانی ہیں  
 یہ آیات پڑھنے والوں کو محبوبِ حقیقی کی طرف لے جاتی ہیں  
 ایک جگہ وہ اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بیان کرتے ہوئے، جو  
 دلکش انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔ شاید ہی اس کی مثال ہمیں کسی دوسری زبان کی  
 شاعری میں مل سکے۔ فرماتے ہیں۔

جب میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ خرا مال ہوتا ہے تو  
 زمین بھی بسمِ انشربکار اٹھتی ہے۔

دیکھو جہاں جہاں اس کے قدم گزرے وہاں راہ بھی بوسہ زن ہے  
 حوریں ایک طرف ادب سے کھڑی ہیں  
 میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے محبوب کا چہرہ سب سے زیادہ حسین ہے۔  
 عاشق کے کردار کی بلندی، محبوب کے دینے ہوئے درد کی لذت، اہلِ درد  
 سے اُلفت، ان کیفیات کو شاہ نے جس نفاست و دلکشی کے ساتھ ادا کیا ہے  
 وہ آپ اپنی مثال ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کسی نے پوچھا تمہارا محبوب کبھی تم سے بات کرتا ہے  
 "نہیں"

"چہرہ محبوب کیسا"

محبوب کا سکوت ہی میرے لئے سلام ہے

میری آنکھوں نے مجھ پر احسان کیا کہ میرے گھر کے سامنے سے ہزاروں  
 انسان گزرتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھتیں



میری آنکھیں اگر محبوب کے سوا کسی اور کو دیکھیں تو اسے کاگا اُن کو  
نکال کر گڑھے میں ڈال دے

میرے دل میں درد اٹھا کر چلے گئے، اور مجھے یہ درد اس لئے پیانا ہے  
کہ وہ محبوب کا دیا ہوا ہے اس لئے مجھے طیبوں کی آواز بھی بری لگتی ہے  
مجھے طیبوں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں، اس لئے کہ میرا سب سے  
بڑا دوست تو محبوب کا دیا ہوا درد ہے

اُن کا دیا ہوا زخم سدا مجھ سے یہ کہتا رہتا ہے کہ طیب کے پاس  
مت جا ورنہ میں اچھا ہو جاؤں گا

آؤ چلیں ایک رات اُن کے پاس گزاریں، جن کے جسم درد سے چاک ہیں  
لیکن جب لوگ آتے ہیں تو اُن سے اپنا درد چھپاتے ہیں

حسن کی معصومیت، اُس کی توصیف کے نغمے شاہ نے جس انداز سے  
گلے ہیں، اس انداز فکر تک دوسروں کی رسائی نہیں۔ فرماتے ہیں۔  
میرے محبوب کی پیشانی سے نیکیوں کے انوار ہویدا ہیں، یہاں وجہ تو  
ہے کہ وہ مجھ جیسے بد اطوار کے پاس آنے سے گریز نہیں کرتا، اسی لئے  
تو میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ سورج و چاند میرے محبوب کا مقابلہ  
نہیں کر سکتے، اُن میں حسن تو ہے، نیکی نہیں



میرا محبوب مجھ بھلائی ہے، وہ یہ بالکل فراموش کر چکا ہے۔  
 کہ وہ سرتاپا نیکی ہے، اس کی نیکی اور معصومیت کی سب سے  
 بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ میرے پاس آیا تھا، لیکن اُس نے مجھ  
 سے میرے عیبوں اور میری کوتاہیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اے چاند! تو میرے محبوب کا مقابلہ کرتا ہے، میں تجھے لکھتا  
 ہوں۔ تو چودھویں رات کا جو سنگھار چاہے کر، ساری کائنات  
 کا حُسن اکٹھا کر لے، لیکن میرے محبوب کے ایک جلوے کی بھی  
 برابری نہیں کر سکتا۔

تم اور تمہارے جیسے ایک سوسوج بھی نکل آئیں، پھر بھی  
 محبوب کے بغیر میرے لئے اندھیرا رہے گا، جاؤ نیچے اتر جاؤ۔  
 تمہاری روشنی میں محبوب نہیں ملنا چاہتا۔

شاہ کی شاعری کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے۔ انہوں نے اٹھارویں  
 صدی میں ۱۲۱۰ نظریہ کی اشاعت میں نہایت اعتدال اور احتیاط کے ساتھ حد  
 لیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں جا بجا نئے ڈھنگ سے اس نظریہ کو بڑے دلاویز  
 طریقے پر پیش کرتے ہیں مگر احتیاط کے دامن کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔  
 چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جنگل اور صحرا میں تو کیوں جاتا ہے، کیوں اپنے محبوب کو  
 ادھر ادھر ڈھونڈتا ہے؟ اے لطیف! محبوب حقیقی کسی دوری



جگہ نہیں چھپا ہے، آنکھوں کو نیچے کر کے دیکھ، تیرے اندر ہی  
دوست کا مسکن ہے۔

معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کے لئے بہت سے راستے ہیں، کوئی  
بھی راہ اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے، ایک قصر ہے جس کے لاکھوں  
دروازے اور ہزاروں کھڑکیاں ہیں، جس طرف نظر پھیرتا ہوں،  
ادھر خدا کا جلوہ ہے۔

حب الوطنی شاہ کی شاعری کا موضوع خاص ہے، وہ نت نئے طریقوں پر  
اپنے اہل وطن کے قلوب میں محبت و وطن کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں، مادی  
کے پردے میں وہ اپنے ہم وطنوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔  
اگر میں پردیس میں مرجاؤں تو میری مٹی بیابانوں میں بستے ہوئے  
غریب رشتے داروں کے ساتھ ملانا اور میری میت کو آبائی  
وطن کی بارگاہوں سے دھواں دینا۔

وہ اپنے وطن کی بے عمل اور جامد زندگی کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں،  
اور اس جمود کے طلسم کو توڑنے کے لئے وہ سندھی معاشرے کی ایک قدیم رسم کو  
تمثیل بنا کر عمل اور حسن عمل کی عجیب دلکش انداز میں دعوت دیتے ہیں۔  
تمہیں کتنے سے ذرا دلچسپی نہیں، سوئی ہوئی کروٹیں بدل  
رہی ہو۔ یکا یک عید آئے گی، لوگ نئے کپڑوں سے محرم  
رہیں گے، خود تمہارے پاس بھی کپڑے نہیں ہوں گے، جب  
تمہاری پہلیاں تمہیں باہر لے جانے کو آئیں گی۔



گرمی سردی میں چلتے رہو، بیٹھنے کا وقت نہیں، کہیں ایسا نہ ہو  
کہ اندھیرا ہو جائے، اور محبوب کے قدموں کا شرف حاصل  
نہ ہو سکے۔

بارش کی پہلی بوند پڑنے پر اہل سندھ کی زندگی میں جو ولولے اور اُمنگیں پیدا  
ہوتی ہیں ان کی عکاسی شاہ کے قلم نے جس اچھوتے اور اُنوکھے انداز میں کی ہے  
وہ سندھی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو لطیف! گھنے بادل نیچے اتر رہے ہیں، اور پانی کی بڑی  
بڑی بوندیں پڑنے لگیں، اپنے جلیوں کو باہر نکالو اور میدانوں  
کا سُرخ کرو۔ یہ وقت مایوس بیٹھنے اور سُستی کرنے کا نہیں۔  
لودیکھو پھوار پڑنے لگی۔

کل رات پدم جھیل پر بارش کے دیوتانے گھڑے کے گھڑے  
اُٹیل دیئے لیکن وہ جن کے شوہر پر دوس ہیں، ان بادلوں کو  
دیکھ کر غمگین ہیں۔

وہ موسم آگیا جب لوگ خوش ہو کر باتیں کرتے ہیں، اور سُستی  
کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کسان اپنے ہل درست کر رہے ہیں۔  
گلہ بان خوش ہیں، اور میرے محبوب نے بارش کی خوشی میں  
اچھے سے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔

جو لوگ قحط کے سہارے پر جیتے ہیں، اور جو لوگ کجخوس ہیں،



اُن سے کہو کہ چلے جائیں، گایوں کے گلے بارش کی خبر لا رہے ہیں  
تیری رحمت کو اپنے قریب محسوس کر رہے ہیں۔

سادن کی رات آئی، قہقہے اور چہچہے بلند ہوتے ہیں  
کوئل کی تیکھی تیکھی کوک فضا کو چیرتی ہے  
ہاریوں نے ہل جوت لئے، گیسے خوش ہیں  
برکھا کی رات آگئی، خوشی کے چہچہے اور میٹھے زمزمے بلند ہوئے  
مٹکے مکھن سے بھر پور ہو گئے۔

ایک جگہ وہ راہ محبت کے راہیوں کو عشق کی راہ کی کٹھنائیوں سے واقف  
کراتے ہوئے، نہایت ہی شیریں الفاظ میں دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔  
دار اور سولی پر چڑھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ میرے ساتھ  
اگر کسی کو چلنا ہے تو چلے، دار پر جانا تو اُن لوگوں کا کام ہے جو  
محبت کا نام لیتے ہیں، سولی عاشقوں کو اپنی طرف بلارہی ہے  
اگر تم عشق و محبت کے طالب ہو تو پیچھے مت ہٹو، پہلے سر تن سے  
الگ رکھو، پھر محبت کا نام لو۔ سولی اور دار تو درحقیقت عاشقوں  
کے لئے باعثِ زینت اور ہار ہے۔ ہچکچانا یا پیچھے ہٹنا  
تو اُن کے لئے ایک عتاب ہے۔ وہ تو بر ملا دار پر آتے ہیں۔  
محبت کی راہ و رسم میں قربان ہونا اور سرکاتن سے جدا ہونا عاشقوں  
کا (اوپنی کرشمہ) اور ان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔

لہٰذا یہ تمام اشعار نذیر لطیف شائع کردہ محکمہ اطلاعات سندھ کے مختلف مضامین سے ماخوذ ہیں۔



مخالفین سے حسن سلوک | علم و عفو کی درویشانہ صفت آپ میں بدرجہ کمال  
موجود تھی، خدا کی مخلوق سے عناد رکھنے کو آپ

خلافِ طریقت سمجھتے تھے۔

مرزا مغل بیگ ارجون کی لڑکی آپ سے منسوب تھی۔ لیکن مرزا مغل بیگ  
کسی وجہ سے آپ سے انتہائی بغض و عداوت رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال  
ہوا تو آپ کے کسی مرید نے آپ کے سامنے اس کی یہ تاریخ وفات کہی۔

بودخیشٹ

۵۱۲۲۲

آپ نے سنا تو فرمایا کہ ایسا مت کہو، بلکہ کہو۔

یک مغل بہ بود

۱۲۲۲ھ

وفات | حضرت شاہ عبداللطیف ترسیٹہ سال کی عمر میں ۱۱۶۵ھ میں بھٹ  
میں داخل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات ان  
دو مصرعوں سے نکلتی ہے۔

(۱) گردیدہ محو عشق و جوہر لطیف میر (۱۱۶۵ھ)

(۲) شد مجبور مراقبہ جسم لطیف پاک (۱۱۶۵ھ)

صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ جس روز آپ کا انتقال ہوا آپ کے  
بعض مرید اس صدمہ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے اور جان دے دی۔

آپ کا روضہ مبارک کھوڑا خاندان کے چوتھے بادشاہ میاں غلام شاہ  
نے ۱۶۵۲ء میں تعمیر کرایا اور راجہ جسیلمیر نے زبت نذر کی۔

۱ مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ ص ۲۲۹

۲ مقالات الشعراء ص ۲۲۸

۳ مقالات الشعراء ص ۲۲۸



آپ کا عرس ہر سال صفر کے مہینے میں بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ان  
فضائل صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے محامد و فضائل کا اعتراف  
 ان الفاظ میں کیا ہے۔

سید عبداللطیف المعروف "بتارک" از نبایر کرام میر سید  
 عبدالکریم صاحب بلری۔ خاتمہ خامکار راجہ یار اکہ شمار کرامات و  
 خوارق عادات آل قطب زمانہ بر روی صفحہ روزگار مثبت نماید  
 جناب لطیف شان ہماناں دین زمانہ آخرین و در تہ ولایت عدلی  
 ندا شستہ۔ چون از آثار کرامات او و اوصاف خوارق وی جہان  
 مطلع، وہم یکی از ہزاراں احوالات وی کتابی علیحدہ خواہد از طول  
 کلام اختصار کردہ آمد۔

آنجناب اگرچہ اُمّی بودند، اما علم عالم بہ تمام بر لوح محفوظ دل  
 شان مثبت بودہ۔ الحق این بیت قابل لائق شان شان است  
 مؤلفہ :

چو طفلِ غنچہ نادیدہ دبستان  
 بر کسی پارہ اسرار حق

۱۰ مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ص ۲۸  
 ۱۱ مقالات الشعراء ص ۲۹



(۳۲)

## شاہ فقیر اللہ علوی

**نام و نسب** | آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی شاہ عبدالرحمن اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا۔

شاہ فقیر اللہ کی ولادت باسعادت گیارہویں صدی کے بالکل اوائل میں "روتاس" میں ہوئی۔ آپ کا وطن حصارک و جلال آباد (افغانستان) ہے۔

**تعلیم** | علوم ظاہریہ کی تکمیل آپ نے افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کی، اور اپنے تبحر علمی کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے۔

**بیعت** | علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رہے اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں تھے، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی - شیخ محمد مسعود دائم - شیخ محمد سعید لاہوری -

شیخ آدم بنوری - حضرت مجدد سرہندی فاروقی نقشبندی -

سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ طریقت قادریہ میں بھی آپ نے اجازت حاصل کی۔

**قندہار میں قیام** | شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک قندہار میں مقیم رہے



قندھار میں آپ نے تعلیم بھی پائی اور خود بھی تعلیم دی۔ قندھار میں اب تک ایک مسجد آپ کے نام سے موسوم ہے۔

مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد، آپ سنہ ۱۸۵۷ء میں شکار پور میں قیام

شکار پور (سندھ) میں تشریف لائے۔ سندھ کی سرزمین آپ کو کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکار پور ہی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد نقشبندیہ کا سلسلہ ایک بڑا روحانی مرکز بنی۔

رشد و ہدایت شاہ فقیر اللہ کی فات گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندھ، پشاور، لاہور، ہرات

و قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔

شاہان وقت کی عقیدت | شاہان وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں

افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسر اقتدار تھا، قلات میں نصیر خان بلوچ کی حکمرانی تھی، سندھ میں میاں سرفراز خان کھوڑا مسند آرائے سلطنت تھا اور مکران میں محبت خان بلوچ کی حکومت تھی۔ یہ چاروں کے چاروں فرمانروا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستان بوسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور آپ ان کی ذہنی اور فکری تربیت فرماتے۔

آپ کے مکتوبات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کئی خطوط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھے ہیں، جن میں اُس کو حُسنِ خلق، خدا ترسی، اعلائے کلمۃ الحق اور صبر کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم شاہ ولی خاں اور ابدالی کے ولیعهد شہزادہ سلیمان کے نام بھی کئی خط ملتے ہیں، جن میں آپ نے ان دونوں کے



متعدد نصاب اور اخلاقی درس دیئے ہیں۔

اسی طرح ہمیں آپ کے مکاتیب میں نصیر خان والی قلات، محمد سر فراز خان کلھوڑا والی سندھ اور محمد حسان بلوچ والی مکران کے نام بھی آپ کے خطوط ملتے ہیں جس میں آپ نے ان کو حق شناسی، مردم پروری، عرفان اور نکو کاری کی تلقین فرمائی ہے اور بعض عرفان و تصوف کے مسائل کو نہایت واضح اور دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے۔

علمائے عصر سے تعلقات | آپ اپنے معاصر علماء کی بے حد عزت و توقیر فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان

کے بہت سے علماء شاہ صاحب سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے، اور ان بزرگوں میں آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جن علماء و اکابر سے آپ کی خط و کتابت اور تعلقات تھے، ہم ان میں سے چند کے نام یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) ملا فیض اللہ کا کر قندھاری۔

(۲) ملا عبدالحکیم کا کر جو ناناجی کے نام سے مشہور تھے، اور قندھار کے مشہور پیروں میں تھے۔

(۳) ملا عبد اللہ کا کر۔

(۴) ملا عبد اللہ خرقہ پوش قندھاری۔

(۵) ملا صاحب داد۔

(۶) محمد وارث پشاوری۔

(۷) ملا صلاح بٹی کوٹی۔

(۸) حاجی مولاداد قندھاری۔

(۹) ملا رحیم داد سنجریل ٹروپ۔



شاہ صاحب نے ملا رحیم داد کو قبائل کا کبریٰ ثوب میں الحاد کی تردید اور اعلیٰ کے لئے مقرر فرمایا۔ انھیں ملا رحیم داد کی خواہش پر محمد بن محمد بن محمد الجامی الماسی نے ملاحظہ کے رو میں ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا ایک قلمی نسخہ علامہ محمد شفیع لاہوری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ملا رحیم داد اور محمد بن محمد جامی، شاہ فقیر اللہ کے تبلیغی داعیوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

سندھ کے علماء اور صوفیاء میں جن بزرگوں کو شاہ صاحب سے ربط خاص تھا اور جن سے شاہ صاحب کی مراسلت رہتی تھی، ان میں مخدوم ملا معین ٹھٹھوی، مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، سید مرتضائی سیوستانی، شکر اللہ ٹھٹھوی، میاں عبدالرؤف ہالہ کنڈی، سید محمد فاروق لکھوی، محمد میاں عبداللہ لاہوری، محمد صلاح ہالہ کنڈی، تاج محمد خوشنویس ٹھٹھوی، محمد میر داد قاری عرب، بقول محمد، حاجی اسماعیل اور پیر سید محمد راشد ابن سید محمد بقا مشہور ہیں۔

**کتب خانہ** شکار پور کے دوران قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی، جس میں متعدد نادر اور نایاب کتابیں تھیں لیکن افسوس ہے کہ آپ کے بعد چھ سال ہی میں اخلاف نے اسلاف کی اس گنج گراں مایہ کو تلف کر دیا، جو خدا ہی جانتا ہے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا۔ اب بھی اس کتب خانے کے بعض قلمی نسخے کہیں کہیں نظر آتے ہیں، جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو حرم کعبہ میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علماء کے اسناد قرأت و اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علوی نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت کی ہے۔ یہ بیش بہا نسخہ سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

تصانیف شاہ فقیر اللہ علوی نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا، جن کی



تعداد ۱۷ ہے، ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) "فتح العجیل فی المداہج التحمیل" یہ کتاب تصوف اور سلوک

میں عربی میں ہے۔

(۲) "براہین النجات من مصائب الدنیا والعرصات"

(۳) "فیوض الہیہ"

(۴) "طریق الارشاد فی تکمیل المؤمنین والاولاد"

(۵) "منتخب الاصول" (یہ تصنیف اصول فقہ پر ہے۔)

(۶) "وثیقة الاکابر" (یہ کتاب عربی میں اسناد علم حدیث پر ہے اور

۱۱۶۰ھ کی تالیف ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود

ہے، جس کا نمبر (۳۷۵) ہے۔ اور ایک قلمی نسخہ حافظ خان محمد صاحب کاکر کے پاس

کوئٹہ میں موجود ہے۔)

(۷) "قطب الارشاد" بامدارج عالیہ در تصوف و اسرار حروف و اسماء

و اخلاق، یہ کتاب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور لائبریری میں

بھی موجود ہے، جس کا نمبر (۹۶۹) ہے۔

(۸) "فتوحات الغیبیہ فی شرح عقاید الصوفیہ" (یہ کتاب عربی

میں ہے اور کافی ضخیم ہے، اس کتاب کا موضوع فلسفہ و تصوف و اخلاق اہل طریقت

اور صوفیاء کے عقاید کی توضیح و شرح ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محب محترم سید حسام الدین

راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے، اور اس نسخہ کو بجا طور پر تصوف کی انسائیکلو

پیڈیا کہا جاسکتا ہے۔

(۹) "جواہر الاوراد" (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۰) "قصیدہ صبر و ریح" (یہ وہ قصیدہ ہے جو ۱۲ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ



میں شاہ صاحب نے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عربی میں نظم کیا تھا۔

(۱۱) "کتاب الازہار فی ثبوت الاثار" (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۲) "فوائد فقیر اللہ" (یہ کتاب طب اور وظائف پر پشتو میں ہے)

(۱۳) "شرح قصیدہ بانۃ السعاد" (اس کی ضخامت تقریباً ۸۵ صفحات

ہے اور فارسی میں ہے۔)

(۱۴) "ملفوظات" (یہ کتاب ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک نسخہ

حافظ خان محمد صاحب کے پاس کونڑ میں موجود ہے۔)

(۱۵) "مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی" (یہ مکاتیب ۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہیں

جو آپ نے اس وقت کے جلیل القدر علماء، سیاسی مفکرین اور فرمانروایان وقت کے

نام لکھے تھے۔ یہ خطوط تصوف و عرفان، اخلاق و فقہ اور اسرار اسمائے الہی کے باریک

نکات پر مشتمل ہیں۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے شاہ فقیر اللہ کی علمیت، تبحر اور روحانی

افکار و خیالات، اور آپ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے

کھینچ جاتا ہے، اور روحانی تعلیم و تربیت اور صحت فکر کے لئے جو آپ نے سعی فرمائی ہے

اس کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے اور ہمارے سامنے شاہ صاحب کی زندگی کے علمی

اور علمی پہلو اس طرح آتے ہیں کہ وہ آپ کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ یہ خطوط

عربی و فارسی میں ہیں۔ ان خطوط کو شاہ فقیر اللہ علوی کے ایک ممتاز شاگرد محمد فضل

نے جمع کیا تھا، جن کو آپ نے ان خطوط کے جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا، آخر کتاب میں

چند مکتوب آپ کے مرشد حضرت محمد مسعود پشادری کے بھی ہیں جو انھوں نے شاہ فقیر اللہ

کے نام تحریر فرمائے تھے۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۶) "ملفوظات و عملیات" اس کتاب کا بھی ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب



کے پاس موجود ہے۔

(۱۶) ”شرح ابیات مشکل مثنوی“ (یہ نسخہ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا

ایک قلمی نسخہ کابل میں پایا گیا۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، آپ

فارسی، عربی اور پشتو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں آپ کا تخلص

”فقیر“ تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

مصدر فیضی کہ عالم را تر و تازہ نمود  
 فی الحقیقت ہست چوں مرآت در جسم شہود  
 خاکی از زربار رخ سلی است اگر بسگری  
 قلب دانا را ازیں رہ میں در معنی کشود  
 مے پرست ارے نیا شامد نمی گردد درست  
 یاد جام مے بیکسر عقل صوفی در ربود  
 سرمہ چشم عزیزاں است خاک میکدہ  
 یاد ربی بخت فیروز است کو این کردہ سود  
 لب اگر تر سازد آں رند خرابانی تبکے  
 جامہ و جاں را نثار جام مے خواہد نمود  
 مست با عقل آنچنان گردد کہ در روز جزا  
 چوں زرخ دلیر نباشد دیگرش گفت و شنود  
 درونی یابد شفا از صدق دل گرے خورد  
 درد مندے گرچہ در اراض بس مرہون بود



رو بخمار آورد آن کو که از روزِ ازل

از نقوش این و آن لوحِ دل اوساده بود

۳ صفر ۱۱۹۵ھ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی واصل

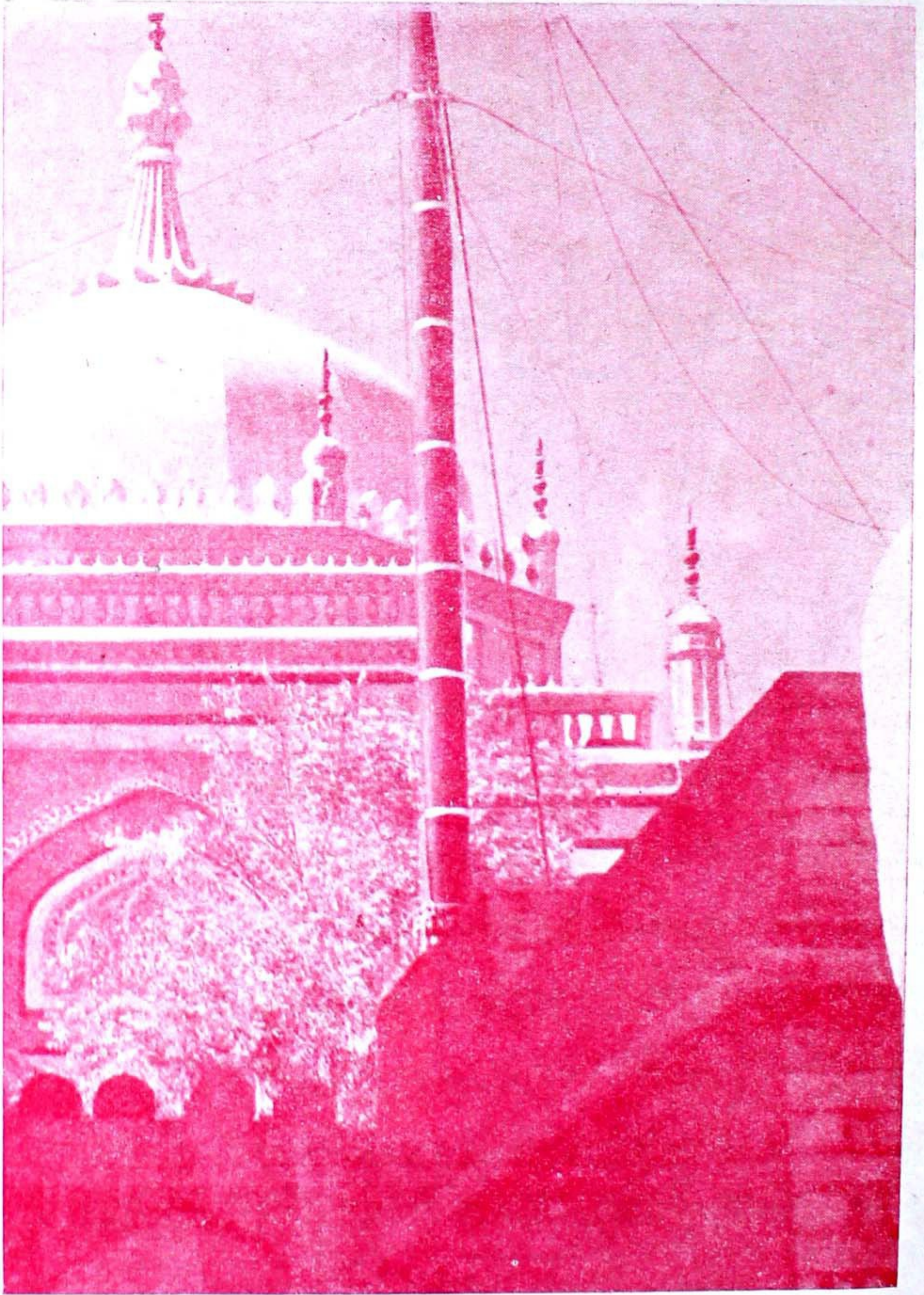
وفات

الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار شکار پور (سندھ) میں

زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی کے حالات محرمی آقائے حبیبی کے شکر یہ کے ساتھ ان کے  
اس مضمون سے ماخوذ ہیں جو رسالہ سروش (فارسی) شماره ۲۱ جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء  
کو بعنوان شاہ فقیر اللہ جلال آبادی کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔





علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم

علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

مقبرہ شاہ فقیر اللہ علوی

واقع شکارپور - سندھ

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)







# درویش قطب

**ارادت** | درویش قطب مخدوم نوح کے مرید تھے، اور کاہرہ بیلہ کے رہنے والے تھے۔ اور عجیب و غریب کیفیات و حالات رکھتے تھے۔

**بوبک میں تشریف آوری** | ایک مرتبہ قصبہ بوبک میں تشریف لائے۔

ایک طالب علم نے اُن سے پوچھا کہ آپ کس کے مرید ہیں، فرمایا خدا کا، لوگوں کو یہ جواب سن کر بہت غصہ آیا اور وہ اُن کو پکڑ کر مخدوم جعفر کے پاس لے جانے لگے تاکہ وہ ان کو سزا دیں۔ جب لوگ انہیں پکڑ رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ میں نے غلط کہا بلکہ خدا میرا مرید ہے، لوگوں کو اور بھی غصہ آیا، لوگ انہیں پکڑ کر مخدوم جعفر کے پاس لے گئے۔ مخدوم جعفر نے اُن سے پوچھا کہ تم یہ کیا کہتے ہو کہ خدا میرا مرید ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں خدا میرا مرید ہے، اس لئے کہ وہ جو کچھ ہمارے حق میں ارادہ کرتا ہے، لا محالہ اس کا ظہور ہوتا ہے، ہمارے پیدا کرنے میں پہلے اللہ کا ارادہ تھا، اور ہمیں اُس کے ارادے

سے وطن کی صراحت دلیل الذاکرین ص ۲۶ سے لی گئی ہے۔

مخدوم جعفر کے والد کا نام مخدوم مسداس تھا، مخدوم جعفر جامع کمالات بزرگ اور مخدوم نوح بھگوانی کے ہم عصر تھے۔ کمال اور فضیلت کے اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، اُن کی تصانیف میں "عجائب الطالین" مشہور ہے۔ مخدوم جعفر کے دو صاحبزادے تھے مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نور الدین، دونوں صاحبزادے صاحب علم و فضل تھے، مخدوم عبدالغنی نے میاں محمد ادیب راجان کھنڈا کے عہد حکومت میں وفات پائی اور مخدوم نور الدین میاں غلام شاہ کھنڈا کے عہد حکومت میں وصال الی اللہ ہوئے۔ کلام جلد ۳



میں مطلقاً دخل نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے، وہ کرتا ہے، اور یوں تو بنظاہر میں مخدوم نوح کامرید ہوں۔

ایک روز کسی شخص نے اُن سے کہا کہ بنظاہر تم میں کوئی قابلیت نظر نہیں آتی۔ لیکن تم کہتے ہو کہ خدا تم سے دوستی رکھتا ہے؟ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ ایک بادشاہ جو ہزاروں صاحبِ جمال و خوبصورت کنیزوں کا مالک تھا، اُس نے ایک خاکروب عورت کو دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گیا۔ آخر اس کی محبت کی آنکھ نے کوئی خوبی تو اُس میں دیکھی ہوگی۔

ان کے وطن اور مدفن کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، لیکن سندھ کے صوفیاء کے سلسلے میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

**وطن و مدفن**



# حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر سیستانی

**نام و نسب** | اسم گرامی عثمان تھا۔ لیکن عام طور پر لعل شہباز قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید کبیر ہے، آپ حضرت امام محمد جعفر صادق کی اولاد سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :-

حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ  
بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید  
منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام محمد بن  
جعفر صادق علیہ السلام

**وطن** | حضرت لعل شہباز کے آباد اجداد کا وطن مروند تھا۔ جس کو ہمند بھی کہتے ہیں یہ مقام ہرات کے قریب افغانستان میں واقع ہے۔

**ولادت** | مخدوم شہباز قلندر ۱۱۶۳ھ مروند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔

۱۔ لب تاریخ سندھ قلمی ملوکہ سندھی ادبی بورڈ ص ۱

۲۔ لب تاریخ سندھ ص ۳۳ پر شیخ اکرم نے اس کا نام مرند لکھا ہے اور اس کا جائے وقوع ہرنیک کے قریب بتایا ہے۔

۳۔ لب تاریخ سندھ ص ۱



**بیعت** | سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الہی سے اپنے قلب کو روشن و منور بنا کر بابا ابراہیم سے خلافت حاصل کی۔ بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے۔

**سیاحت** | اس کے بعد بھی روحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتے رہے۔ اور مختلف اولیاء و صوفیائے کرام کی رُوح پر وہ صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکر، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری خصوصیت کے ساتھ

۱۔ موج کوثر ص ۳۳

۲۔ لب تاریخ سندھ قلمی ص ۵

۳۔ آپ کا نام مسعود، لقب فرید الدین تھا۔ گنج شکر کے لقب سے بھی مشہور ہوئے۔ حضرت گنج شکر کی ولادت ۵۸۲ھ میں قصبہ کہنی وال ضلع ملتان میں ہوئی۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بیعت و خلافت حاصل کی اور ۶۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی (بزم صوفیاء ص ۱۲۲)۔

۴۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کٹرور میں ۱۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ملتان میں توطن اختیار کیا اور ۱۲۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی (سنہ ولادت و وفات موج کوثر اور بقیہ حالات بزم صوفیاء سے ماخوذ ہیں)

۵۔ آپ کا اسم گرامی سید جلال الدین۔ لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا۔ صاحب سیر العارفین کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے عید کے دن حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے حضرت شیخ علاء الدین اویسی زکریا کے مزارات پر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں ان بزرگوں سے عید کی طلب کی تو ان بزرگوں کی طرف سے عید میں مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔ جب وہاں سے آپ واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی آپ کو ملتا ہے اختیار مخدوم جہانیاں کہہ کر پکارتا تھا۔ مخدوم جہانیاں کے والد کا نام سید احمد کبیر اور دادا کا نام حضرت جلال الدین سرخ بخاری تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں



قابل ذکر ہیں۔ شیخ صدر الدین عارف شہ سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔

**خان شہید کی عقیدت** | بلبن کا بیٹا خان شہید آپ کا بچہ معتقد تھا۔ خان شہید کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ ملتان میں قیام فرمائیں اور

(بقیہ فٹ نوٹ) کی ولادت ہند میں ہوئی۔ آپ نے شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی۔ پھر اچھکے قاضی علامہ بہار الدین سے ظاہری تعلیم حاصل کی۔ طریقت کی تعلیم پہلے اپنے والد سے پائی۔ پھر حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے پوتے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں سے خلافت حاصل کی۔ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے سپرد چالیس خانقاہوں کی تھیں۔ لیکن آپ سب کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ سلطان فیروز شاہ بھی آپ کا بچہ معتقد تھا۔ آپ ہی کی کوشش سے سندھ کے سمر خاندان کے بادشاہ جام بابلیہ اور سلطان فیروز کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کا حال میں نے اپنی کتاب "سندھ کی تاریخی کہانیاں" میں مفصل لکھا ہے۔ مخدوم جہانیاں نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک اچھک میں ہے جو ریاست بھاول پور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (ماخوذ از بزم صوفیاء۔ سید صباح الدین۔ تذکرہ حضرت سید جلال الدین بخاری و تحفہ الکرام جلد ۳ ص ۱۲)

۱۱۹

۶۸۲ھ میں آپ نے ملتان میں وفات پائی (بزم صوفیاء ص ۱۱۹)۔ بلبن کا نام غیاث الدین تھا۔ چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہو کر بغداد میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا اور ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور تعلیم و تربیت دی پھر بلبن دھلی آیا۔ اور بہشتی و فراس کی معمولی خدمتوں سے ترقی کرتے کرتے نائب الممالک بن گیا۔ ۶۶۶ھ میں سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ ۶۸۶ھ میں بلبن نے وفات پائی۔ (ملاح کوثر و تاریخ فیروز شاہی)

۱۲۰

خان شہید کا اصل نام سلطان محمد تھا۔ یہ غیاث الدین بلبن کا بیٹا ہے، خان شہید کی تعلیم و تربیت غیاث الدین بلبن نے بہترین طریقے پر کی تھی۔ وہ نہایت ہی قابل مرتاض نوجوان تھا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور حضرت بہار الدین زکریا جیسے جلیل القدر بزرگوں کی خدمت میں اس کو تقرب حاصل تھا اور امیر خسرو اور امیر حسن جیسے بزرگ و شاعر اس سے متعلق تھے، باپ کی ساری تمتائیں اس سے



اس کے لئے اُس نے ایک خانقاہ بھی بنوانا شروع کی۔ لیکن آپ نے ملتان میں قیام پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی خان شہید کے پاس جاتے اور شیخ صدر الدین عارف کی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے۔

صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ آپ سیر و سیاحت  
سندھ میں تشریف آوری کرتے ہوئے حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ ہی تشریف لے جائیں۔ اُن کے مشورہ کے مطابق آپ نے سندھ میں پہنچ کر سیوستان میں قیام فرمایا۔

(بقیہ فٹ نوٹ) وابستہ تھیں۔ غیاث الدین نے اسے منگولوں کی روک تھام پر سفر کیا تھا یہاں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۶ و موج کوثر ص ۱۲۴) ملتان ایک قدیم شہر ہے جس کو متعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کب آباد ہوا۔ مجمع الاسرار میں ہے کہ سام بن زریان اکثر شکار کے لئے یہاں آتا تھا جہاں اب ملتان آباد ہے۔ اُسے یہ جگہ پسند آئی اور اُس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں کی چھینٹ اور صنعت زگریزی بہت مشہور تھی۔ (ہدیت العالم قلمی نسخہ مصنفہ شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی مولو سندھی ادبی بورڈ و تحفۃ الکرام جلد ۳)

۱۰ شیخ بوعلی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد تھے۔ شیخ بوعلی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کبھی میں علوم ظاہری کی تکمیل اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب آپ کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ بعد میں آپ پر جذب و سرستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور تمام کتابوں کو دریا میں غرق کر کے جنگل کی راہ لی۔ ۱۳ رمضان ۶۲۲ھ کو وفات پائی اور کرنال میں مدفون ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اعزہ نے ایک رات آپ کا جد مبارک قبر سے نکال کر پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا۔ (بزم صوفیاء تذکرہ شاہ بوعلی قلندر ص ۲۳۵)

۱۱ سیوستان کو سیون بھی کہتے ہیں۔ یہ سندھ کا بہت قدیم شہر ہے، صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ یہ سیوان نامی ایک شخص کے نام سے موسوم ہے جو سند کی اولاد سے تھا۔ ابتداءً یہ شہر ایان انور کے ماتحت رہا۔ بعد میں ٹھٹھ کے بادشاہوں کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ جب شاہ بیگ ارغون نے سندھ کی حکومت حاصل کی تو یہ شہر ان کے ماتحت آیا۔ لیکن اس نے اس کو ٹھٹھ سے انتظاماً علیحدہ کر دیا پھر شاہ حسن



**پہلی برکت** | اتفاقاً سیوستان میں آکر آپ جس محلے میں مقیم ہوئے وہ کسی عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدم مہینت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زنا کاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا، نیکی اور پرہیزگاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔

**رشد و ہدایت** | مخدوم شہباز قلندر نے سیوستان میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا، ان کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔

وہ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔ ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ سے جوڑا۔

**جذب و سکر** | آخر عمر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور قلندریۃ مشرب اختیار کر لیا تھا۔ آپ کے قلندروں کو لال شہباز یہ کہتے ہیں۔

**علم و فضل** | صاحبِ موجد کوثر شیخ اکرام نے اپنی کتاب میں برٹن کی سٹریٹ آف سندھ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شہباز قلندر بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے (سنہ ۱۸۵۰ء) میں صرف و نحو کی جو کتابیں مروج تھیں مثلاً میزان الصرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت لعل شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ) آرخوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس کو ٹھٹھہ میں شامل کر لیا۔ عہد اکبر میں جب سندھ مغلیہ حکومت کا صوبہ بنا تو سیوستان کا حاکم علیحدہ مقرر ہوا۔ نحمدہ ایار خان کلچوڑا کے زمانے سے پہلے کی طرح یہ سندھ میں داخل ہے۔

لعل شہباز قلندر کے متعلق لعل شہباز



**شاعری** | شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ عثمان تخلص فرماتے تھے صاحبِ مقالات الشعراء نے آپ کی ایک غزل نقل کی ہے۔ جو آج بھی اہل نظر کے لئے سرمایہ تسکین دل و جان ہے۔ فرماتے ہیں۔

ز عشق دوست ہر ساعت درونِ نار می رقصم  
 گہی بر خاک می غلطم گہی بر حسار می رقصم  
 بیائے مطربِ مجلس سماعِ ذوقِ راددہ  
 کہ من از شادی وصلش قلندر وار می رقصم  
 شدم بدنام در عشقش بیائے پارسا کنوں  
 نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم  
 مرا خلقی ہی گوید، گدا چندیں چہ می رقصی  
 بدل داریم اسرارے از آل اسرار می رقصم  
 منم عثمانِ مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم  
 ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم

**وفات** | ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۱ شعبان ۱۸۴۳ء میں مخدوم شہباز قلندر نے وفات پائی، اور سیوستان میں آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص عام ہے۔

**روضہ کی تعمیر** | فیروز شاہ کی حکومت کے زمانے میں ملک رکن الدین نے اختیار الدین والی سیوستان نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرایا۔

اس کے بعد ۹۹۳ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ

۱۔ مقالات الشعراء شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ ص ۲۳۵

۲۔ حدیقۃ الاولیاء قلمی ص ۵۳



ترخان نے آپ کے روضہ کی توسیع و ترمیم کرائی۔

پھر ۱۰۹۹ھ میں مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے اپنی

صوبہ داری کے زمانے میں اُس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

۱۱۰۰ھ مرزا جانی بیگ بن مرزا پایندہ بیگ بن مرزا محمد باقی ترخان ۹۲۳ھ میں ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوا  
یہ ترخان فرماؤ اول میں نہایت ہوشمند اور مدبر فرماؤ تھا۔ ۹۹۹ھ میں اکبر کے حکم سے عبدالرحیم  
خانخانا نے سندھ پر حملہ کر کے ترخان حکومت کو ختم کر دیا۔ اور سندھ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنا۔ خانخانا  
ٹھٹھہ کو فتح کر کے مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ اکبر نے خانخانا کی سفارش پر مرزا جانی بیگ  
کو منصب پنج ہزاری دے کر ٹھٹھہ کے ساتھ سیوستان بھی اس کی جاگیر میں دے دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ مرزا  
جانی بیگ کو حکم دیا کہ وہ چند روز دہلی میں اُس کے ساتھ رہے۔ اس فرمان کے بعد تقریباً آٹھ سال تک  
مرزا جانی بیگ اکبر کے ساتھ رہا۔ ۱۰۰۹ھ میں اکبر نے قلعہ اسیر پر چڑھائی کی تو جانی بیگ اس کے ساتھ  
تھا۔ حاکم قلعہ اسیر بہادر خان نے پہلے تو جنگ کی مگر جب شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اکبر سے صلح  
کر لی۔ اس صلح کی خبر کو سن کر بے اختیار جانی بیگ کی زبان سے نکلا۔ بہادر خان بزدل ہے کہ وہ صلح کر رہا ہے  
اگر میں سندھ میں ایسا مضبوط قلعہ رکھتا تو سو برس تک اکبر کی فوجوں کو پریشان رکھتا۔ جانی بیگ کی یہ بات  
اکبر تک پہنچی۔ اُسے یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مرزا جانی بیگ کو اس گستاخی کی سزا دے۔ اور  
مرزا جانی بیگ کو معلوم ہوا۔ وہ بادشاہ کے عتاب سے بچنے کے لئے جھانگنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا  
کہ اچانک سرسام میں مبتلا ہوا، اور اسی بیماری میں وفات پائی۔ اس کی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور مگلی کے  
قبرستان میں دفن کی گئی۔ (مصنوعی سنہ ۲۴ تا ۲۵۴ و لب تاریخ سندھ قلمی ملوکہ سندھی ادبی بورڈ ص ۱۰۱)  
ذخیرۃ الخواہن قلمی ملوکہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔)

۱۱۰۰ھ مرزا غازی بیگ بن مرزا جانی بیگ ترخان ۱۰۹۹ھ میں بادشاہ اکبر کی جانب سے سندھ کا گورنر  
مقرر کیا گیا۔ اس وقت مرزا غازی بیگ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ مرزا غازی بیگ نے اخوند ملا اسحاق بھکری  
سے تعلیم حاصل کی تھی۔ غازی بیگ نہایت فہیم، مدبر، عالم اور شاعر تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے  
علماء اور شعراء جمع رہتے تھے۔ طالب آملی، طامر شد بروجرودی، ملا اسد قصہ خواں اور میر نعمت دہلوی جیسے  
باکمال اس کے دربار کی رونق تھے۔ غازی بیگ نے خود بھی شاعر تھا۔ وقاری تخلص کرتا تھا۔ اُس نے تقریباً



فضائل | صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے آپ کے محامد و اوصیاء اور اخلاق عالیہ کو  
حسب ذیل اشعار میں نظم کیا ہے :-

شاہ اورنگ خطہ ملکوت	شاہ باز نشین لاہوت
صاحبِ وجد و تارکِ مطلق	اہلِ دل عارف معارفِ حق
اشرف الذات ہم شریف نسب	شاہ عثمان، شاہ باز لقب
ہر ایقان چسراغِ بینائی	بحر عرفناں کنوزِ دانائی
بلبلِ گلستانِ عالمِ ذوق	مستِ حشم خانہ محبتِ شوق
محرمِ خلوتِ حرمِ مثال	صاحبِ حال و کاملِ ابدال
عطرانِ نزا چوروضہ رضواں	چندازِ روضہ اش بہ سیوتان
چو حبابی ز چشمہ کافور	فیض افزائے گنبدِ پر نور
چیدہ آور و از ریاضِ اہل	بلکہ خود باغبانِ صنعِ ازل
کش نسا زوز بون دست خزاں	گلِ صدبرگ تازہ تر از جاں
مشک با آب و طینتش بسرشت	گنبدی نہ کہ روضہ ز بہشت

(بقیہ فٹ نوٹس) پانچ ہزار شعر فارسی میں کہے۔ سلطانہ میں ابرت و فات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا  
تو وہ بھی مرزا غازی کو بچہ عزیز رکھتا تھا۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں مرزا غازی کو منصب "دوازہ  
ہزاری" سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی سندھ کی گورنری کے ساتھ قندھار کی گورنری بھی اس کو عطا کی۔ سلطانہ  
میں جب کہ مرزا غازی بیگ کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ اس کے ایک غلام عبداللطیف نے بہانی خان ولد  
خسرو خان کے اشارے پر زہر دے دیا۔ اُس وقت مرزا غازی قندھار میں تھا۔ قندھار سے اس کی لاش  
کھٹھائی گئی اور کلی کے قبرستان میں اپنے والد مرزا جانی بیگ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اُس کا ایک شعر  
ہم بخونتا نقل کرتے ہیں :-

بزمِ عشق است "دقاری" بادب باید بود کہ در آن جز بلب زخمِ تکلم کفر است

مقالات الشعراء بضم دقاری و تحفۃ الکرام جلد ۳



خاک آن آستان قبل نشان  
 فیض فایض زبام و دربارش  
 شب چو اجرام در وی افزاں  
 نازانِ حریم حرمت او  
 وید از جود قلم عمان  
 هر کس را بوقف خویش دل  
 هر که با غم ہم آشیانه بود  
 چوں ز اخلاص می نهد قدمی  
 یابد از غم نجات فیروزی  
 آستانش که هست خلد مثال  
 برد از خوان جود از کم و بیش  
 هست در بار او چو قلم ظرف  
 کس نگشت از فوال شان محروم  
 تا قیامت بود چنین روشن  
 نه پذیرد نه صرصر دوراں  
 فیض در بار او با استقلال  
 سرمه بینش عیون شہاں  
 نور رخشاں ز چار دیوارش  
 شمع وقت بدیل مشعل تاباں  
 میرسد فوج فوج از ہر سو  
 سائلاں را پُر از گہر دامان  
 گشت بے شبہ مدعا حاصل  
 خستہ و شستہ زمانہ بود  
 اندر آں پاک محترم حرے  
 سودش راحت و فرج روزی  
 ہست محط قوافل ابرار  
 ہر کسے در خود عقیدہ خویش  
 ہر کسے راست بہرہ در خود ظرف  
 برد البتہ حصہ مقوم  
 شمع تابان او بوجہ حسن  
 انطفائے بہ بیچ وقت او آن  
 ہمچنین بود و ہم بود لازال

د مہدم رحمت خداوندی

باد بر روح شاہ مروندی<sup>لم</sup>



# قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسین

معروف بہ

## پیر مراد

نام و نسب و خاندان | حضرت پیر مراد کا اصل نام محمد حسین، لقب سید مراد  
آپ کے والد کا نام سید احمد ہے، آپ کا سلسلہ

نسب بیسویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب  
یہ ہے۔ سید محمد حسین بن سید احمد بن سید محمد شیرازی بن سید محمود بن سید محمد بن شاہ  
محمود بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر بن شاہ حمزہ بن شاہ  
ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید علی جعفر بن سید محمد  
بن سید علی نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم۔

سب سے پہلے آپ کے دادا سید محمد حسینی سلطان مبارز الدین بن مظفر الدین  
(۱۱۳۵ھ - ۱۱۶۵ھ) کے زمانے میں شیراز سے سندھ آئے۔ سید محمد کا ابتدائی ورود  
سیون میں ہوا۔ اور آپ وہاں حضرت قلندر شہباز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

ولادت | آپ کی ولادت ۱۱۳۵ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی بزرگی کا اندازہ اس  
سے ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش سے پہلے سندھ کے مشہور بزرگ

پیر گنج، شیخ عیسیٰ لنگوئی اور بعض دوسرے اولیاء اللہ نے آپ کی پیدائش کی



خوشخبری دی، اور آپ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔

مشہور ہے کہ جب حضرت پیر مراد پیدا ہوئے تو آپ آنکھ نہیں کھولتے تھے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی کو خبر ہوئی، وہ آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کو دیکھا۔ آپ کے دیکھتے ہی حضرت پیر مراد نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا، بات یہ ہے کہ میں ایک مدت سے ان کی مریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج مرید نے اپنی مراد کو پالیا۔

**تبلیغ دین** | جب حضرت پیر مراد کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ نے بزرگوں کے طریقے کے مطابق بیعت یعنی شروع کی۔ آپ کی بزرگی، نیکی اور عبادت کو دیکھ کر دور دور سے لوگ آکر آپ سے بیعت ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی پرہیزگاری، عبادت گزاری اور دینداری کے چرچے دوسرے شہروں میں پھیلے۔ اُس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ صدر الدین جو کہ حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے نواسے تھے جب ان کو اس کی خبر ہوئی کہ ٹھٹھہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے ہیں، اور ان کی بزرگی کی شہرت سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے، تو اپنے اپنا ایک خادم حضرت پیر مراد کو طلب کرنے کے لئے بھیجا، اور اس کے ساتھ دودھ سے مُنٹھ تک بھرا ہوا ایک پیالہ بھی روانہ فرمایا، شیخ صدر الدین کا مطلب اس دودھ کے بھرے ہوئے پیالے کے بھینچنے سے یہ تھا کہ جس طرح کہ یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی اور دوسری چیز نہیں سما سکتی، اسی طرح سندھ میں بھی ہمارے سلسلے کے سوا دوسرے کسی سلسلے کی گنجائش نہیں۔ آپ کا یہ خادم دودھ کا یہ پیالہ لے کر ملتان سے ٹھٹھہ اس حال میں پہنچا کہ پیالے میں جو دودھ تھا وہ اُسی حالت میں تھا اور اس میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا تھا، اور نہ اُس میں سے ایک قطرہ گرا تھا۔ جب یہ خادم حضرت پیر مراد کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے حضرت



شیخ صدر الدین کا پیغام پہنچا کر دودھ کا وہ پیالہ بھی پیش کیا۔ حضرت پیر مراد نے اپنی جاننا  
 کے نیچے سے چند کلیاں نکال کر اس پیالے میں ڈال دیں اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ اس  
 آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح اس پیالے میں ان کلیوں کی گنجائش اب بھی  
 ہے، اسی طرح اس ملک میں ہمارے سلسلے کے لئے بھی جگہ خالی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیخ  
 صدر الدین سے عرض کر دینا کہ آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد سے ہیں اور میں رسول اکرم  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ روزانہ بلاناغہ رسول اکرم  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 ضرورتاً کبھی کبھی آپ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اس لئے بجائے میرے  
 آپ کا یہاں تشریف لانا مناسب ہے۔ خادم یہ جواب لے کر ملتان واپس ہوا  
 اور جو جواب حضرت پیر مراد نے دیا تھا بجنسہ حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں  
 عرض کر دیا، اسی کے ساتھ وہ پیالہ بھی پیش کیا جس میں حضرت پیر مراد نے چند کلیاں  
 ڈال دی تھیں۔ شیخ صدر الدین نے دیکھا کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی  
 وہ کلیاں اسی طرح تروتازہ تھیں اور ذرا بھی نہ مڑھانی تھیں۔ پیر مراد کی اس کرامت  
 کو دیکھ کر حضرت شیخ صدر الدین بہت متاثر ہوئے اور آپ حضرت پیر مراد کی ملاقات  
 کے لئے ملتان سے ذرا ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ سے نہایت خلوص محبت سے  
 تذکرہ نویسیوں نے آپ کے لقب مراد کے سلسلے میں لکھا ہے،

**مراد کا لقب**

کہ ایک دفعہ حضرت صدر الدین اور حضرت پیر مراد نماز جمعہ کے  
 ادا کرنے کے لئے ٹھٹھہ کی مشہور مسجد کلاں میں جو مسجد ولی نعمت کے نام سے موسوم ہے  
 تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مری ہوئی بلی پڑی تھی، شیخ صدر الدین نے  
 اس بلی کو دیکھ کر قسم باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا کہا۔ وہ اسی وقت  
 کھڑی ہو گئی۔ پیر مراد نے شیخ صدر الدین کی اس کرامت کو دیکھا اور خاموش رہے



یہاں تک کہ دونوں کے دونوں مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاقاً اُس دن کسی سے امام صاحب نہ آسکے، دیر تک لوگ اُن کا انتظار کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا، حضرت پیر مراد نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور راستے میں جو بھی بٹے اُسے لے آؤ۔ خادم گیا، مسجد سے نکلتے ہی اُس کی نظر سب سے پہلے ایک بوڑھے برہمن پر پڑی، خادم نے اُس سے کہا کہ تمہیں قطبِ زمان حضرت پیر مراد بلا رہے ہیں۔ برہمن فوراً ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت پیر مراد جو ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تھے، آپ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور اُس برہمن کی طرف ایک نظر ڈالی، نظر کا پڑنا ہی تھا کہ برہمن نے اسی وقت اپنے جینیو کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔ خطبہ اور نماز جمعہ کے ادا کرنے کے بعد اسی برہمن نے منبر پر کھڑے ہو کر بسم اللہ کے چودہ طریقے پر معافی اور مطالب بیان کئے اُس وقت حضرت پیر مراد نے شیخ صدر الدین سے فرمایا، دیکھئے مردوں کو زندہ کرنا بدعت ہے، لیکن دلوں کو زندہ کرنا اور نورِ ایمان سے منور کرنا بزرگوں کی سنت ہے۔ شیخ صدر الدین نے کہا بیشک آپ ہمارے مشائخ کی مراد ہیں، اور آپ سے مراد حاصل ہوں گی۔ اسی وقت سے آپ "پیر مراد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

**مسجد صفہ کی تعمیر** مٹھ میں ستمہ خاندان کے چوبیسویں بادشاہ جام نظام الدین کے دیوان لکھی مل کا ایک بُت خانہ تھا۔ حضرت پیر مراد نے اُس کو مسجد بنانا چاہا۔ لکھی مل نے آپ کی مخالفت شروع کی اور جام نظام الدین کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ پیر مراد میرے بُت خانے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، جام نظام الدین نے اُس کے استغاثے کی بنا پر سخت غصہ میں آکر اپنے بھانجے جام مارک

لہ جام مارک نے حضرت پیر مراد شیرازی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور حضرت پیر مراد نے آپ کو پیر الہ کا خطاب دیا۔ البتہ کے معنی ہیں مطہر۔ ان کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الظاہرین و تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۴ پر موجود ہے۔



کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو مسجد بنانے سے روک دے، جام مارک جیسے ہی آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی ایک نظر اس پر پڑتے ہی اس کے خیالات کی دنیا بدل گئی اور وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر فقراء میں داخل ہو گیا۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک مصاحب شیخ نھطر کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ شیخ نھطر بھی آپ کی خدمت میں پہنچے ہی آپ کے زمرہ عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا، جام نظام الدین یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو وہاں جاتا ہے آپ کا ہو جاتا ہے، اب کی مرتبہ اس نے اپنے دوسرے مصاحب شیخ مالہ کو روانہ کیا، لیکن وہ بھی آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا، اس کے بعد جام نظام الدین سمجھ گیا کہ آپ کی مخالفت نفع نہیں ہے، وہ خود عقیدتمندانہ حاعر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور تقسیم مسجد میں آپ کو ہر قسم کی مدد بہم پہنچائی۔

تبلیغی کوششوں کے ثمرات | تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ تقریباً بارہ ہزار آدمی آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے

اور فسق و فجور سے تائب ہوئے۔ ان میں سے تقریباً پانچ سو افراد ایسے تھے، جو درجہ ولایت پر فائز ہوئے۔

۱۸۹۳ء میں حضرت سید پیر مراد واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار وفات ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

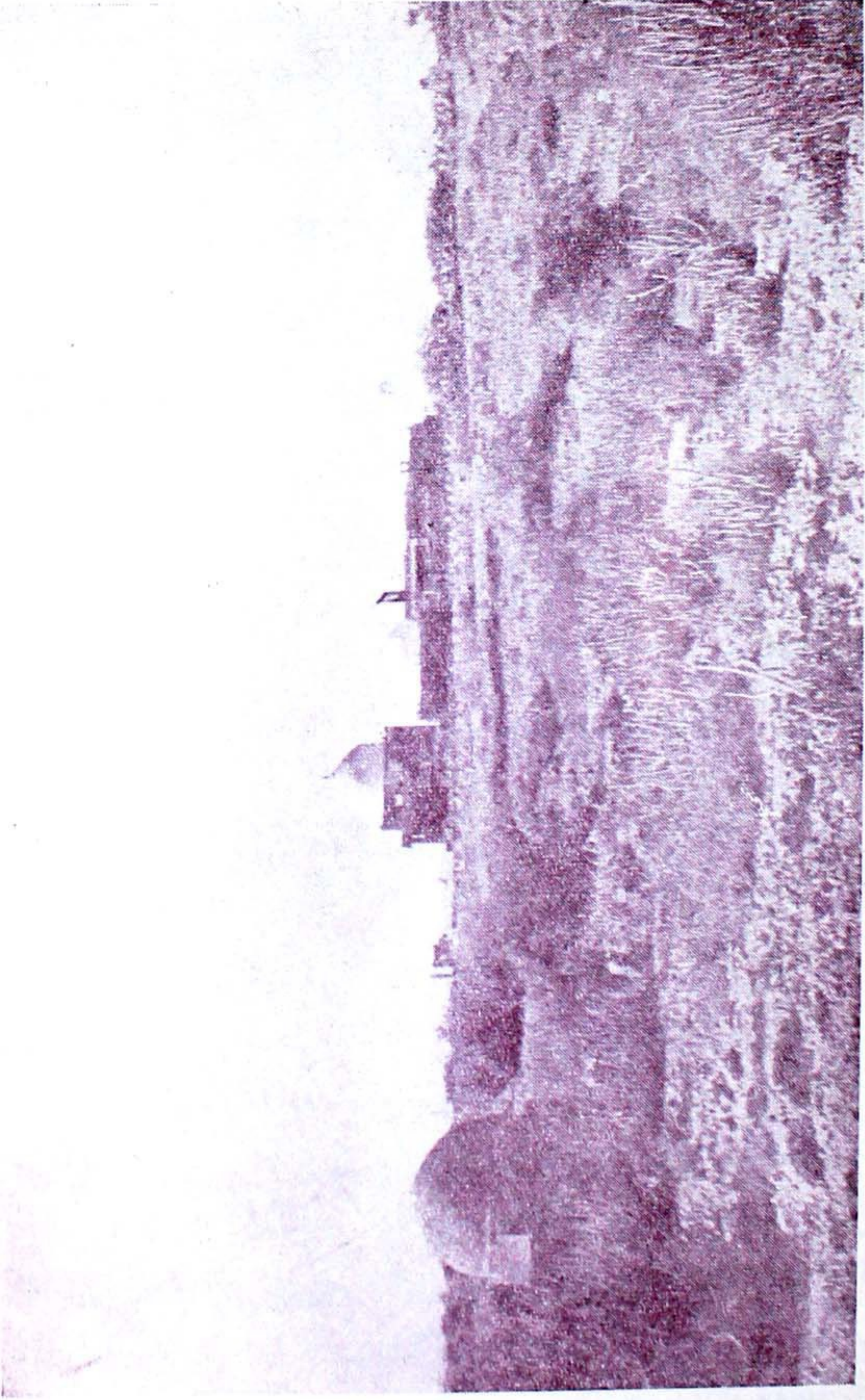
۱۰ شیخ نھطر نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور درجہ ولایت پر فائز ہوئے۔ شیخ نھطر کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الطاہرین ص ۱۴۳ پر ملتا ہے۔

۱۱ سید مراد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے یکم ربیع الاول بعض نے ۲ ربیع الاول بعض نے ۸ ربیع الاول آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ لیکن صاحب معارف الانوار نے ۱۲ ربیع الاول ۱۸۹۳ء آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ سنہ وفات ساجداً او خالصاً اللہ سے نکلتا ہے۔ (حواشی مکلی نامہ مرتبہ سید حسام الدین راشدی شائع شدہ رسالہ مہران سندھی ادبی بورڈ نمبر ۱۱ جلد ۱۹۵۶ء)



فقیر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ

فقیر ہے میروں کا میر فقیر ہے شاہوں کا شاہ



شاہ مراد شیرازی کا قبرستان

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)







**نماز جنازہ** سید مراد کی نماز جنازہ سندھ کے فرمانروا جام نظام الدین نے پڑھائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے سید منصور

نے آپ کے جنازے کی نماز کی امامت کی اور اپنے والد کی پاننتی دفن کئے گئے۔

**خلفاء** آپ کے خلفاء میں حضرت سید علی کلاں شیرازی جو آپ کے حقیقی بڑے بھائی بھی تھے۔ سید جلال بن سید علی کلاں، شیخ البہ، شیخ حاجی محمد حسین صفائی،

شیخ احمد خان ناہیو، شیخ مالہ، شیخ نھڑ اور شیخ عیسیٰ لنگوٹی مشہور ہیں۔

**فضائل** سید عبدالقادر بن ہاشم حسینی صاحبِ حدیقہ الاولیاء نے پیر مراد کے محامد و اوصاف کو ایک نظم میں منظوم کیا ہے جس کے چند شعر

یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

ملک سیرت آل پیر سید مراد	نجستہ لہتا و مبارک نہاد
فروزاں چراغی ز آل رسول	گل گلشن مرتضا و بتول
سراپردہ قرب حق منزلش	محل فیوضات غیبی دلش
سہر حلفتہ جمع قدوسیوں	شناسائی اسرار روحانیاں
انیس سراپردہ وجد و حال	جلیس در بارگاہ وصال

جام نظام الدین ننداسمہ خاندان کا بادشاہ ہے جو ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ کو جام بخیر کی وفات کے بعد سندھ آئے سلطنت سندھ ہوا۔ یہ اپنے اخلاق و کردار، تقویٰ اور پرمیزگاری علم و فضل کے اعتبار سے سمہ خاندان میں سب سے بہترین بادشاہ تھا، اسی کے آخری زمانے میں شاہ بیگ ارغون نے سندھ پر حملہ کیا۔ جام ننداسمہ اس کے مقابلہ کے لئے لشکر بھجوا یا جو شاہ بیگ ارغون کی فوج سے بڑی شجاعت و دیرری کے ساتھ لڑا، اور اس لڑائی میں شاہ بیگ ارغون کا بھائی مارا گیا۔ شاہ بیگ شکست کھا کر قندھار لوٹ گیا، اور جام نظام الدین ننداسمہ کی زندگی میں اس کی جرات نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ سندھ کا رخ کرے۔ جام نظام الدین نے ۸۹۶ھ میں وفات پائی (معصومی و حواشی مکتلی نامہ)



زخمخانه شوق سرمست بود  
 غریقی فرورفته در یامی عشق  
 حقائق شناس مقالات بود  
 بسی طالبان را ز فیض نظر  
 بسی را بارشاد تلقین نمود  
 زهی آستانش سرت منزا  
 مزار شریفش که در مکی است  
 فزای سرائش فرح بخش روح  
 غبار مزارش چو کحل لبصر  
 ز ارباب حاجت هزاران هزار  
 کشد هر کسی در خود اعتقاد  
 کسی که بی پای درخش سر نهد  
 در آستانش که بس دلگشا است  
 خدا یا برین خاک پاک مزار

برین مستمند دل آواره  
 ز فیض عمیش رساان بهره



(۳۸)

# شیخ موسیٰ آمیدانی

**حالات** شیخ موسیٰ آمیدانی کے آباء و اجداد ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ یہ خود سلطان علاء الدین کے زمانے میں سندھ تشریف لائے۔ عارفِ کامل اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ اہل سندھ نے آپ کے فیوض و برکات سے کافی استفادہ کیا۔ آپ نے سندھ ہی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پُرانوار نہر ساگرہ کے کنارے واقع ہے۔



# سید شاہ مسکین

نام و حالات آپ کا اسم مبارک شاہ مسکین تھا، ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے آپ کا شمار ٹھٹھہ کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ صاحب تحفہ الطاہرین نے آپ کے مراتب عالیہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

آن شہبازِ فضائی لاہوت، یکہ تازان میدانِ جبروت، سر و دستہ  
اولیاء کبار، سالارِ قوافل ابرار، صاحب مناقبِ علیہ، منظرِ کرامات  
جلیلہ، گل دستہ بوستانِ اصطفیٰ، گل سر سبدِ حدیقہ ارتضا، شہسوار  
ضمائمِ معرفت و یقین یعنی سید شاہ مسکین علیہ الرحمہ۔

ٹھٹھہ کے مشہور صوفی و درویش میاں ابوالقاسم نقش بندی  
سید شاہ مسکین کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ٹھٹھہ کے قبرستان  
میں جتنے اولیاء اللہ آرام فرماتے ہیں، ان میں جو شان سید شاہ مسکین کی ہے کوئی  
دوسرا ان کی ہمسری نہیں کرتا۔

عبادات میں وہ ذکر الہی، وظائف اور درود کو بید پسند کرتے تھے۔  
آپ کا تمام وقت انہیں عبادات میں صرف ہوتا تھا۔ خود بھی  
کثرت سے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تھے، اور درود  
بھیجنے والے کو بید عزیز رکھتے تھے۔

رشد و ہدایت آپ سے بہت سے لوگوں نے تزکیہ باطن اور تربیت روحانی  
حاصل کی۔ ان میں سے خاکی شاہ بہت مشہور ہیں۔ خاکی شاہ کی عمر کا بڑا حصہ آپ کی



خدمت اور ارادت میں گذرا۔

**شہادت** ۱۹۶۳ء میں مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد میں پرتگیزیوں کی اُس یلغار میں جو انھوں نے ٹھٹھہ پر کی تھی۔ آپ نے شہادت پائی۔ آپ کا مزار محلہ غلہ بازار ٹھٹھہ میں اپنے مرشد کے متصل واقع ہے۔

۱۷ مرزا شاہ حسن ارغون کی وفات کے بعد بالائی سندھ کی حکومت سلطان محمود کو ملی اور وزیرین سندھ پر مرزا عیسیٰ ترخان بادشاہ ہوا۔ سلطان محمود کا دارالحکومت بھکر اور مرزا عیسیٰ ترخان کا دارالسلطنت ٹھٹھہ قرار پایا۔ ان دونوں حکومتوں کے قائم ہونے کے بعد دونوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور فوجت لڑائی تک پہنچی۔ ۱۹۶۳ء میں مرزا عیسیٰ ترخان اپنی فوجیں لے کر بھکر کی طرف بڑھا۔ اُس نے اپنی امداد کے لئے گواسے پرتگیزیوں کو بھی بلوایا تھا۔ ابھی وہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مرزا عیسیٰ بھکر روانہ ہو گیا اُس نے بھکر کا محاصرہ کیا۔ سلطان محمود قلعہ بند ہو گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً پندرہ روز رہا۔ فریقین میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ابھی مرزا عیسیٰ بھکر ہی میں تھا کہ پرتگیزی فوجیں ٹھٹھہ پہنچیں، انھوں نے دیکھا کہ مرزا عیسیٰ جا چکا ہے، اور انھیں اب جنگ کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انھوں نے ٹھٹھہ ہی کو ٹوٹنا شروع کر دیا۔ قتل عام کیا اور اس کے بعد شہر میں آگ لگادی۔ جس سے شہر کی شاندار عمارتیں جل گئیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ مرزا عیسیٰ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ محاصرہ چھوڑ کر ٹھٹھہ آیا۔ سلطان محمود اس کا پیچھا کرتے کرتے سیوستان تک آیا۔ لیکن اس زمانے کے ایک بزرگ میرکلاں نے دونوں کے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی۔

پرتگیزیوں نے اس قتل و غارت گری میں جن مساجد میں مسلمانوں کو شہید کیا وہ ان مساجد کے سامنے ہی دفن کئے گئے۔ اس طرح ٹھٹھہ میں پانچ گنج شہیداں موجود ہیں۔

(ماخوذ از حاشیہ تحفہ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم ص ۱)



(۴۰)

## سید میر کلاں

نام و نسب **اسم گرامی سید میر تھا۔** کربلا کے سادات کے خاندان سے تھے۔ ترک وطن کر کے جب آپ قندھار تشریف لائے تو وہاں کے مشہور بزرگ میر شیر قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے اور قندھار ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

سندھ میں تشریف آوری **شاہ بیگ ارغون کے سندھ فتح کرنے کے بعد آپ قندھار سے سندھ تشریف لائے اور سیوستان کے قرب و جوار میں آپ مقیم ہوئے۔**

حضرت شہباز قلندر کی عقیدت **سندھ کے مشہور شیخ حضرت شہباز قلندر سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ کے وقت کا بڑا حصہ حضرت شہباز قلندر کے مزار مبارک پر عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔**

لے میر شیر قلندر کا اصل نام سید محمد تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو ریاضت و عبادت الہی کا شوق تھا جس کی وجہ سے آپ بہت جلد تصوف و درویشی کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے میر شیر قلندر آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ اپنی ہیئت بدل کر شیر کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اس وقت سے آپ شیر قلندر کے لقب سے مشہور ہو گئے میر شیر قلندر نے عاصیوں کے روز <sup>۵۹۳۳</sup> میں وفات پائی آپ کا مزار موضع اشکلہ میں واقع ہے جو قندھار سے سمت مغرب میں مس میں واقع ہے (مجموعہ صفحہ ۱۳۴)



ساری عمر زہد و عبادت میں بسر کی۔ یہاں تک کہ لوگ  
زہد و عبادت ان کے زہد و عبادت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ اس زلمے  
 میں سید میر کے زہد و عبادت کی نظیر نہیں ملتی۔

فقراء و مساکین کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔  
فقراء و مساکین کا خیال جو بھی فقیر و مسکین آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا۔ لیکن آپ کا شمار  
وفات مرزا شاہ حسن ارغون کے معصروں میں کیا جاتا ہے قیاس چاہتا ہے  
 کہ دسویں صدی ہجری کے آخر میں آپ نے وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ خود شاہ حسن  
 ارغون نے ۹۶۲ھ میں وفات پائی ہے۔

کثیر الاولاد تھے۔ میر معصوم بھگت کرمی مصنف تاریخ معصومی انھیں  
اولاد کی اولاد سے ہیں۔



(۲۱)

شیخ میر محمد

مشہور بہ

میاں میر

نام۔ نسب۔ وطن | شیخ میر محمد نام، کنیت میاں میر ہے۔ سیوستان آپ کا وطن تھا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی سائیندہ

بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن تھا۔ داراشکوہ نے اپنی کتاب سیکنتہ الاولیاء میں آپ کا سلسلہ نسب اس طرح مندرج کیا ہے۔  
والد قاضی سائیندہ | والدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن

قاضی بونی قاضی عثمان قاضی طاہر  
بی بی جمال خاتون میاں میر چاٹل مانی  
(متوفی ۱۰۵۶ھ)

محمد شریف  
(متوفی ۵ رجب ۱۰۵۴ھ)

(جو میاں میر کی وفات کے بعد ان کے پہلے سجادہ نشین ہوئے)

یہ سیوستان کو سیوان اور سہوان بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جو سند کی اولاد سہوان کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر اس وقت ضلع دادو میں واقع ہے۔ (تحفۃ الکرام) سیکنتہ الاولیاء داراشکوہ کی تصنیف ہے جو اس نے میاں میر اور ان کے مریدین کے حالات میں ۱۰۵۴ھ میں لکھی اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۲۱ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اسے فٹ نوٹ مقالات شاعر مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ مرتبہ سید امجدین صاحب راشدی ص ۵۰۵ بعض قادی۔



میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں۔ آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد قاضی سائیندر نے اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان بلکہ تمام سندھ میں ممتاز مانے جاتے تھے تحفۃ الکرام میں ہے کہ :-

قاضی سائیندر نے از اولاد حضرت فاروق و اجلہ علمائے روزگار بود  
شریعت را یارِ طریقت و طریقت تو امان حقیقت دانشہ در سوستان  
نامی بل در تمامی سند گرامی گزشتہ

**ولادت** داراشکوہ نے اپنی مشہور کتاب کینۃ الاولیاء میں میاں میر کی ولادت کی تاریخ آپ کے بھائی کے حوالے سے ۹۳۸ھ لکھی ہے۔ اور آپ کی عمر کے متعلق بھی داراشکوہ نے اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ آپ نے ایک سو سات سال کی عمر پائی، اور بعض بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ستانوے سال کی عمر پائی۔ لیکن میں نے ایک محضر دیکھا ہے جسے آپ کے بھتیجے سیوستان سے تصحیح کر کے لائے تھے اس میں آپ کا سنہ ولادت ۹۴۵ھ تھا۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر شتر سال قرار پاتی ہے۔

**تعلیم و طریقت** ابتداً آپ کے والد ماجد نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی۔ لیکن دینیات کی تعلیم آپ نے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔

**بیعت** تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد میاں میر نے شیخ خضر قادری سیوستانی سے بیعت کی اور تزکیہ نفس و غیر معمولی ریاضتوں اور مجاہدوں

۱۳۸

۱۴ صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کا سنہ ولادت ۹۵۴ھ لکھا ہے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۸)



کی وجہ سے پیشوائے اولیاء اور قطبِ زمان کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ میاں میر مند آرائے  
**رشد و ہدایت**

رشد و ہدایت ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب  
 کو بھی اپنی روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اور اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب  
 نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے، میاں  
 میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے۔ ان کا تمام وقت عبادتِ تو  
 اور ریاضتوں میں گزرتا تھا۔ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنا منہا کے نظر بنائے ہوئے  
 تھے۔ عمل صالح کی روایت ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحاتِ مکیہ کا اکثر  
 حصہ حفظ یاد تھا۔ اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری حفظ تھی۔ شہرت  
 سے آپ کو نفرت تھی اور گوشہ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ سے  
 لاہور تشریف لانے کے بعد چالیس سال تک لاہور والوں کو اس کا علم بھی نہ ہو سکا کہ  
 ان کے شہر میں ایسی بزرگ ترین ہستی موجود ہے جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔  
 تقریباً ساٹھ سال تک آپ لاہور میں رہے اور وہاں کی دنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔

میاں میر ستر سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ کو وصال الی اللہ  
**وفات** ہوئے۔ سکینتہ الاولیاء میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسپتال میں مبتلا ہوئے

پانچ روز تک بیمار رہے اور محلہ خانپورہ میں وفات پائی۔ آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ  
 میں جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے، زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے داراشکوہ نے جو آپ کا معتقد تھا تمام مسالہ  
 جمع کیا۔ لیکن تعمیر کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ داراشکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا  
 گیا۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمل رہی۔ کئی سال کے بعد اورنگ زیب آپ کے  
 مزار پر حاضر ہوا اور اس نے عمارت کو مکمل کرایا۔ داراشکوہ کی بیوی نادیرہ کی قبیر



آپ کے مزار مبارک کے قریب بارہ دوری میں واقع ہے۔

متعدد مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر  
تاریخ وفات اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا۔ ملاحظہ ہو آپ کے  
 مریدوں میں سے تھے ان کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ہے۔

میاں میر سرد و فتر عارفان  
 کہ خاک درش رشکِ اکیر شد  
 سفر جانبِ شہر جاوید کرد  
 ازین محنت آباد دل گیر شد  
 خرد بہر سال وفاتش نوشت  
 بفر دوس والا میاں میر شد

۱۰۲۵ھ

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ ولادت و وفات یک جا کہہ کر اپنی  
 عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

میر دنیا و دیں میاں میر لیت  
 ہست "میر بہشت" تولیدش  
 واقف راز و محرم اللہ  
 ہم میاں میر چشمہ انوار

باز فرمودہ شیخ والا جاہ  
 بندہ مقتدا میاں میر است  
 عقل تولید او بصد تکرار  
 سال تولید آن شاہ ابرار

ہادی صدق میرا شرف خواں  
 نیز فیاض حق ولی آمد  
 وصل آن شاہ زبده الاخیار  
 ہم میاں میر دستگیر اے یار

۱۰۲۵ھ



**جہانگیر کی عقیدت** جہانگیرؒ آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔  
اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے :-

جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں مسیر نامی  
سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحبِ حال  
بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے  
فرقہ کی دولت کی بدولت غنی اور دُنیا سے مستغنی ہیں۔ ان اوصاف کی  
بنام پر میرا دل اُن کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا اور اُن کی زیارت  
میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی۔ لیکن میرے لئے لاہور  
جانا مشکل تھا، میں نے ایک خط کے ذریعے سے اُن کی خدمت میں  
اشتیاقِ ملاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعفِ پیری کے زحمت  
فرما کر تشریف لائے اور ایک طویل عرصہ تک میں خلوت میں آپ کے  
ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا۔ بلاشبہ آپ کی ذات  
غیر معمولی شرف کی حامل ہے۔ اور اس زمانے میں آپ کا وجود معتنات  
میں سے ہے۔ ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و  
حقائق سُننے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کی خدمت میں  
نذر پیش کروں۔ لیکن آپ کے پایہ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس  
تمنا کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی  
کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی۔

۱۰ جہانگیرؒ ۱۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲۸ صفر ۱۰۳۰ھ کو ۲۳ سال ۸ ماہ  
۵ روز حکومت کر کے اُس نے اُنٹھ سال گیارہ ماہ بارہ روز کی عمر میں وفات پائی۔ (فٹ نوٹس  
مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۳۲۵ بحوالہ مفتح التواریخ)



شاہجہاں کی عقیدت | شاہجہاں بھی آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا  
وہ بحیثیت ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نامہ میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، ایک ملاقات  
کے متعلق بادشاہ نامے میں ہے :-

۸ / رجب ۱۰۲۷ھ

خدیو خدا آگاہ، ارباب صفت و صفا، رہنمائے اصحابِ معرفت و  
تقی، قدوہ حق شناساں، صافی ضمیر، میاں میر کہ جن کی تشریف آوری  
سے پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا تھا، دوبارہ تشریف لائے، اور  
بادشاہ کی گذارش پر آپ نے بہت سے دقائق حقائق اور غوامض و  
معارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا جو انشراح صدر اور ہنسنا  
قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علیہ  
مرتبہ کے سامنے کسی دوسرے کو نہ ماننا تھا۔ عمل صالح میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ، اس مقتدا کے صاحبِ عرفان  
(میاں میر) کی صحبت کے اس درجہ والا و شیدا تھے کہ اُس سے  
زیادہ کسی عقیدت و شیفتگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ بارہا  
آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے  
کہ اس سرزمین کے مشائخ میں میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں پایا۔ اور  
اُن کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ میں۔

۱۷ عہد حکومت شاہجہاں - ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ تا یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ ہجری وفات  
۲۶ / رجب ۱۰۸۶ھ (فلسفہ و فلسفہ مقالات الشعراء ص ۴۱ بضم ابراہیم)



## داراشکوہ کی عقیدت

داراشکوہؒ بھی حضرت میاں میر کا عاشق تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی

تربیت اور ذوق و شوق کو آب و رنگ بخشا تھا۔

داراشکوہ کی روایت ہے کہ جب کہ میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیبوں نے جواب دے دیا۔ میرے والد مجھے لے کر میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میرا یہ لڑکا بیمار ہے اور ضعیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں۔ آپ اس کے لئے دُعا فرمائیے۔ آپ نے پانی پر دم کر کے مجھے دیا۔ میں اُس کے پینے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہو گیا۔

لہ داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا جو اپنی دو بہنوں جوڑ النساء اور جہاں آرا ربیگم کے بعد ۲۱ صفر روز شنبہ ۱۰۲۲ھ کو بانو بیگم المنیاطب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام سائو مال پیدا ہوا۔ ابوطالب کیم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی۔ ع

”گل اولین گلستان شاہی“ (۱۰۲۲ھ)

اُس کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ تصوف سے اس کو غیر معمولی دلچسپی تھی، اور صوفیاء سے دلی عقیدت رکھتا تھا، اس کی تصانیف جن کا اس وقت تک پتہ چل سکا، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین سرمایہ سمجھی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکنۃ الاولیاء (۳) کتاب میاں میر اور اُن کے مریدوں کے حالات پر مشتمل (۴) رسالہ توحید (۵) حیات العارفین یا شطیحات (۶) مجمع البحرین (۷) ستر اکبر (۸) ترجمہ بھٹوت گیتا (۹) بیاض داراشکوہ (۱۰) دیوان داراشکوہ (۱۱) دیباچہ مرقع (۱۲) مثنوی (۱۳) نادر النکات (۱۴) رسالہ معارف (۱۵) مکاتیب۔

۲۱ ذی الحجہ ۱۱۶۹ھ کو داراشکوہ اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ سیف خان نظر بیک چیلہ اڈ بعض دوسرے لوگوں نے اُسے قتل کیا اور ہاپوں کے بقرے کے تہ خانے میں جس میں شاہزادہ دانیال اور شاہزادہ مراد مدفون ہیں دفن کیا گیا۔ ”عمل صالح“ میں ہے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت اس کے ہم پر تھا، ماخوذ از ذفت نوٹس مقالات شعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی بضمین قادیان ۵۰۲ تا ۵۱۰



لیکن جس وقت داراشکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا، اُس وقت میاں میر وفات پا چکے تھے، اس لئے اُس نے آپ کے خلیفہ ملا محمد بدخشی سے بیعت کی۔

**خلفاء** | میاں میر کے خلفاء میں شیخ شاہ محمد مشہور بہ ملا شاہ بدخشی کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ملا محمد بدخشی بن قاضی ملا عبدی موضع ارکسا (علاقہ روستاق۔

بدخشاں) میں پیدا ہوئے، اور سولہ سالہ میں لاہور آکر میاں میر کے مرید ہوئے اور تیس سال اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کر کے انھوں نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا، داراشکوہ اور جہاں آرا نے اُن کے لئے ایک پہاڑ کے دامن میں خانقاہ تعمیر کرائی۔ جب تک اُن کے پیر حیات رہے وہ العزائم موسم سرما میں کشمیر سے لاہور اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے، داراشکوہ نے ملا محمد بدخشی کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے لوگوں سے معلوم ہوا کہ آپ متواتر سات سال تک عشا کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک جس نفس کے ساتھ ذکرِ خفی کرتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ تیس سال تک آپ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سوئے۔

کشمیر میں زہد و ریاضت کی وجہ سے ملا محمد بدخشی کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی اور دوسرے لوگ آپ سے سید متاثر ہوتے تھے۔ تصوف میں آپ کا مسلک صرف وحدت الوجود تھا۔

ولی رام نامی ایک کاسٹھ جو مغلیہ حکومت میں ایک امیر تھا، وہ داراشکوہ اور ملا بدخشی سے اس قدر متاثر ہوا کہ سب کچھ تاج کر ملا بدخشی سے بیعت ہوا۔ ولی رام کے بعض اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔ جن میں وحدت الوجود کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

مانہ آنِ خویم، آنِ توایم      بی نشانی تو، مانشانِ توایم  
ایں نشانہا، نشانِ ذاتِ تواند      منظرِ جلوہ صفاتِ تواند



پاکی از فکر و از قیاس ما      اے تو پیدا دریں لباس ما  
 منظر ذات تو ہمہ اشیا      بے تو و ما توئی، و خود تو و ما  
 ذات تو در صفات تو پیدا      صفت عین ذات اے مولا  
 ما ہمہ موج بحر ذات تو ایم      منظر مجمل صفات تو ایم  
 ملا بدشتی بھی بلند پاریشاعر تھے، دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ  
 اُن کا ایک مجموعہ کلام بھی مرتب ہو چکا تھا۔ سکینۃ الاولیاء میں اُس نے اُن کی بعض  
 غزلیں بھی نقل کی ہیں جو اُن کے علوئے فکر، نزاکت تخیل اور مسلک وحدت الوجود  
 کی آئینہ دار ہیں۔ ہم اُن کے یہاں بعض اشعار نقل کرتے ہیں۔

برویم بسر تردد لایب را      رباعی  
 رفتم تمام راہ بود و شد را  
 شد تا مطلب مقابل آئینہ دل      دیدیم در آئینہ جمال خود را

حرف دیوانگی است در دل ما      چه زندگی دگر ازیں گل ما  
 در تماشاں فرضہا ہمہ رفت      چیت پریدن از فوافل ما  
 روی او در مقابل مرات      روی ما بود در مقابل ما  
 در رہ عشق آنکہ ما را کشت      غیر ما کس نبود قاتل ما  
 وصل داد این خبر کہ غیر یکی      نیست موصول ما و واصل ما  
 از سہر اتحاد این بر خاست      میل ما دوست، دوست ما مل ما  
 ما کہ جو حق نہ ایم از عرفان      پس چه پرسی ز حق و باطل ما

### رباعی

آں را کہ بجاست بر سر ایماں جنگ      او مومن وز ایمان من اور اصدہنگ  
 مومن نشود تا کہ برابر نشود      بابانگ نماز، بانگ ناقوس فرنگ



ملا بدخشی بعض مرتبہ غلبہ حال کی وجہ سے ایسے اشعار کہہ جاتے جو شرعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ٹہرتے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک اسی قسم کا شعر کہا، اس شعر پر کشمیر کے علماء نے ان کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا، اور شاہجہاں سے گزارش کی کہ وہ ان پر حد شرعی جاری کرے، شاہجہاں نے علماء کے ارشاد کے مطابق ظفر خان گورنر کشمیر کو لکھا کہ ان پر حد جاری کرے۔ مگر داراشکوہ نے سفارش کی کہ حد کے جاری کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہیے اور دوسرے بزرگوں خصوصاً میاں میر سے بھی اس معاملے میں پوچھنا چاہیے۔ شاہجہاں نے حضرت میاں میر سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ غلبہ حال کی وجہ سے ملا بدخشی سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں، جو کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اُسے اس وجہ سے قتل نہ کرنا چاہیے۔ شاہجہاں نے آپ کے مشورے پر عمل کیا، اور خاموش رہا۔ چند دن کے بعد جب ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اس نے بعض صوفیاء مسائل پر ملا بدخشی سے گفتگو کی۔ صاحب بادشاہ نامہ نے اس ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

یکم جمادی الثانی ۱۰۵۰ھ کو ملا شاہ بدخشی جو میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں، اور کشمیر میں گوشہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بادشاہ درویش نواز (شاہجہاں) کی طلب پر تشریف لائے۔ اور اس ملاقات میں بہت سے بلند نکات کے متعلق گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے اُن کو نہایت تملطف و ہربانی سے خوش ہو کر رخصت کیا۔

۱۰۵۰ھ میں داراشکوہ اور اس کی بہن جہاں آرا ملا شاہ محمد بدخشی سے مُرید ہوئے، وہ داراشکوہ سے اس قدر خوش تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے سلسلہ قادریہ کو غیر معمولی ترقی ہوگی۔

یہ بادشاہ نامہ کا مولف شیخ عبد الحمید ہے۔



۱۶۵۸ء میں جب اورنگ زیب صاحب تخت و تاج ہوا تو علماء نے پھر ایک مرتبہ ملا بدخشی کے خلاف آواز بلند کی۔ علماء کے احتجاج پر اورنگ زیب نے ان کو طلب کیا۔ لیکن کشمیر کے گورنر نے لکھا کہ ملا بدخشی خرابی صحت کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں۔ اسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی کے وہ اشعار جو آپ نے اورنگ زیب کی تخت نشینی کی مبارک باد پر لکھے تھے، وہ اورنگ زیب تک پہنچائے گئے جو یہ تھے۔

صحیح دل من چو گل خورشید شگفت کا آمد حق و غیب باطل را رفت  
تاریخ جہاں شاہ حق آگہ را "ظل الحق" الحق این را حق گفت

۱۰۶۹ھ

اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ ملا بدخشی اب کشمیر کے بجائے لاہور میں رہیں۔ اس حکم کے بعد ملا بدخشی نے لاہور میں اقامت اختیار فرمائی۔ لیکن لاہور کی زندگی میں وہ بالکل گوشہ تنہائی اختیار کئے رہے سوائے اپنے چند مخلص مریدوں کے وہ کسی سے نہ ملتے تھے، ابھی آپ کو لاہور میں ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ملا بدخشی بخار میں مبتلا ہوئے اور اسی بیماری میں ۱۵ صفر ۱۰۶۹ھ کو آپ نے لاہور ہی میں وفات پائی اور احاطہ میاں میر میں مدفون ہوئے۔

۱۰۶۹ھ میں میر اور ملا بدخشی کے حالات کی تفصیل رود کوثر مولفہ شیخ اکرام صاحبہ ۱۰۶۹ھ تا ۱۰۷۱ھ اور فط زوش مقالات التعمیر بضمین قادری ص ۵۰ تا ۵۲ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی سے ماخوذ ہے۔ سید حسام الدین صاحب راشدی نے مقالات التعمیر کے فط زوش (بضمین قادری) میں لکھا ہے کہ ملا بدخشی کے سزا و وفات میں اختلاف ہے۔ صاحب تاریخ لاہور سید عبداللطیف نے آپ کا سزا و وفات (۱۰۷۱ھ) اور صاحب مفتاح التواریخ نے بحوالہ امراة جہاں شاہ نقل کیا ہے۔ اور مفتی غلام سرور نے جو آپ کی تاریخ وفات کہی ہے۔ اس سے ۱۰۶۹ھ مستخرج ہوتا ہے۔ فط زوش مقالات التعمیر بضمین قادری ص ۵۰ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔ کراچی)



(۴۲)

# شیخ مغل چاچک

**حالات** | شیخ مغل چاچک سندھ کے ممتاز ترین صوفیاء میں تھے۔ سید عبدالقادر  
حسینی صاحب حدیقتہ الاولیاء نے ان کے محامد و مناقب بیان کرتے  
ہوئے لکھا ہے۔

وے از جملہ اولیائے اہل بیل و عارف کابل بودہ مرخیل قرناضی  
وز ہدان و سردنتر مستعبداں و متجاہدان گشتہ ہموارہ ہمیشہ پاس جواہر  
انفاس نقیصومی داشت۔

میر علی شیر قانع مٹھوئی اپنی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں ان کے متعلق لکھتے ہیں۔  
شیخ مغل چاچک از اجل اولیائے اہل دل در کرامت و  
کشف کابل بودہ۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی ہے۔  
وے صاحب وجود و حالات و منظر کشف و کرامات بود۔

شیخ مغل چاچک کو ابتدا ہی سے عبادت کا بجد ذوق و شوق تھا اور ہمیشہ  
پنے دن اور رات کو ذکر الہی سے منور رکھتے تھے۔ رات کو کثرت عبادت کی وجہ سے

سندھ کی ایک قوم کا نام ہے اور اس نام سے ایک گاؤں بھی تعلقہ بدین میں ہے۔ اس گاؤں کے  
اس نام کی وجہ سے اُس کے آس پاس کے علاقے کو سرکار چاچکاں کہتے ہیں۔

حدیقتہ الاولیاء قلمی ص ۲۴۳ ۲۴۴ ۳ تحفۃ الکرام ص ۲۴۹ ۲۵۰ تحفۃ الطاہرین ص ۳۳۳



مطلقاً نہ سوتے تھے۔

مرزا شاہ حسن ارغون اپنے زمانہ حکومت میں نصر پور کے ایک رئیس کو قید کر دیا۔ اس رئیس کے اعزہ و اقربا شیخ مغل چاچک سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ لیکن اس مصیبت کے موقع پر وہ شیخ برکیہ کا تیار کے پاس رجوع ہو کر خواست گار دیا ہوئے۔ شیخ برکیہ کا تیار نے ان سے کہا کہ وہ ایک گائے لے کر آئیں، یہ لوگ اپنے گاؤں واپس ہوئے اور گائے لے کر چلے۔ ان کے راستے میں قوم ناہیمان کا ایک تالاب پڑتا تھا، جس کے متصل ایک سبزہ زار تھا۔ شیخ مغل چاچک ہمیشہ اس تالاب میں غسل کر کے اس سبزہ زار میں عبادت و اوراد و وظائف میں دن کا بڑا حصہ گزارتے تھے۔ جس وقت یہ لوگ گائے لے کر اس تالاب کے پاس سے گزرے تو اس وقت آپ اس سبزہ زار میں موجود تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو گزرتے ہوئے دیکھا تو اپنے خادم سے فرمایا کہ ان سے پوچھے کہ یہ کس کام کے لئے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

شیخ مغل کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا اور آپ خاموش ہو گئے، جب یہ لوگ گائے لے کر شیخ برکیہ کا تیار کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا افسوس ہے کہ تمہارا گائے کا لانا بالکل بے کار ثابت ہوا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو عمل کیا تھا، شیخ مغل نے اس کو رد کر دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا اپنی گائے کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ اسی روز مرزا شاہ حسن نے اس رئیس کو قتل کر دیا۔

شیخ مغل چاچک نے ٹھٹھہ میں وفات پائی۔

اور آپ کا مزار مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں

**وفات**



زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد شیخ مغل چاچک کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ

موسیٰ مسند آرائے زہد و اتقا ہوئے۔ شیخ موسیٰ اپنی بزرگی و تقویٰ

کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔

شمس المومنین علی بن ابی طالب آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین  
 علیہ السلام کے والدین علی بن ابی طالب و فاطمہ بنت عبدالمطلب  
 علیہ السلام کے والدین علی بن ابی طالب و فاطمہ بنت عبدالمطلب  
 علیہ السلام کے والدین علی بن ابی طالب و فاطمہ بنت عبدالمطلب

یہ کتاب حضرت علی بن ابی طالب کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔  
 اس میں ان کی زندگی، وفات، شہادت اور دیگر امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔  
 اس کتاب کو حضرت علی بن ابی طالب کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب حضرت علی بن ابی طالب کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔  
 اس میں ان کی زندگی، وفات، شہادت اور دیگر امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔  
 اس کتاب کو حضرت علی بن ابی طالب کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل حدیقتہ الاولیاء، قلمی ص ۲۲۲-۲۲۵-۲۲۶ و تحفۃ الکرام ص ۲۲۹

و تحفۃ الطاہرین ص ۳۲-۳۵ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ حدیقتہ الاولیاء، قلمی ص ۲۲۶-۲۲۷



# میر محمد یوسف رضوی

**خاندان** اسم گرامی محمد یوسف رضوی تھا۔ آپ کے والد میر محمد جادم تھے جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کے آباء و اجداد بھکر کے سادات رضوی سے تھے۔ یہ خاندان شرافت، جلالت میں حنا ص ا ق ی ا ز رکھتا تھا۔

**بیعت** صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ میر محمد یوسف رضوی نے جناب سید شاہ مبارک سے فیض تربیت روحانی حاصل کیا تھا۔ جو شیخ دانیال کے خاص مریدوں میں تھے، اور شیخ دانیال سید محمد جو پوری کے خلفا اور مریدوں میں تھے۔

۱۰ بھکر سندھ کا ایک قدیم شہر ہے جو سندھ کی رائے حکومت کے بعد اس وقت آباد ہوا جب اورد شہر ویران ہوا، ملو کی کچھ آبادی اس جگہ آکر آباد ہوئی، پھر اسی آبادی کو بھکر کہنے لگے۔ بھکر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد مکتشی صبح کے وقت اس آبادی میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا۔ جعل اللہ بسکرتی فی بقعة المبارک (اللہ میری صبح مبارک جگہ پر کرے) بکرہ عربی میں صبح کو کہتے ہیں۔ اسی وقت سے یہ شہر بکر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ نام بھکر ہو گیا بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سید محمد مکتشی اس مقام میں داخل ہوئے تو ان کے خادموں نے ان سے پوچھا کہ کہاں سا ان رکھا جائے، فرمایا کہ جہاں تم صبح کے وقت بقر (گائے) کی آواز سنو، اس وقت سے اس کا نام بقر پھر رفتہ رفتہ بھکر ہو گیا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۲)

۱۰ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۰۳ و ۱۰۴

۱۱ سید محمد نام تھا، لیکن آپ مشہور بہدی موعود کے لقب سے ہونے بسند



مٹھ میں تشریف آوری | جب انوار الہی سے دل روشن ہو گیا۔ تو آپ نے بھکر کی سکونت ترک کر کے مٹھ کو اپنا مسکن بنایا، اور

عبادت و ریاضت کے لئے مکلی میں اُس جگہ کا انتخاب کیا جہاں سید محمد ہدی میراں

(بقیہ نٹ نوٹس) یہ ہے۔ سید محمد بن سید عبد اللہ بن عثمان بن موسیٰ بن قاسم بن خبم الدین بن عبد اللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسمعیل بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن باقر علی بن زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

آپ کی ولادت ۱۲ جمادی الاول بروز دو شنبہ ۱۳۱۳ھ کو شہر جون پور میں ہوئی، جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ نے شیخ دانیال جونپوری سے تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ کی غیر معمولی جودت و وکالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ۹۵۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی علوم ظاہریہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے غیر معمولی تبحر علمی کو دیکھ کر اس دور کے اکابر علمائے آپ کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا تھا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ تصوف کی طرف مائل ہوئے، تقریباً سات سال تک آپ پرستغراق کی کیفیت طاری رہی۔ اس کے علاوہ پانچ سال تک آپ پر محو اور سکر دہے ہوشی کی کیفیت طاری رہی۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ اس کے بعد تقریباً گیارہ سال آپ جون پور ہی میں زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہے۔

۸۸۶ھ میں آپ نے جون پور سے ہجرت کر کے (عظیم آباد پٹنہ) کے جنگلوں میں کچھ دن قیام فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ یہاں سے آپ چند ہی تشریف لے گئے، وہاں سے مالوہ کے پایہ تخت مانڈو میں آئے۔ یہاں کا بادشاہ غیاث الدین خلجی (متوفی ۹۰۵ھ) آپ کا معتقد ہو گیا۔ یہاں آپ کے مواظپ، پاکیزہ اخلاق اور سنت نبوی کے اتباع کی وجہ سے ہزاروں انسانوں نے ہدایت حاصل کی۔

۸۸۷ھ میں آپ جانپانیر (گجرات) تشریف لائے اور تقریباً ڈیڑھ برس تک جانپانیر میں لوگوں کو ہدایت فرماتے رہے

۸۹۰ھ میں آپ گجرات سے برہانپور آئے، پھر بیدار گئے۔ بیدار سے گلبرگ تشریف لے گئے



جو پوری اقامت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے وقت کا زیادہ حصہ اسی جگہ یا دہانوں میں گزرتا تھا۔ اور اس درجہ صاحب تجلیات و منظر کرامات تھے کہ ہر شخص آپ کی بزرگی اور ولایت کا معترف تھا۔

(بقیہ فٹ نوٹس) آپ جہاں بھی پہنچتے تھے ہر جگہ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے اور آپ کے مریدوں اور معتقدوں کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔

۱۰۵ھ میں آپ نے بمقام برلی علی الاعلان مہدویت کا دعویٰ کیا۔ علماء اور عوام میں آپ کے خلاف شورش پیدا ہوئی۔ برلی سے آپ قصبہ تھراؤ، جالور اور ناگور ہوتے ہوئے ۱۰۶ھ میں براہ جیسلمیر نسر پور (سندھ) پہنچے۔ وہاں سے ٹھٹھہ تشریف لائے۔ ٹھٹھہ سے آپ نور شاہ صاحب کے ساتھ خراسان روانہ ہوئے۔ پہلے آپ قندھار پہنچے۔ اُس وقت قندھار کا حاکم شاہ بیگ ارغون تھا جو بعد میں سندھ کا فرمانروا ہوا۔ وہ آپ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا پھر ۱۱۰ھ میں اول سنہ ۱۱۰ھ قندھار سے آپ فرج پہنچے۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۱۰ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء کو دو شنبہ کے روز آپ نے ترسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے میراں سید محمود نے جنازے کی نماز پڑھائی اور موضع سج اور فرج کے درمیان مدفون ہوئے۔

ٹھٹھہ کے دوران قیام میں شہر اور اطراف کے متعدد مقتدر اصحاب آپ کے مرید ہوئے۔ شیخ صدر الدین، خان دریا خان، علامہ قاضی قاضی، شیخ جھنڈہ پاتنی بیعت ہوئے۔ ٹھٹھہ کے مشہور رضوی سادات خاندان کے جد اعلیٰ سید محمد یوسف بھکری، سید مبارک شاہ شیخ دانیال کے مرید ہو کر سید محمد جو پوری کے سلسلے میں داخل ہوئے۔

صوفی شاہ عنایت کا قصبہ جھوک میراں محمد جو پوری اس کے نام پر ہی میراں پور سے موسوم ہوا اس لئے کہ سید صاحب نے کچھ دن اس قصبہ میں قیام فرمایا تھا (ماخوذ از فٹ نوٹ سندھی تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم ودانی بحوالہ تذکرہ محمد بن طاہر بیٹنی مرتبہ ابو ظفر ندوی) سندھ کے فرمانروایان خاندان کھوڑا کا شجرہ طریقت بھی سید میراں محمد جو پوری سے ملتا ہے کھوڑا خاندان کے دوسرے فرمانروا میاں نور محمد نے اپنے وصیت نامے موسومہ شہر الوصیت



حقائق و معارف آگاہ سید عبد الکریم متوطن  
 بلڑی نے آپ کی بزرگی و ولایت کا اعتراف کرتے

## بزرگوں کا اعتراف

ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب باطن درویش بلڑی تشریف لائے  
 اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ میں ہر روز صبح کی نماز کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا  
 تھا۔ ایک دن انہوں نے مٹھہ کے اولیاء اللہ کے متعلق جو اس وقت موجود تھے۔

مجھ سے پوچھا، میں نے ہر ایک کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ جانتا تھا ان کو بتلایا۔ وہ  
 خاموشی سے سب کے حالات سنتے رہے، جب میں کہہ چکا تو انہوں نے فرمایا کہ اس  
 وقت تک تم نے جن بزرگوں کے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں مجھے ان میں سب سے

بڑھ کر ولایت و مدارج میں سید محمد یوسف نظر آتے ہیں۔ دوسرے دن حسب معمول میں  
 جب صبح کی نماز کے بعد ان کی خدمت میں گیا تو وہ درویش موجود نہ تھے، مجھے  
 خیال ہوا کہ وہ غالباً مٹھہ حضرت سید محمد یوسف کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ میں

بھی مٹھہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سید محمد یوسف کی خدمت میں نہایت ادب سے  
 جوتوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھ گیا تھوڑی  
 دیر کے بعد سید محمد یوسف نے اپنے جوتے تبرکاً درویش کو دیئے۔ درویش نے نہایت

خوش ہو کر اس عطیہ کو قبول کیا اور آپ سے رخصت کی اجازت چاہی اور مجھ سے  
 فرمایا کہ ان جوتوں سے میرے لئے ایک ٹوپی بنوادو۔ میں نے فوراً ہی اس کے ارشاد  
 کی تعمیل کی۔ اور ان کے لئے ایک ٹوپی تیار کرائی۔ انہوں نے اس کو سر پر رکھ لیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۶)  
 میں نادر شاہ کی لوث مار کی شکایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سفاکٹ پاک  
 کے ہاتھوں سے ہمارا کتب خانہ بھی محفوظ نہ رہا۔ وہ ہمارا شجرہ بھی لے گیا۔ ہم خاندان سہروردی  
 میں بیعت ہیں اور ہمالا سلسلہ سید میراں محمد جو پوری تک پہنچا ہے۔

(ماخوذ از منشور الوصیت قلمی مملوکہ سید حسام الدین راسخدی)



اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے یہ

**شاعری** | سید محمد یوسف شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن عشق حقیقی اُن کا سرِ پایہ حیات تھا اور یہی جذبہ کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ صاحبِ تکرار مقالات الشعراء ابراہیم خلیل ٹھٹھوی نے اُن کی ایک رباعی نقل کرتے ہوئے اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔

والحمد للہ کہ بفقیر یک رباعی آبخواب مسرت بخش شدہ۔ بحرِ  
آں چہار گوہر گوش شایقان رازینت بخشم۔ منہ۔۔

بر کہ تو جب بدر حق کند تو سن افلاک شود رام او  
گر بجاں جملہ شود دشمنش کج نکند موئے از اندام او

**ازدواج و اولاد** | آپ نے عباسی قاضیوں میں ایک شادی کی تھی، جن سے اولاد بھی ہوئی۔ اُن میں ایک صاحبزادی بھی تھیں۔ جب یہ جوان ہوئیں تو حضرت سید محمد یوسف نے اپنے بھتیجے سید اسحاق ولد میر کمال الدین کو بھکر سے بلا کر اُن کی شادی کر دی۔ سید اسحاق سے اُن کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام سید ابراہیم تھا۔

**تربیت** | ایک دفعہ سید ابراہیم نے بچپن میں اپنے نانا حضرت سید محمد یوسف کے حجرے کے دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ اُنھوں نے کہا سید ابراہیم فرمایا، بابا اگر تم فقیر یا صرف ابراہیم کہہ دیتے تو اس سے تمہاری شان میں کچھ کمی نہ ہوتی اور اب جو تم نے سید ابراہیم کہا ہے اس سے تمہارے مرتبے میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔

**مدفن** | مزار مبارک مکلی میں ہے اور زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

تحفة الطاہرین ص ۵۸ و تحفة الکرام جلد ۳ ص ۱۰۲ | تذکرہ مقالات الشعراء قلمی باب الاویار بشمن یوسف ص ۲۱۵ | تذکرہ سید  
حام الدین صاحب شری ص ۳۳ | تحفة الکرام جلد ۳ ص ۱۰۲ | تحفة الکرام جلد ۳ ص ۱۰۲ | تحفة الطاہرین۔



(۴۴)

## مخدوم محمد معین ٹھٹھوی

نام و نسب و وطن | آپ کا اسم گرامی محمد معین، آپ کے والد محترم کا نام محمد امین اور آپ کے دادا کا نام شیخ طالب اللہ تھا۔ آپ کی والدہ

محترمہ فاضل خاں میرمنشی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا تعلق قوم لاکھادل سے تھا۔ جو سندھ کی ایک مشہور قوم ہے، مخدوم محمد معین کے آبا و اجداد سندھ کے ایک موضع "فالی" کے رہنے والے تھے، لیکن آپ کے والد کسی وجہ سے ترک وطن کر کے ٹھٹھہ میں آباد ہوئے۔ یہیں فاضل خاں میرمنشی نے اس عقیدت کی بنا پر جو اس کو مخدوم محمد معین کے دادا سے تھی، اپنی صاحبزادی کا عقد مخدوم محمد امین سے کیا۔ ٹھٹھہ ہی میں مخدوم محمد معین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم | ٹھٹھہ اس زمانے میں علوم و فنون کا گہوارہ اور جلیل القدر علماء کا مرکز تھا۔ مخدوم محمد معین نے ابتداً اپنے والد ماجد محمد امین سے تعلیم و تربیت حاصل کی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے، پھر آپ کے مشہور

اے فاضل خاں میرمنشی کا نام ملا عثمان تھا، ٹھٹھہ کے ملاؤں کے خاندان سے تھا۔ ٹھٹھہ ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کر کے دہلی پہنچا اور عالمگیر کے دربار میں ابتداً داروغگی محلات کے عہد پر فائز ہوا۔ اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے ترقی کرتے کرتے میرمنشی کے عہدے تک ترقی کی، اور فاضل خاں کے خطاب سے سرائے نواز ہو کر صدر الصدور ہو گیا۔ شاعر بھی تھا۔ اس کے بعض اشعار صاحب مقالات الشعراء نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ فاضل خاں نے ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی (مقالات الشعراء باب الفاضل خاں ص ۲۸۱ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ)



اساتذہ میں شاہ عنایت اللہ تھے۔ جن سے آپ نے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم آپ نے علی رضا درویش سے اس وقت پڑھی جب وہ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حدیث کی تعلیم آپ نے ٹھٹھہ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سے حاصل کی۔ مخدوم محمد معین نے اپنی تصنیف دراسات البلیب میں اپنے اساتذہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالقادر

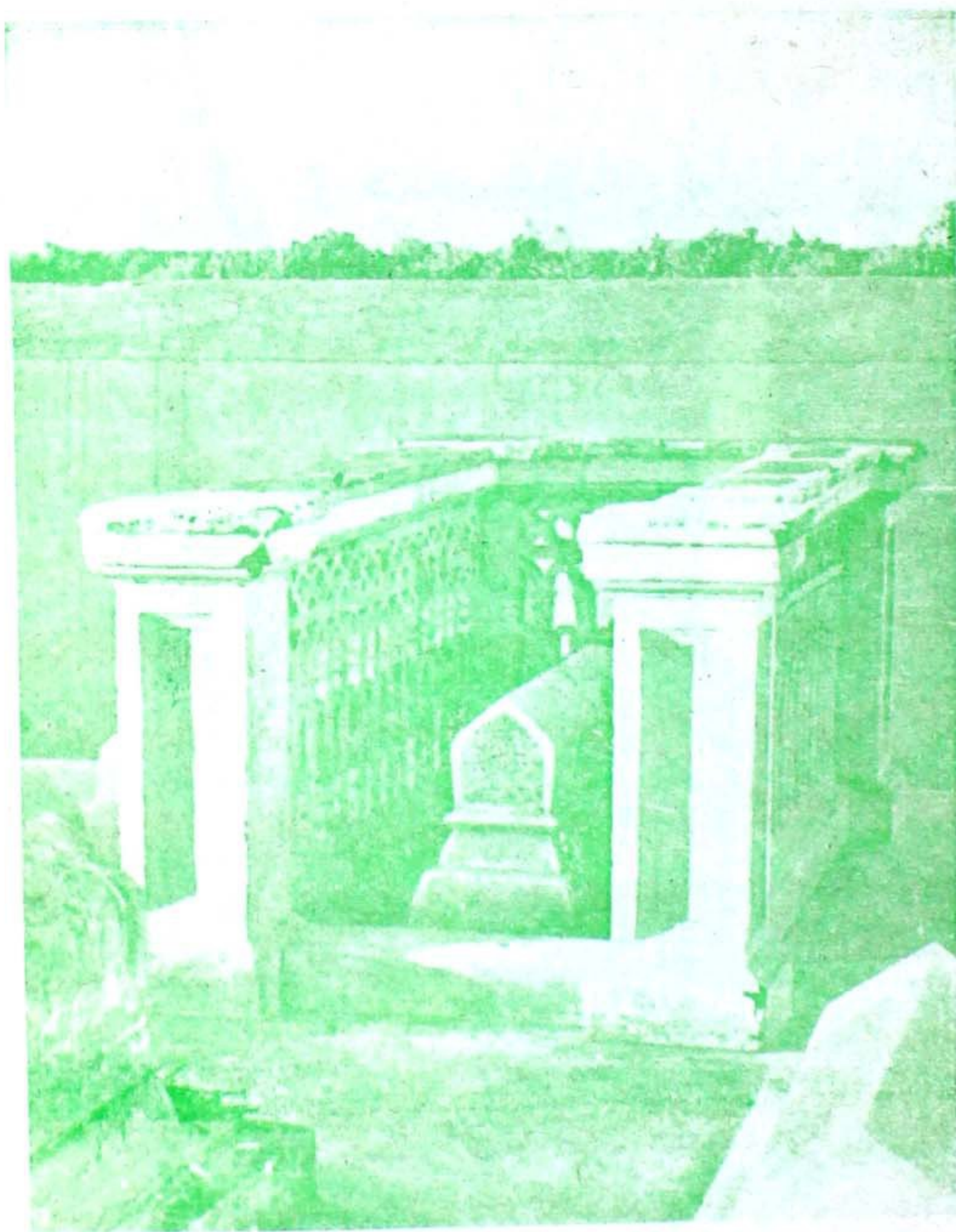
شاہ عنایت اللہ، علامہ احمد کتابی کے شاگرد تھے، جو بہت بڑے عالم تھے۔ جن کے شاگردوں میں علامہ ضیاء الدین ٹھٹھوی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بھی ہیں۔ (فٹ نوٹ مقدمہ دراسات البلیب مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی ص ۱۰۰۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔)

شاہ علی رضا درویش حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے اولاد سے تھے، یہ چند مرتبہ ٹھٹھہ تشریف لائے، صاحب حال بزرگ تھے، ان کی ساری عمر سیر و سیاحت میں گزری سفر اس صورت سے کرتے تھے کہ گھوڑے پر سوار رہتے، سامنے جھنڈا رہتا، اور ایک اونٹ کتابوں سے لدا ہوا ساتھ رہتا۔ آخر عمر میں بھوکہ کے قرب و جوار میں مقیم ہو گئے تھے۔ میاں تھوڑے کھڑے والی سندھ نے ان کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، شاعر بھی تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۲۵)

کے بھائی مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بن عبدالغفور بن عبدالرحمن بن عبداللطیف بن عبدالرحمن ابن خیر الدین سندھی پورانی۔ آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۱۱۱۰ھ میں ہوئی۔ مخدوم ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ ساری عمر تبلیغ دین، احیائے سنت اور ترویج شریعت کی تلقین کرتے رہے۔ چونکہ آپ کی زبان میں تاثیر اور قلم میں طاقت تھی۔ آپ کی تبلیغ سے بہت سے ذمی مسلمان ہوئے، مخدوم محمد ہاشم نے اس وقت کے سلاطین نادر شاہ اور احمد شاہ کو پر زور خطوط لکھے، جن میں انھیں ترویج شریعت اور تقویت دین کی طرف توجہ دلائی۔ جس کی وجہ سے دین کو بڑی تقویت پہنچی۔ اور آپ کی اساتذہ کے مطابق امور دینی انجام پائے، مخدوم ہاشم کی مختلف علوم پر متعدد تصانیف ہیں۔ جنہوں نے آپ کے نام کو عربی عجم میں روشن کر دیا۔ مخدوم محمد ہاشم کے ذمے سے مخدوم غلام محمد کا بیان ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد (۱۵۰) ہے جن کے نام تلمذ مقالات الشعراء کے فٹ نوٹس میں ص ۵۹ پر دیئے گئے۔ مخدوم

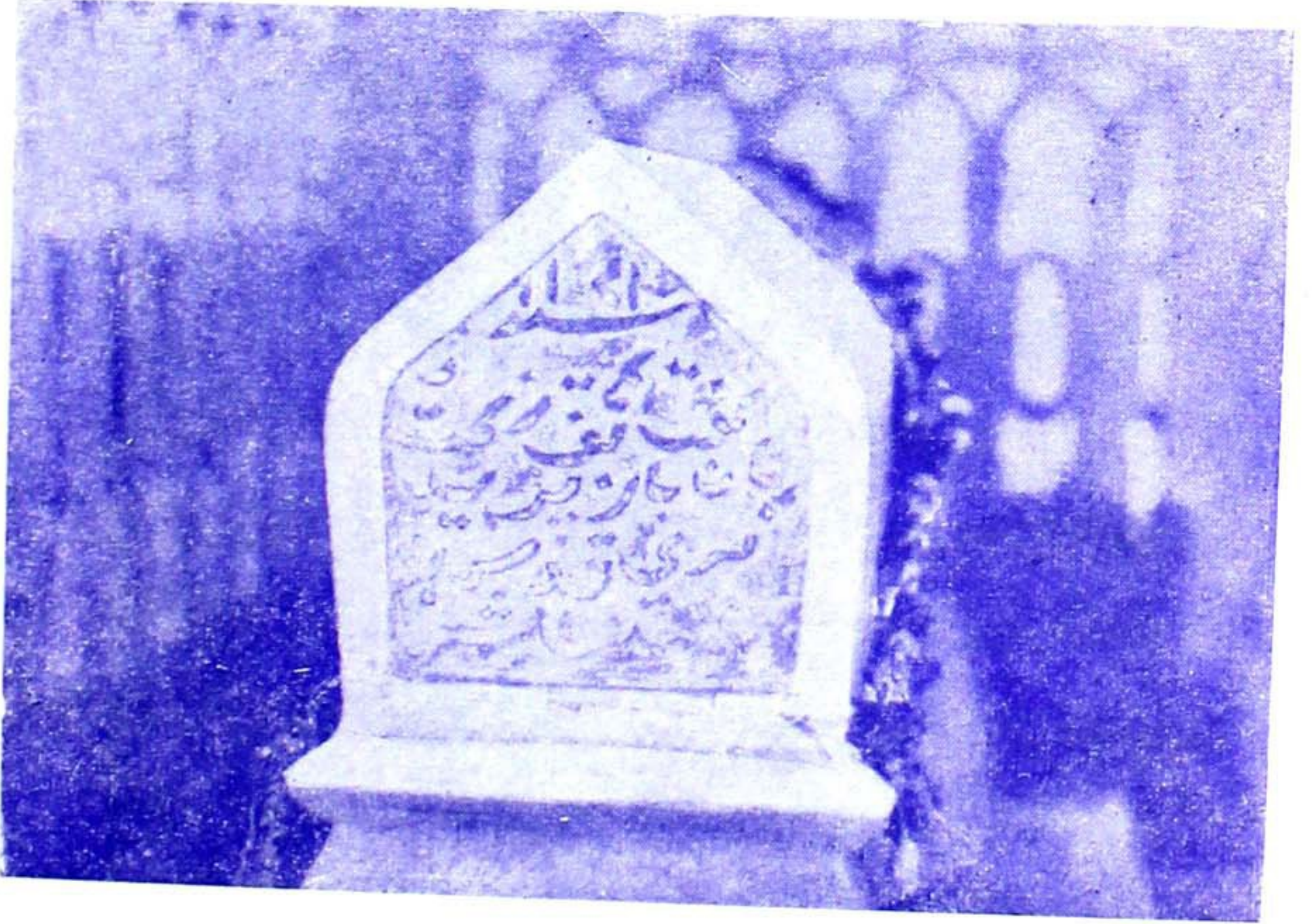


وہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے  
جو بہت مرد حق آگہ کی بارگاہ میں ہے



آخری دور کے مشہور عالم مخلدوہ محمد عاشق کا مزار جنہوں نے  
اپنی تصانیف سے سندھ کے نام کو عرب و عجم میں روشن کر دیا  
( بشکرید سندھی ادبی بورڈ )  
( متعلق فٹ نوٹ نمبر ۳ صفحہ ۲۰۰ )





کتبہ سزار

علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)



عبدالقی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ جن سے مخدوم محمد معین استفادہ کیا کرتے تھے۔ ان میں شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی بھی مشہور ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹس) محمد ہاشم نے ہر جب سالہ کو وفات پائی اور مکلی میں مدفون ہوئے۔  
تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۳ فٹ نوٹس و مقالات اشعار ص ۸۴۱ و فٹ نوٹس تکملہ مقالات اشعار  
مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۵۲) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ولادت ۱۱۱۲ھ  
میں ہوئی۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے اساتذہ حدیث  
میں شیخ ابو ظاہر کوردی مشہور ہیں۔

۱۰ شیخ جلال محمد کراچی کے رہنے والے اور اپنے وقت کے یگانہ روزگار عالم تھے، نجوم اور  
طب اور تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، ہمیشہ گوشہ تنہائی میں بسر کرتے، اور امرائے دروازہ  
پر جانا پسند نہ فرماتے تھے۔ مخدوم محمد معین ان کے علم کا لہا مانتے تھے، اور ان کو علم و فضل کے  
اعتبار سے بہت سے علماء پر ترجیح دیتے تھے۔ (مقدمہ دراسات البلیب ص ۱۶ بحوالہ تحفہ الکرام  
جلد ۳ ص ۱۶۲)

۱۱ میر سعد اللہ بن سید غلام محمد سلونی ۱۰۹۹ھ میں قصبہ سلون کلکٹری الہ آباد میں پیدا ہوئے اور  
وہیں نشوونما پائی۔ میر سعد اللہ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضا سے جا ملتا ہے۔ ان کے  
بھانجے شیخ پیر محمد سلونی اولیائے کبار میں سے تھے۔ میر سعد اللہ کو بچپن ہی سے طلب علم کا ذوق  
تھا اور بہت ہی کم عمری میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے تبحر علمی کا یہ عالم  
تھا کہ منطق، فلسفہ، نیرنجات، سیمیا، ہیما اور کیمیا وغیرہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ انجیل اور  
توریت سے آپ اس درجہ واقف تھے کہ اس دور کے پادری آپ سے درس لیتے تھے، عالمگیر  
جیسا صاحب علم و فضل بادشاہ اپنے خطوط میں آپ کو ہمیشہ "سیدی وسیدی" کے القاب سے  
مخاطب فرماتا تھا۔ صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی تصانیف میں (۱) حاشیہ بر حکمت (۲) رسالہ  
کشف الحق (۳) رسالہ چہل بیت مشنوی (۴) رسالہ ثبوت مذہب شیعہ (۵) رسالہ تحفہ الرسول (۶)  
حاشیہ بمین الوصول (فقہ) (۷) آداب البحت (منطق) اور (۸) حاشیہ بر حاشیہ قدیم و جدید وغیرہ ہیں  
علوم باطنی میں آپ کے شیخ مولانا عبدالشکور تھے۔ جن سے آپ نے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا  
آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے۔



**بیعت** | مخدوم محمد معین نے علوم ظاہری میں کابل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد سندھ کے سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی جو شیخ سیف الدین سرہندی کے خلفاء میں تھے۔ شیخ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد شیخ محمد معصوم نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی۔ اور وہ اپنے

(بقیہ فٹ نوٹس) ص ۲۲۱

سید سعد اللہ سورتی۔ مولینا عبدالشکور۔ شاہ مسعود اسفراہنی۔ سید علی۔ سید جعفر۔ سید ابراہیم۔ سید عبداللہ۔ سید عبدالرزاق۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر حیلانی قدس سرہ میر سعد اللہ پورب سے حرمین شریفین زیارت و حج کے لئے حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے واپسی پر سورت میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی لئے آپ سورتی کہلاتے ہیں۔ ۱۱۳۸ھ میں آپ نے سورت ہی میں وفات پائی۔ اور اپنے مکان کے متصل مغلی سرائیں مدون ہوئے۔ سید سعد اللہ نے اپنی وفات کے بعد تین صاحبزادے چھوڑے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) عبدالعلی متخلص بہ عزت (۲) سید عبداللہ (۳) سید عبدالوالی۔

تکملہ مقالات الشعراء میں ہے کہ جب مخدوم ہاشم ٹھٹھوی نے مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے تلقین کے لئے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے تلقین حاصل کرنے والوں کی صورتیں میرے سامنے پیش کی گئیں ان میں تم نہیں ہو۔ یہ جواب سن کر مخدوم محمد ہاشم نے عرض کیا تو مجھے وہ جگہ بتائیے جہاں میرا شیخ ہے؟ آپ نے فرمایا تم سید سعد اللہ سورتی کی خدمت میں حاضر ہو، جو علامہ عصر، صاحب ارشاد اور سلسلہ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ ہیں۔ آپ کے ارشاد پر مخدوم محمد ہاشم، سید سعد اللہ سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

(مقدمہ دراسات البلیب فٹ نوٹ نمبر ۱ ص ۱۶ بحوالہ ماثر الکرام و تکملہ مقالات الشعراء)

دفٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۱۲۲ بحوالہ گلہ تہ صلیانے سورت

ص ۲۳ و مرو آزاد ص ۲۳۶ و ماثر الکرام ص ۲۱۴ و تحفۃ الکرام جلد ۲ - ص ۲۳-۲۴



والد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ مخدوم محمد معین ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم باطنی میں استفادہ کرتے رہے، ان کی اپنے شیوخ سے محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدت العمر اپنے آپ کو ان بزرگوں کا مرید کہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان کے دروازے کا کُتا ہوں۔

**صوفی شاہ عنایت سے عقیدت** | آخر میں مخدوم محمد معین وحدت الوجود کے نظریہ سے متاثر ہو کر صوفی شاہ عنایت

سے متعلق ہو گئے۔ آپ کے شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ کچھ دن کے بعد مخدوم محمد معین جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو شیخ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس معافی کے چند دن بعد ہی مخدوم ابوالقاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

**شاہ عبداللطیف بھٹائی سے عقیدت** | مخدوم ابوالقاسم کی وفات کے بعد وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے

زمرہ عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ وہ شاہ عبداللطیف سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے، اور شاہ بھی ان کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ اکثر مخدوم محمد معین کی ملاقات کے لئے ٹھٹھہ تشریف لاتے۔ آپ کی تشریف آوری، قتل اور سماع کی مجلس منعقد ہوتی۔ مخدوم محمد معین سے حضرت شاہ عبداللطیف کے تعلق خاطر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ مخدوم محمد معین کی وفات کے

۱۰ مقدمہ دراسات البلیب مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی (ص ۱۱) (بحوالہ طومار سلاسل مرتبہ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی۔

۱۱ مقدمہ دراسات البلیب ص ۱۳



وقت ٹھٹھ ہی میں موجود تھے۔

**مدرسہ** مخدوم محمد معین کی ذات علوم و فنون کا سرپرست تھی، ٹھٹھ میں آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا۔ جس میں آپ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے اور طالب علموں کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے۔ اس مدرسے کی بدولت سندھ میں علم و فضل کو کافی ترقی ہوئی۔ یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طلبا ملک میں پھیلے، انہوں نے جا بجا درس گاہیں قائم کر کے علم کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مخدوم محمد معین کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزالت، مولوی محمد صادق، علامہ محدث محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی، شرف الدین علی اور میر تقی سیوستانی مشہور ہیں۔

۱۔ مقدمہ دراسات البلیب ص ۲۱ بحوالہ مقالات الشعراء

۲۔ مقالات الشعراء ص ۱۱۱

۳۔ میر نجم الدین بن میر محمد رفیع رضوی بھکری، میر محمد یوسف رضوی کی اولاد میں تھے۔ مخدوم محمد معین کے ہمیشہ زادے اور خاص تلامذہ میں تھے۔ مخدوم محمد معین کی حیات ہی میں اپنے غیر معمولی تبحر علمی کی وجہ سے صاحب درس و فتویٰ ہوئے۔ میر نجم الدین کے شاگردوں میں میاں احمد طالب علم اور میاں محمد باقر واعظ نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ میر نجم الدین نے متعدد تصانیف چھوڑیں۔ ان میں ان کا عربی کا وہ رسالہ جو انہوں نے یک روزی منطق کے طرز پر ایک دن میں عربی میں لکھا تھا، مشہور ہے۔ فارسی میں ان کی تصنیف طوطی نامہ کو جس کی عبارت بخشی سے زیادہ شیریں ہے، غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ شاعری میں عزالت تخلص کرتے تھے۔ ان کا دیوان قریب ہی میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو رہا ہے۔ میر نجم الدین عزالت نے سن ۱۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ (مقالات الشعراء ص ۳۲۷ بضمن عزالت)

۴۔ مولوی محمد صادق ولد مخدوم عنایت اللہ مخدوم محمد معین کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم عقلیہ میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے۔ لیکن ساری عمر گوستہ گنامی میں بسر کی اور شہرت کی دولت سے مالا مال نہ ہو سکے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کے استاد میاں نعمت اللہ علوم عقلیہ میں ان ہی کے شاگرد تھے۔ شیخ شکر اللہ ناظم بلدہ (ٹھٹھ) اور میرک محمد اسحاق شیخ الاسلام مولوی محمد صادق کی نہایت تعظیم و توقیر کرتے اور ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۳۶)



مخدوم محمد معین نہایت ہر و عزیز بزرگ تھے۔ ان کی

خدمت میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہل  
دول کا اکثر جھگڑا رہتا، اور وہ آپ کے آتے کی حاضری کو اپنے لئے باعثِ فخر و  
مباہات سمجھتے تھے۔ مٹھہ کا گورنر نواب ہبابت خاں جو اکثر آپ کی خدمت میں عقیدتاً  
حاضر ہوتا تھا، اسی کی استدعا پر آپ نے ایک کتاب ”حل اصطلاحات صوفیہ“

رقیہ فٹ نوٹس (ص ۲۲۲)

۱۷ علامہ محدث محمد حیات بن ابراہیم سندھی کی ولادت سندھ کے کسی قریہ میں ہوئی۔ تحصیل علم  
کے لئے مٹھہ تشریف لائے اور مخدوم محمد معین سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ہجرت کر کے حرمین شریفین  
تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں توطن اختیار کیا۔ ابتداءً شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی سندھی  
کی خدمت میں رہے اور وہاں کے شیوخ حدیث شیخ عبداللہ بن سالم البصری، شیخ محمد ابو طاہر بن  
ابراہیم کورانی اور ابوالاسرار حسن بن علی العجمی اور دوسرے اکابر سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔  
درس کے علاوہ تنہائی کو پسند فرماتے تھے اور ہمیشہ نماز باجماعت مسجد نبوی میں صبحِ اول میں ادا  
فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح ترغیب و ترہیب، مختصر الزواجر، شرح الحکم العطایہ  
و حکم الحدادیہ اور شرح اربعین نو و مشہور ہیں۔

علامہ محدث محمد حیات سندھی نے ۱۶ صفر ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں  
مدفون ہوئے۔ (دراسات البلیب۔ مقدمہ مولانا نعمانی ص ۵۳۔ بحوالہ سلک الدر)

۱۸ محمد جعفر شیرازی بطور سیاحت مٹھہ آئے۔ اور کچھ دن مخدوم محمد معین کے پاس قیام کیا۔ اور  
آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے، مخدوم محمد معین ہی کی سفارش پر یہ شیخ شکر اللہ ناظم مٹھہ کے  
ذریعہ سے محمد خداداد خاں بن میاں نور محمد کلہوڑا والی سندھ کے صاحبزادے کے دربار میں باریاب  
ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک اس کے مصاحبین میں شامل رہے۔ جب صاحبزادہ محمد خداداد خان  
باپ سے آزرہ ہو کر ہندوستان چلا گیا اور اس کا بھائی محمد مراد یاب خان ایران سے اپنے وطن سندھ  
لوٹا تو اس زمانے میں یہ شیخ شکر اللہ کے قتل کی تہمت میں میاں نور محمد کلہوڑا والی سندھ کے عتاب  
میں آئے۔ یہاں تک کہ اسی غم میں تقریباً بیانی کھو بیٹھے۔ کچھ دن کے علاج معالجے سے آنکھیں بھی چھپی  
ہو گئیں اور میاں نور محمد نے ان کو معاف کر کے عزت کے ساتھ اپنے دربار میں رکھ لیا۔ اس کے



کے نام سے لکھی تھی۔ اسی طرح جب نواب سیف اللہ خاں ٹھٹھہ کا گورنر ہوا وہ بھی آپ سے عقیدت اور ربط رکھتا تھا۔

**تصانیف** | مخدوم محمد معین نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا اور وہ اپنی تصانیف کی وجہ سے بھی منبع فیوض و برکات بنے۔ ان کی تصانیف سے ان کے غیر معمولی تبحر، علم و فضل اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دراسات البلیب کے مقدمے میں ان کی حسب ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) رسالہ اویسیہ۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے جو مخدوم محمد معین نے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوال پر جو آپ نے ان سے اویسی سلسلہ کی تحقیق کے بارے میں کیا

(بقیہ نمٹ نوٹس) بعد یہ اس کے لئے "جفر جامع" کی تالیف میں مشغول ہو گئے۔ قلمت نے ایک اور کرڈٹ لی۔ میاں نور محمد کا انتقال ہو گیا اور محمد مراد یاب خاں اس کی جگہ والی سندھ مقرر ہوا۔ اس نے اپنے باپ سے زیادہ ان کی قدر و منزلت کی لیکن کچھ دن نہ گزرے تھے کہ ان کو اس کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مجبوراً عقبات عالیات کی زیارت کے لئے رخصت لے کر روانہ ہوئے اور شاہراہ میں راستے میں قتل کر دیئے گئے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۴۸-۴۹)

شہ شرف الدین علی نواب مہابت خاں گورنر ٹھٹھہ کے مصاحبوں میں تھے۔ خدمتِ احتساب پر فائز تھے۔ انھوں نے بھی مخدوم محمد معین سے علمی استفادہ کیا تھا۔ مخدوم محمد معین کی تصنیف شرح "رموز صوفیاء" پر ان کا مقدمہ بھی ہے۔ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کے پختہ گو شاعر تھے اور عارفِ تخلص کرتے تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۳۸۲)

شہ میر تقی سیوستان کے ایک نجیب الطرفین سادات کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ٹھٹھہ میں آکر مخدوم محمد معین سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ پھر سیوستان کے عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ان کے دوستانہ مراسم بھی تھے اور یہ شاعری میں ان سے اصلاح بھی لیتے



تھا لکھا ہے۔

- (۱۲) شرح رموز عقائد رموز صوفیہ۔ یہ رسالہ آپ نے نواب مہابت خان کی ابتدا پر لکھا۔ جس پر آپ کے شاگرد رشید شرف الدین علی کا مقدمہ ہے۔
- (۱۳) اثبات رفع الیدین فی الصلوٰۃ کے سلسلہ میں آپ نے دو رسالے مرتب فرمائے تھے۔ ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں۔

(۱۴) ایقاظ الوسان

(۱۵) غایۃ الفسح لمسئلة النسخ

(۱۶) رسالہ فی تحقیق اهل البيت

(۱۷) غایۃ الايضاح فی المحاکمة بین النووی وابن الصلاح

(۱۸) ابراز الضمیر للمنصف الخبیر

(۱۹) انوار الوجد من صغیر المجد

(۲۰) رسالہ در بحث تناسخ

(۲۱) رسالہ فی انتقاد الموضوعین من "فتح القدير"

(۲۲) رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث (لانورث ما ترکنا صدقة)

(۲۳) مواہب سید البشر فی حدیث الائمة الاثنی عشر

(۲۴) قرۃ العین فی البکار علی الامام الحسین

(۲۵) رسالہ فی بحث حدیث المصراة

(۲۶) الحجۃ الجلی فی نقض المحکم بالافضلیہ

(۲۷) رسالہ بالاجوبۃ الفاضلہ للامثلة العشرة الكاملة

(۲۸) رسالہ فی اثبات اسلام ارجی طالب

(بقیہ فٹ نوٹس) تھے۔ قانع تخلص کرتے تھے۔ یہ بیضا میں ان کے بعض اشارے ہیں (مقالات الشعراء ص ۵۳)



(۱۹) دراسات اللیب فی الاسوق الحننۃ بالحبیب (یہ آپ کی سب سے

آخری تصنیف ہے جس کو مولانا عبدالرشید نعمانی نے ایڈٹ کیا ہے، اور سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی بعض کتابیں اور بھی ہیں۔

کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے۔ فارسی میں آپ کا تخلص تسلیم اور ہندی میں  
**شاعری** بیراگی تھا۔ ہم تبرکاً آپ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں جو مشافاتی نغلی

علوئے تخیل اور محاسنِ شعری کے آئینہ دار ہیں۔

علی ولی چو ایامِ مبین ماسدہ بود

ہرون تو سن افلاک زین ماسدہ بود

کہ گفت بادت و نے درس ایما امرؤ

کہ شکل سجدہ بہر سو جبین ماسدہ بود

بہ بزمِ میکدہ رازِ ازل عیاں دیدم

کہ چشمِ ساقی ما دور بین ماسدہ بود

جہانِ ہوش بخود بردہ آل پر زیادے

سحر کہ یک دکے ہم نشین ماسدہ بود

بزدور بازوئے مستی چو ہستیم بشکت

کہ شہدات ککے در کمین ماسدہ بود

بشہر عشق ز فتویٰ بربط و طنبور

سجود کوئے خرابات دین ماسدہ بود

برائے نقشِ خوش دین جعفری تسلیم

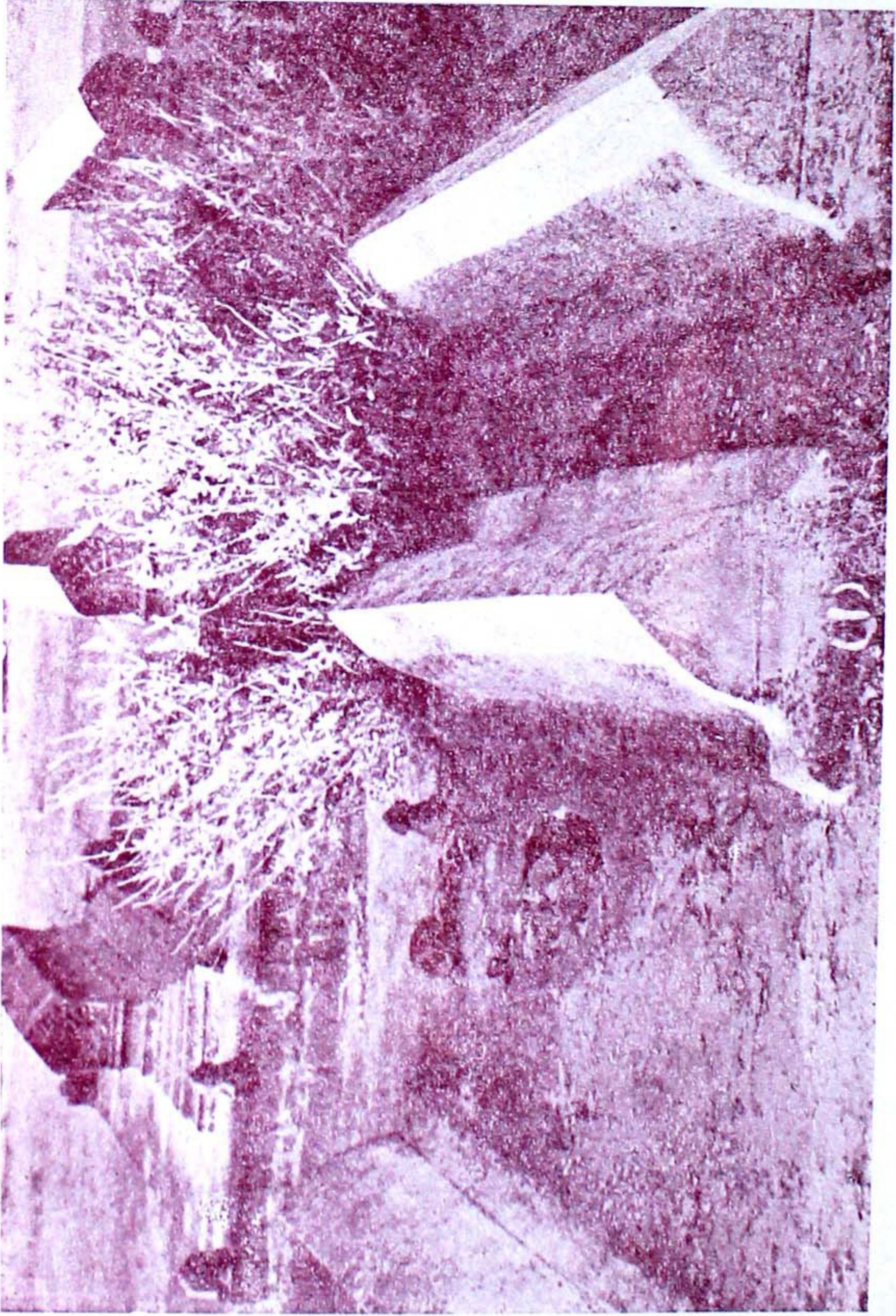
ز جوہرِ بمن دل نگین ماسدہ بود

۱۰ مخدوم نے یہ غزل میر سید محمد عرف میر پیتو کی غزل کے جواب میں لکھی تھی۔



نکھڑے ہوئے ہونے کے لیے خاک کی حضور

آبھڑے ہوئے لاکھ آفتابوں کو نہ دیکھ



مزار مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (واقعہ مکی - ٹھٹھہ)

جو سندھ میں اپنے علم و فضل، عرفان اور شاعری کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں  
(پشکریہ سندھی ادبی بورڈ)







چو آہوناز ریزی از دم مرداں دے دارم  
 دریں بیدائے وحشت تاکہ قلاج لے دارم  
 خزان کثرتِ موہوم نتواند خراش من  
 کہ رخسارِ گل کز بحرِ وحدت شننے دارم  
 ز پیچ و تاب کفر زلف ترسا بچہ شوخے  
 پریشاں قبلہ گاہم کیش در ہم برہے دارم  
 ز فریاد نہان و فاش دست غمزہ پرداز می  
 رباب اضطرابم نغمہ زیر و بے دارم  
 بیا در یوزہ کن تسلیم زان "تاجر" کہ می گوید  
 ز اسباب جہاں حاصل ہمیں جنس غمے دارم

مبادا بیچ کے خستہ دل زما تسلیم  
 کہ زیب خرقہ ماشیوہ کمانداری ست

کیست روباہ کہ از شیر زیاں صرف برد  
 عقل از چپقلش عشق زبوں می گرد

سگت اخون دل دادم کہ با من آشنا گرد  
 ندانم ز بخت بد کہ او دیوانہ خواهد شد

لے قاضی عطار اشتر تا جبر بغدادی کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی تتبع میں یہ غزل کہی گئی تھے یہ دونوں غزلیں  
 مقالات الشعراء ص ۱۲۶ سے ماخوذ ہیں تھے مقدمہ در اسات اللیب بحوالہ روز روشن ص ۱۰۳



**علوئے مرتبت** | مخدوم محمد معین اُن بزرگوں میں تھے کہ بعض مسائل میں وہ  
انفرادی مسک رکھتے تھے جن سے علماء کو سخت اختلاف  
تھا۔ لیکن اس پر بھی اُن کے تذکرہ نگار اور اُس دور کے جلیل القدر علماء باوجود اختلاف  
مسک کے اُن کی عظمت اور علمی تبحر کے معترف ہیں۔

صاحبِ مقالات الشعراء نے ان کے علوئے مرتبت کا اعتراف ان الفاظ میں  
کیا ہے :-

جامع علوم معقول و منقول، حاوی معالوفروع  
واصول، کاشف حقائق علمی و عملی، شارح دقائق  
صوری و معنوی، علامہ عصر، نحریر وقت، مظہر انوار  
حقائق ربانی، مہبط آثار معارف سبحانی۔ بیت

آنکہ آمد راست بر بالاش تشریف علوم  
تائیش کس نیست در معقول الا بوعلی

مخدوم ابراہیم خلیل صاحب تکلمہ مقالات الشعراء نے مخدوم محمد معین کو ان الفاظ  
میں سراہا ہے :-

عمدة العلماء الربانین، قدوة المفسرین و  
المحدثین المخدوم مخدوم محمد معین قدس سرہ۔

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب  
میں انھیں شیخ علامہ ادیب محمد معین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۱۲۱ مقالات الشعراء ص ۱۲۱ مخدوم محمد ابراہیم خلیل صدیقی بن مخدوم عبدالکریم ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔  
آپ کی ولادت ماہ جمادی الاول ۱۲۲۳ھ میں ہوئی صاحب علم و فضل اور فارسی کے کہنہ مشوق شاعر تھے ہند کے آخری دور کے  
فارسی گو شعراء کا تذکرہ تکلمہ مقالات الشعراء خلیل کی یادگار ہے خلیل نے ۱۲۳۲ھ میں فانی (تکلمہ مقالات الشعراء ص ۱۲۱)



سید نذیر حسن محدث دہلوی نے مخدوم محمد معین کی کتاب در اسات اللیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم محمد معین اپنے زمانے کے بڑے محقق ہیں، اور ان کی کتابوں پر بڑی وسیع نظر ہے۔

مخدوم مولانا محمد ہاشم کے پوتے علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے باوجود اس کے کہ ان کو بہت سے مسائل میں مخدوم محمد معین سے اختلاف تھا۔ بلکہ مخدوم محمد معین کے رد میں انہوں نے کتاب قطاس مستقیم لکھی تھی۔ اس اختلاف مسائل و فکر پر بھی ان کے فنی کمال اور مہارت علمی کا اعتراف کیا ہے۔ قطاس مستقیم میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے

وہ (مخدوم محمد معین) ساری عمر فلسفہ، نجوم اور موسیقی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے اور انہوں نے ان علوم میں اور ان کے علاوہ ربیما، کیمیا اور ہیمیا پر کتابیں لکھیں۔

انہ کان یروی فی مدۃ عمرہ کتب علم الفلستہ والنجوم و الموسیقی و صنف فیہا و فی الریمیا و الکیما و الہیمیا و غیرہا۔

شیخ فقیر اللہ علوی شکار پوری جو اپنے وقت کے عارفِ کابل اور شیخِ طریقت تھے ان کے مکاتیب کا مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے، اس میں پانچ مکتوب مخدوم محمد معین کے نام ہیں۔ اس مجموعہ کے چوبیسویں اور پچیسویں خط میں آپ نے مخدوم محمد معین کو عالم ربانی سے مخاطب فرمایا ہے۔

**وفات** مخدوم محمد معین نے ۱۱۶۱ھ کو عین مجلس سماع میں وفات پائی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی سے آپ کو غیر معمولی عقیدت و محبت تھی، اور شاہ صاحب بھی آپ سے انتہائی خلوص و محبت رکھتے تھے۔ وفات

لہ مخدوم ابراہیم بن مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، اولیائے کاملین اور علمائے سخین میں سے تھے ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ سنی اللہ کابلی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا اور ۱۲۲۵ھ میں بقاؤ الدینی علاقہ کچ میں وفات پائی، دفن نوش تکرہ۔ مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب اشرفی ص ۶۵



ایک دن پہلے شاہ عبداللطیف نے اپنے وطن میں اچانک اپنے مریدوں سے فرمایا، چلو ہم اپنے دوست سے آخری ملاقات کر لیں۔ پھر آپ ٹھٹھہ تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے پر محفل سماع منعقد ہوئی، اس محفل میں مخدوم محمد معین بھی شریک تھے محفل سماع شباب پر تھی۔ عین سرمستی اور ذوق کے عالم میں مخدوم محمد معین اٹھے اور اند تشریف لے گئے اور اسی عالم میں واصل الی اللہ ہوئے اور ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی پائنتی مدفون ہوئے۔ شاہ عبداللطیف نے تہمیر و تکفین میں شرکت فرمائی۔ جب ٹھٹھہ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا ٹھٹھہ میں ہمارا آنا صرف اس (عزیز دوست) کے لئے تھا، آج یہ بھی ختم ہوا۔

**تاریخائے وفات** | مخدوم محمد معین کی وفات پر علمی دنیا میں صاف ماتم بچھ گئی۔ ٹھٹھہ کا ہر شاعر، ادیب، اہل علم اس صدے سے متاثر تھا۔ مختلف شعراء اور اہل کمال نے تاریخائے وفات کہہ کر مخدوم موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سندھ کے مشہور شاعر محسن ٹھٹھوی نے اپنے قطعہ تاریخ میں اس طرح سوز و غم

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۲۹  
۲۳۰

۲۔ سندھ کا مشہور شاعر محسن ولد نور محمد ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، اس کا خاندانی پیشہ ریشم فروشی تھا۔ لیکن فطری ذوق شاعری نے اسے اس پیشے کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، میر لطف علی خان بہت گورنر ٹھٹھہ کی سرپرستی و تربیت نے محسن کے جوہر شاعری کو خوب نکھارا، اور اہل کمال کی صحبت نے اس کے فن شاعری کو اور بھی چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ شعر میں اس قدر ترقی کی کہ صاحب مقامات الشعراء کا بیان ہے کہ کمال شاعری، لطافت سخن اور ملاحظت کلام میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ اس کی خوش نصیبی کی انتہا یہ تھی کہ اس کا کلام اس کی زندگی میں عالمگیر مقبولیت حاصل کر چکا تھا اور لوگ دور دور سے اس کے کلام سے واقف ہو کر اس کے اشعار کو نقل کرنے کے لئے آتے تھے۔ لیکن ہمیشہ وہ اپنے وطن میں ناقدی کا شکار رہا۔ اس پر بھی وہ سرشار و سرخوش زندگی بسر کر کے زمانے



کا اظہار کیا ہے۔

عارفِ دین معینِ حقِ مخدوم  
 آل کہ در عشقِ جملہ تن دل شد  
 نورِ ذہنش بمشکلاتِ علوم  
 در شبِ چہل بدرِ کابل شد  
 با کمالاتِ ظاہری از فکر  
 باطنش مظہرِ فضائل شد  
 بنگاہی کہ کرد شاید غیب  
 عین ادگشت و سوئے منزل شد  
 لاجرم سال فوت او گفتند  
 ”قطرۂ در بحر واصل شد“

۱۱۶۱ھ

بقیہ فٹ نوٹس کی تلخیوں کو فراموش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔  
 آخر میں میاں نور محمد کھوسرو والی سندھ نے اپنے دورِ حکومت میں محسن کا آٹھ آنے یومیہ  
 وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ جس پر وہ ہمیشہ قانع رہا۔ صاحبِ مقالات الشعراء نے محسن کی حسبِ قیل  
 تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) عقد دوازده گوہر

(۲) طرز دانش

(۳) اعلام ماتم مشہور بہ حلقہ حسینی (تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے)

(۴) دیوان غزلیات

(۵) دیوان قصائد

(۶) بیاض محک کمال (یہ کتاب محسن نے میاں نور محمد والی سندھ کے نام معنون کی تھی۔  
 محسن نے ۲۰ شوال ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی

تھی۔ (مقالات الشعراء ص ۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵)



معین اہل حق محروم دوران  
 دلیل قاطع بر علم چوں سیف  
 کہ چوں خورشید طبعش گرم گشتے  
 شتائے سامعان دم میزد از حیف  
 ازیں محنت سرا مردانہ در دم  
 بہماں خانہ حق رفت چو ضیف  
 بدل گفتم اگر عرفاں شناسی  
 بگو زیں درد تاریخی بہر کیف  
 دو مدد آہ دل پیہم زد و گفت  
 "معین دین احمد" رفت صد حیف

۱۱۶۱ھ

قانع کھٹھوی کے استاد میاں نعمت اللہ نے اپنے تاسف کے جذبات کو  
 اس طرح نظم کی صورت عطا فرمائی۔

اے کہ در حضرت عزت شدہ قامت مقبول  
 روح فرخندہ تو یافت بفسر دوس نزول  
 بے تو ماتم زدگانند حلالق یکسر  
 بے تو در رونق علم است غلامات خمول  
 سال تاریخ وفات ز خرد پُرسیدم  
 دست بردست زماں گفت "شفیع تو رسول"

۱۱۶۱ھ



اے دریغ از قضیہ وحشت اثر  
 رحلت آل جان نثار اہل بیت  
 آن معین الحق و مخدوم الانام  
 باد روحش در جوار اہل بیت  
 سال فزتش را چنین گفتا خرد  
 وہ چه بود او دوستدار اہل بیت  
 ٹھٹھ کے مشہور شاعر محمد پناہ رجا ٹھٹھوی نے اپنے درد و الم کو اس طرح اشعار  
 کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

مخدوم حق کہ بود بدینا معین دین  
 در ماتمش دل ہمہ مومن حزین دوست  
 و احسرتا چه ماتم یک حشر آفت است  
 ہر یک جدا جدا دل اندو گین دوست  
 ایں ماتمے ست عام کہ عالم فگار دوست  
 خاص از برائے خاطر ہر ہمنشین دوست  
 آمد بسال رحلت او ایں ندا ز غیب  
 ”ناجی شد او کہ آل محمد معین دوست“

۱۱۶۱

۱۔ محمد پناہ رجا ٹھٹھ کا بلند پایہ شاعر اور فن شعر میں میر حیدر الدین ابوتراب کا اہل کاشاگرد  
 فقراء اور اہل اللہ کا بچہ معتقد تھا۔



(۳۵)

## مخدوم محمد زماں اوّل

**نام و خاندان** | آپ کا اسم گرامی محمد زماں لیکن آپ شہور خواجہ کلاں کے لقب سے ہیں۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ حاجی عبد اللطیف نقشبندی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ خواجہ عبدالسلام ساکن جون کی صاحبزادی تھیں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ صدیقیوں میں یہ خاندان سب سے پہلے ہمدی یا ہارون کے زمانے میں سندھ آیا۔

مخدوم محمد زماں اوّل کے والد ماجد شیخ عبد اللطیف خود بھی صاحب زہد و ورع، علم و فضل سے آراستہ اور بلند پایہ بزرگ تھے، وہ مخدوم آدم کے صاحبزادے خواجہ فیض اللہ سے بیعت تھے۔ اور خواجہ حافظ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بھی غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی تربیت باطنی میں مخدوم خواجہ ابوالقاسم نقشبندی کا بھی بڑا حصہ تھا۔

**ولادت** | حضرت مخدوم محمد زماں اوّل کی ولادت باسعادت ۲۱ رمضان ۱۱۲۵ھ کو سندھ کے ایک قصبہ لواری میں ہوئی۔ "من عبادنا المخلصین" سے آپ کا سال ولادت نکلتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ کے چہرے سے انوار ولایت و معرفت درخشاں تھے۔

**تعلیم** | آپ نے علوم ظاہریہ کی تعلیم مٹھہ میں مولانا محمد صادق سے حاصل کی جو ایک متبحر عالم تھے۔



علوم ظاہری میں آپ ابھی توضیح تلویح ختم کرنے پائے تھے کہ اتفاقی طور پر آپ کی ملاقات ٹھٹھ کے مشہور بزرگ حضرت ابوالسائین <sup>طھٹھری</sup> سے ہوئی۔ حضرت ابوالسائین نے پہلی ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل کو پرکھ لیا۔ نہایت شفقت سے ملے، اور آپ کو اپنی خانقاہ میں لائے۔ اور متعدد ملاقاتوں میں

لے حضرت ابوالسائین کا اہم گرامی محمد تھا۔ یہ مخدوم آدم کے فرزند مخدوم محمد شرف کے صاحبزادے ہیں۔ چونکہ بچہ فیاض و سخی تھے، اور سائین پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ اس لیے ابوالسائین کے لقب سے مشہور ہوئے، ابوالسائین کے شیخ طریقت شیخ ابوالقاسم تھے حضرت ابوالسائین دہلی میں حضرت خواجہ محمدزبیر کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے جو خواجہ ابوالعلیٰ کے صاحبزادے

اور حضرت محمد نقشبند ثانی کے ذوالے تھے اور وہاں کی سنہر شد و ہدایت پر متمکن تھے اور جن کی خدمت میں حاضری کو شاہان وقت اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک روز حضرت ابوالسائین حضرت خواجہ محمدزبیر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی خانقاہ کے قریب سے بادشاہ کی سواری گزری۔ لوگ خانقاہ کی دیوار پر بیٹھے ہوئے بادشاہ کی سواری کا نظارہ دیکھ رہے تھے کہ خانقاہ کے بعض درویشوں کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش وہ بھی بادشاہ کی سواری کو دیکھ سکتے، آپ نے ان کی تمنا کو محسوس کر لیا اور فرمایا کہ جو کوئی بھی بادشاہ کی سواری دیکھنا چاہتا ہے وہ چلا جائے، میری طرف سے اجازت ہے۔ سوائے حضرت ابوالسائین کے تمام درویش اٹھ کر چلے گئے۔ صرف تنہا آپ باقی رہ گئے۔ خواجہ محمدزبیر نے آپ سے فرمایا کہ تم سب کے رہنے والے ہو، تم نے بادشاہ کی سواری کبھی نہ دیکھی ہوگی، جاؤ تم بھی دیکھ لو۔ آپ نے فرمایا کہ میں جس بادشاہ کے پاس آیا ہوں، اس کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے کسی دوسرے بادشاہ کے دیکھنے کی ضرورت نہیں، حضرت ابوالسائین کا بیان ہے کہ آپ میرے اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے اور میرے حال پر اس قدر توجہ فرمائی کہ اگر میں دس سال بھی عبادت کرتا تو شاید شیخ کی نظر عطا ہوتی تو اس درجہ حاصل نہ کر سکتا۔ آپ نے مجھے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد آپ حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ چند روز کے لئے سندھ تشریف لائے اور تقریباً پندرہ روز قیام فرمایا۔



آپ کو حصول معرفت الہی کی طرف توجہ دلائی، یہاں تک کہ آپ ترک تعلیم کر کے حضرت ابوالمساکین کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے، بیعت ہونے کے بعد تقریباً چھ ماہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

چھ ماہ کے بعد حضرت ابوالمساکین نے آپ کو خلافت عطا فرماتے ہوئے اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی، آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ آپ کے جوتے سیرھے کئے اور اپنے مریدوں کو آپ سے بیعت کرایا۔

۱۱۵۰ھ میں آپ اپنے وطن لواری میں تشریف لاکر زینت آرائے مسند ارشاد و ہدایت ہوئے

جس زمانے میں کہ آپ لواری تشریف لائے یہ قصبہ ویران ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی زمین شور تھی، اور جنوبی دریائے سندھ کے رخ بدل لینے کی وجہ سے قصبہ کے تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہو چکا تھا، لوگ پانی کی دقت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو رہے تھے۔ آخر میں صرف آپ کے والد ماجد حاجی عبداللطیف اس قصبہ میں رہ گئے تھے جو کسی صورت میں بھی ترک وطن نہ کرنا چاہتے تھے، جب تک کہ آپ کے والد حیات رہے، آپ بھی قدیم لواری میں مقیم رہے۔ لیکن اپنے والد کی رحلت کے بعد آپ نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس جدید شہر کا نام بھی لواری رکھا، اور اس میں منتقل ہو گئے۔

بقیہ فٹ نوٹس) پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور وہیں آپ نے ۱۲۹۹ھ میں مرضیہا میں وفات پائی اور جنت المعالیٰ میں مدفون ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزار مبارک ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے کے دائیں جانب واقع ہے۔

(مغیب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت ابوالمساکین ٹھٹھوی)

۱۵ لواری سندھ کے تعلقہ بدین میں ایک قصبہ ہے۔



شاہ عبداللطیف بھٹائی کی حاضری | ایک دفعہ سندھ کے مشہور صوفی اور عظیم المرتبت شاعر حضرت سید

شاہ عبداللطیف بھٹائی آپ کی زیارت کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب دروازے پر پہنچے تو خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی، خادم نے اندر جا کر آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا کہ وہ سید ہیں میں خود ان کے استقبال کے لئے آتا ہوں۔ خادم جس وقت یہ جواب لے کر آیا تو شاہ نے پوچھا کہ حضرت اس وقت کیا کر رہے تھے؟ خادم نے جواب دیا کہ آپ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ شاہ نے فرمایا کہ وہ جس عالم میں ہیں وہ اُسے چھوڑ کر کہاں ہماری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ چلو میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، یہ کہہ کر آپ اندر داخل ہوئے جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو سندھی کا ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

راہب سفر پر روانہ ہو گئے

میں اُن کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں

آپ نے اُس کے جواب میں سندھی کے چند شعر پڑھے، جن کا حاصل یہ ہے۔

اُن کے پاس جا کر بیٹھو جن کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے جو تقدیر

بدلتا ہے۔

وہ لوگ وہی ورق پڑھاتے ہیں جس سے محبوب کا مشاہدہ ہو

شاہ کی عقیدت | حضرت مخدوم زماں شاہ اول سے شاہ لطیف کی عقیدت و محبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ

حضرت مخدوم کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میری ماں! میں نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں، جنہوں نے محبوب کو دکھا تھا



میں اُن کی تعریف کن الفاظ میں بیان کروں۔

**مریدوں کی تربیت** مریدوں اور طالبانِ حق کے تزکیہ نفس کا خصوصیت سے خیال فرماتے تھے۔ شیخ سدہ تورا کا بیان ہے۔

کہ حضرت مخدوم موسیٰ گراما میں صبح کے حلقے کے بعد والان میں تشریف فرما ہوتے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند آپ کے سامنے بیٹھتے، یہاں تک کہ آپ کے حجرہ مبارک تک لوگ بھر جاتے، پھر آپ اور آپ کے مریدین مراقبے میں مستغرق ہوتے اور ان پر محویت اور استغراق کی یہ کیفیت ہوتی کہ چلپانی ہونی دھوپ سروں پر پڑتی رہتی مگر مطلقاً کسی کو احساس نہ ہوتا تھا۔ تقریباً چاشت کے وقت تک مجلس طول کھینچتی تھی۔ جب لوگ مراقبے سے فارغ ہو کر اٹھتے تو زمین پسنے سے تر ہو جاتی تھی۔

**شب بیداری** آپ کی خانقاہ میں شب بیداری کا خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا۔ آپ نے ایک آدمی کو مقرر فرمایا تھا کہ وہ

رات کو مقررہ وقت پر عبادتِ الہی کے لئے لوگوں کو بیدار کرے۔

ایک روز رات کو خانقاہ میں بعض لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر نہایت متاسفانہ لہجے میں فرمایا، افسوس ہے کہ یہ لوگ اس طرح بے خبر سو رہے ہیں جس طرح سوداگر گھوڑے بیچ کر بے خبر سوتے ہیں۔

خواجہ محمد عینی دشتی کی روایت ہے کہ ایک رات مجھ پر نیند کا سخت غلبہ ہوا۔ میں نے مسجد کے فرش کو اکٹھا کیا اور اُسے پیٹ کر تکیہ بنا کر سو رہا۔ صبح کو حلقے کے بعد حضرت مخدوم نے اس فرش کو پیٹے ہوئے دیکھا، اپنے دست مبارک سے کھولا اور پچھا دیا۔ جب آپ خانقاہ میں تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ رات

لے یہ تمام تفصیل مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ خواجہ محمد زماں سے لی گئی ہے۔ اس میں جو اشعار آئے ہیں وہ سب سندھی میں ہیں یہاں اُن کا ترجمہ دے دیا گیا ہے۔



مجھ پر نیند کا بیج غلبہ تھا۔ میں نے اس فرش کو لپیٹ کر تکیہ بنا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا  
بابا تم یہاں سونے کے لئے نہیں آئے ہو۔

**اتباع شریعت** حضرت مخدوم اتباع شریعت کا خاص طور پر خیال رکھتے  
تھے۔ اور مریدوں کی تربیت میں بھی ہمیشہ اس کی کوشش  
فرماتے کہ احکام شریعت پر اور سنت نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

ایک دفعہ حافظ صدق الدین سے مخدوم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد کسی نے  
آپ کے اوصاف کے متعلق پوچھا، فرمایا کیا پوچھتے ہو حضرت مخدوم تو اتباع رسول  
اکرم کا مجسم پکیرتھے، اور آپ کے مرید بھی اتباع رسول اکرم میں آپ کے نقش قدم پر  
تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا، جب آپ بیت الخلاء کے لئے تشریف لے جاتے تو  
میں آپ کے ساتھ جاتا، اتفاقاً ایک دفعہ راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے  
چاہا کہ اس کو اٹھا لوں، آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے اٹھالینے  
میں کیا حرج ہے۔ فقہا کا فتویٰ تو یہ ہے کہ اگر ٹپری ہوئی چیز کا مالک نہ ملے تو وہ کسی مسکین  
کو دے دینی چاہیے۔ مجھے بھی اگر اس کا مالک نہ ملتا تو میں خیرات کر دوں گا فرمایا، یہ صحیح  
ہے لیکن اس کا اٹھانا خلافت مستحب ہے۔ آج ترک مستحب کر دو گے کل ترک سنت پر  
آمادہ ہو گے۔ اس کے بعد ترک فرض کی نوبت آئے گی اور ترک فرض بعض مرتبہ  
انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

**جو دو سخا** جو دو سخا کا یہ عالم تھا کہ حضرت مخدوم نے کبھی گھر میں بچا کر  
کچھ نہیں رکھا۔ جس روز آپ نے رحلت فرمائی اس روز بھی

لے حافظ صدق الدین حضرت مخدوم محمد زماں اول کے مریدوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ یہ  
ساہا سال حضرت مخدوم کی خدمت میں رہے۔ وضو کی خدمت حافظ صاحب سے متعلق تھی حضرت  
مخدوم کے وصال کے بعد چالیس سال حیات رہے (مغرباً لاجاب قلبی تذکرہ حضرت محمد مخدوم زماں اول)



آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔

**وفات** حضرت مخدوم محمد زماں ۶۳ سال کی عمر میں ۲ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ میں چاشت کے وقت واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار مبارک لواری میں مرجع خاص و عام ہے۔

**خلفاء و مریدین** آپ کے خلفاء و مریدین کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں شیخ عبدالرحیم گڑھوری، شیخ محمد صلح، شیخ شعیب، حافظ عبدالملک معروف بہ سائیں دنہ، حافظ صدر الدین اور حافظ کبیر مشہور ہیں، صاحب مرغوب الاحباب نے اپنی کتاب مرغوب الاحباب میں تفصیل سے آپ کے مریدین و خلفاء کے حالات لکھے ہیں، ہم نے ان میں سے چند حضرات کے نام یہاں درج کر دیئے ہیں۔

**اولاد** آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت محبوب احمد خواجہ گل محمد سندرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ خواجہ گل محمد کی ولادت بسعادت ۱۱۷۸ھ میں ہوئی۔ اور ماہ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ کو آپ نے وفات پائی و قاضی اللہ امر سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد زماں ثانی اپنے بزرگوں کے جانشین ہوئے۔ مخدوم محمد زماں ثانی نے ۱۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

۱۱۲۷ھ حضرت مخدوم محمد زماں اول کے تمام حالات مرغوب الاحباب درسیا قطاب قلمی مرتبہ نظر علی تالیف سے لئے گئے ہیں لہٰذا مخدوم محمد زماں ثانی کا سنہ وفات تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶۹ سے لیا گیا ہے۔



# پیر محمد راشد

**نام و نسب** | آپ کا اسم گرامی محمد راشد، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید محمد بقا تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ سید علی مکی تھے۔ جن کا اجمالی تذکرہ حضرت

شاہ صدر کے حالات میں گزر چکا ہے۔

پیر محمد راشد کے والد سید محمد بقا کی ولادت باسعادت یکم شعبان ۱۱۳۵ھ کو رسول پور عرف سائندی (علاقہ ریاست خیرپور) میں ہوئی، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سید محمد بقا نے مختلف سلسلوں کے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کئے، سلسلہ قادریہ میں انھوں نے سید عبدالقادر حسینی سے اکتساب فیض کیا۔ جو حضرت شیخ سید صالح شاہ قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ میں اُن کے رہبر طریقت مخدوم محمد اسماعیل ساکن موضع پریاں و تعلقہ روہڑی تھے، جنھوں نے ۱۱۸۶ھ میں وفات پائی۔

آپ کے سلسلہ چشتیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لونی، حضرت خواجہ جمال اللہ شیخ حاجی ایوب، شیخ سعدی لاہوری اور حضرت شیخ سید آدم بنوری سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد، حضرت شیخ رکن الدین گنگوہیؒ،

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔  
۲۔ جمادی الاول ۸۷۳ھ کو آپ کی ولادت قصبہ شاہ آباد میں ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس کے حالات پر آپ کی کتاب لطائف قدوسی مشہور ہے۔ (لطائف قدوسی ص ۳۱)



حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ احمد عبدالحق ردو لوی اور حضرت شیخ جلال پانی پتی کے توسط سے حضرت خواجہ معین الدین سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پر یاں لونی کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت خواجہ بانی باللہ، خواجہ امکنی درویش محمد، خواجہ محمد زاہد، خواجہ عبید اللہ احرار اور خواجہ یعقوب چرنی کے ذریعہ سے حضرت خواجہ بہار الدین نقشبندی سے جا ملتا ہے۔ آپ کے طریقت کے یہ تینوں سلسلے سید علی گورہ حسینی نے اپنی کتاب خزینۃ المعرفۃ (قلمی) ص ۸۰-۹۰ پر مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں

اے آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالقدوس، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور دادا کا نام قاضی صفی دانشمند تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب تیس واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ محمد ردو لوی کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے سلسلہ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں شیخ عبدالقدوس ابتداءً ردو لوی ضلع یارہ بنگلی میں مقیم تھے۔ ۹۱-۱۲۹۰ء میں جب ردو لوی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا، شعار اسلام مٹائے گئے، یہاں تک کہ سور کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترک وطن کر کے شاہ آباد تشریف لائے، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا۔ اور شاہ آباد برباد و ویران ہوا تو آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگوہ تشریف لائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ملک عثمان کرانی جو گنگوہ کے رہنے والے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مخلص مدد تھے ان کی بڑی آرزو یہ تھی کہ اگر حضرت شیخ کے کوئی صاحبزادے گنگوہ میں قیام فرمائیں اور اس کو اپنا وطن بنا لیں تو ان کی انتہائی خوش نصیبی ہوگی۔ وہ اپنی اس تمنا کا اظہار کئی مرتبہ حضرت شیخ سے کر چکے تھے۔ آخر حضرت شیخ نے شیخ رکن الدین کو حکم دیا کہ وہ گنگوہ میں اقامت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد پر شیخ رکن الدین اور ان کے دوسرے بھائی گنگوہ تشریف لے گئے۔ ملک عثمان کرانی نے ان کے پھرنے کا انتظام گنگوہ کے محلہ سرے میں کیا اور خیمے نصب کئے اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر



حضرت سید محمد بقا نے قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ خاندان کے سرچشموں سے فیضیاً ہو کر سندھ میں عرفان و تصوف کی دولت کو عام کیا، اور اپنی پوری زندگی رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کی۔ وہ اپنے زمانے کے نہ صرف عارفِ کامل اور عظیم المرتبت

(بقیہ فٹ نوٹس) اٹھا کر نہ رکھی۔ لیکن حضرت شیخ زکن الدین اور ان کے بھائیوں کا وہاں دل نہ لگا۔ وہ چند روز گنگوہ میں ٹہرے اور پھر شاہ آباد چلے آئے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ایک روز حضرت شیخ نے عالم کشف میں معلوم کر کے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا، گنگوہ کو مت چھوڑو، آخر کار تمہیں وہیں رہنا ہے۔ غالباً اسی واقعہ کے چند روز بعد حضرت شیخ کی بیوی نے جو نہایت عابدہ و زاہدہ، نبی بنی تھیں، ایک رات شاہ آباد میں تہجد کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھے ہوئے عالم بیداری میں دیکھا کہ خراسان سے ایک اُگ اُٹھی ہے جو ہر تر و خشک کو جلاتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ صبح کو اُنہوں نے یہ واقعہ اپنے تمام صاحبزادوں سے بیان کرنے کے بعد فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بلانازل ہونے والی ہے۔ تم سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ شیخ زکن الدین کا بیان ہے کہ اس کے چند دن بعد ہی مغلوں کی تاخت و تاراج شروع ہوئی۔ بابر کی آمد کی خبر جیسے ہی مشہور ہوئی تھی، ہر جگہ کے آدمی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور لوٹ مار شروع ہو جاتی تھی، اس زمانے میں ہم لوگ گنگوہ ہی میں پناہ لیتے تھے، چنانچہ ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے ایک سال پہلے حضرت شیخ نے گنگوہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس ابتداً سیاست میں حصہ نہ لیتے تھے۔ لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا۔ مکاتیبِ قدوسیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابر جیسے شاہانِ وقت کو خطوط لکھے جن میں ان کو غمخواریِ خلق، علماء کا احترام، عدل و انصاف اور احکامِ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ بابر کو ایک خط میں نصیحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

باید و سزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایۂ عدل بر عالمیاں  
چنان کشد، ہیج کس بر ہیج کس ظلم نہ کند و ہمہ خلق و ہمہ  
سپاہ باو امر و نواہی شرع مستقیم و مستقیم بوند - نماز بجماعت



عالم تھے، بلکہ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

۹ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ میں سید محمد بقا کتابوں کا ایک گٹھا سر پر رکھے ہوئے

تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اس گٹھے کو مال و دولت کا انبار

(بقیہ فٹ نوٹس) ۲۶۵

بگزارند، و علم و علما را دوست، و در بازار ہر شہرے محتبا  
بگرد آند، تا شہر و بازار را بجال عدل شرع محمدی بیارایند، و  
روشن و منور گردانند، چنانکہ در عہد سلف و خلفائے راشدین  
با جمیع شرائط بے شبہ بود۔

ان کے علاوہ آپ نے اُس زمانے کے اُمراء کو بھی خطوط کے ذریعے اتباع شریعت

تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ خواص خاں، ہیبت خان شیروانی، ابراہیم

خان شیروانی، تردی بیگ وغیرہ کے نام جو خطوط آپ نے لکھے ہیں وہ نہایت اہمیت رکھتے ہیں

اور آپ کی تبلیغی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح مریدوں کے نام جو خطوط آپ نے تحریر فرمائے

ہیں وہ آپ کی روحانی تعلیم کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نہ صرف

جلیل القدر درویش تھے بلکہ علم و فضل میں بھی آپ کا مرتبہ بجد بلند تھا۔ صاحب تصانیف تھے

آپ کی کتابوں کو دیکھ کر آپ کے تبحر علمی، جلالت اور وسعت نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعر شرق

علامہ اقبال نے ان الفاظ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے علم و فضل اور عرفان و تصوف

کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شیخ کا مندرجہ ذیل قول:

محمد مصطفیٰ در قاب تو سین اودانی رفت و باز گردید واللہ ما باز نگردیم (لطائف قدوسی لطیفہ)

”محمد عربی عرش معلیٰ پر تشریف لے گئے اور پٹ آئے۔ قسم ہے خدا نے ذوالجلال

کی اگر میں اس نقطہ تک پہنچ جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔“

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان علی اللہ حضرت مولانا

عبدالقدوس گنگوہی رحمت اللہ علیہ کا قول ہے۔ صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید



سمجھ کر آپ کو شہید کر دیا۔ قصبہ شیخ طیب (ریاست خیرپور) میں آپ مدفون ہوئے  
ذیل کے قطعے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

چوں سید محمد بقا شد شہید      خلاوت ذرحمت الہی چشید

(بقیہ فٹ نوٹس) ط ۲۹۶ ہی کوئی اور مثال مل سکے، جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت اور ولایت  
کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔ (اسلام میں مذہبی افکار کی  
تجدید۔ ڈاکٹر اقبال کے ۶ خطبات ص ۱۱۱) حضرت شیخ کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-  
(۱) شرح عوارف (یہ شرح آپ نے اپنے صاحبزادوں شیخ حمید۔ شیخ احمد اور  
شیخ رکن الدین کی گزارش پر لکھی تھی۔

(۲) حاشیہ فصوص الحکم (تصنیف شیخ محی الدین ابن عربی)

(۳) رسالہ قدسیہ

(۴) غرائب الفوائد

(۵) رشد ناصہ

(۶) مظهر العجائب

(۷) مکتوبات قدوسیہ

(۸) حاشیہ بر شرح صحائف (علم کلام)

(۹) بحر الانشعاب (علم صرف میں)

یہ حضرت شیخ کے زمانہ طالب علمی کی تصنیف ہے جو آپ نے سوال و جواب کے طور پر  
لکھی تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب یہ نسخہ اساتذہ کے سامنے پیش کیا  
گیا تو انہوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ علم صرف میں صرف یہی نسخہ کافی ہے۔ افسوس ہے کہ  
آپ کی تصنیف ہندوستان کی لڑائیوں میں ضائع ہو گئی۔

(۱۰) فوائد القراءۃ (یہ رسالہ آپ نے علم تجوید میں اُس وقت لکھا تھا جب کہ

آپ شیخ سلیمان مندوی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

(۱۱) نور المعانی شرح قصیدہ امالی



بے یوں نافع بہر خاص و عام      کزد زود طالب خدا شد رسید  
خرد سال تاریخ او در دلم      بگفتا " بدرجہ شہادت رسید "

۹۸ ۱۱ ۲۰

سید محمد بقا کے اٹھارہ صاحبزادے تھے۔ جن میں پیر سید محمد راشد نے اپنے علم

(بقیہ فٹ نوٹس)

(۱۲) انوار العیون (اس کتاب میں حضرت شیخ احمد عبدالحق کے حالات و  
ملفوظات کو حضرت شیخ نے مرتب فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلفاء میں جن بزرگوں نے ارشاد و ہدایت کو اپنی  
زندگی کا اہم ترین مقصد بنا کر چشتیہ سلسلے کو دور دور تک پھیلا یا، ان میں شیخ جلال الدین تھامیری  
شیخ عبد الغفور اعظم پوری، حضرت شیخ عبد الستار سہارنپوری اور شیخ عبد الاحد والد بزرگوار  
حضرت مجدد الف ثانی مشہور ہیں۔

۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۲۲ھ کو کہ اس دن مخدوم عالم حضرت شیخ احمد عبدالحق کا عرس  
تھا۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کو جاڑے کے ساتھ بخارا آیا، چار روز تک یہ بخار تیز رہا۔  
پانچویں روز جمعہ کے دن بخار میں تخفیف ہوئی اور آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے  
بعد پھر بخار تیز ہو گیا، اور چار روز تک بخارا آتا رہا، آخر منگل کے روز چاشت کے وقت ۲۳  
جمادی الاخریٰ ۹۲۲ھ کو آپ نے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آج بھی  
آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد سے ہے۔

گرچہ خردیم نسبتے ست بزرگ      ذرہ آفتاب تابانیم

(لطائف قدوسی، اخبار الاخیار، تاریخ مشایخ چشت)

۳۰ شیخ احمد عبدالحق ردو لوی، شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں تھے۔ وہ قصبہ ردو لوی ضلع  
بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ اخبار الاخیار میں ان کے متعلق لکھا ہے۔



فضل، تقویٰ و تقدس اور عرفان و تصوف کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اور عوام میں (روزے دھنی) روزے والے کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ ہی کی اولاد سے سندھ کے مشہور پیر پگارو، پیر سکندر شاہ "شاہ مردان ثانی" کے لقب سے زینت آرائے سجادہ ہیں۔

سید محمد راشد کے عالم طفلی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد جب پہلا رمضان آیا تو آپ نے دن میں اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اُس کی بنا پر آپ ابتداً عوام میں (روزہ دھنی) کے لقب سے مشہور

(بقیہ فٹ نوٹس) ص ۲۶۲

صاحب شوق و ذوق و حالت و فقر و تجرید بود، جذبے قوی داشت و نظریے موثر و تصرفی غالب، مولد او قصہ ردولی است۔ (اخبار الاخبار ص ۱۸۷)

چشتیہ صابریہ سلسلے کا پہلا مرکز حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خانقاہ تھی جو آپ نے ردولی میں قائم کی تھی۔ یہ خانقاہ رشد و ہدایت کا بڑا مرکز تھی۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ۸۳۷ھ میں وصل الی اللہ ہوئے، اور اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ عارف نے مندر سجادگی کو آراستہ کیا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۷)

۳۔ شیخ جلال پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک کے خلفا میں تھے، جو اُن کے بعد مندر شاہ و ہدایت پر بیٹھے اور غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ معارج الولاہیت میں ہے۔

مردماں از ہر جانب روئے باو می آوردند، و فتوح بشار آوردند۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۷)

۴۔ خزینۃ الموعظ (قلبی) کے مصنف سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب ص ۶-۷-۸-۹ پر سید محمد بقل کے تینوں طریقوں کے سلسلے یعنی قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں۔



ہوئے ہوں۔ اور بعد میں جب آپ کے مزار مبارک پر گنبد کی تعمیر ہوئی اور روضہ بن گیا تو لوگ آپ کو (روضہ دہنی) "روضہ والا" کہنے لگے۔

**ولادت** حضرت پیر محمد راشد کی ولادت باسعادت ۱۱۱۳ھ ہجری میں ہوئی۔

**تعلیم و تربیت** علوم دینیہ کی تعلیم آپ نے قصبہ کھوڑہ کے مشہور عالم مخدوم احمدی اور شاہ فقیر اللہ علوی اور دوسرے یگانہ روزگار علمائے حاصل

کی، اور اپنے والد ماجد حضرت سید محمد بقا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر روحانی تربیت اور فیض حاصل کیا۔

**اساتذہ کا ادب** حضرت پیر محمد راشد اپنے اساتذہ کا بحد ادب اور احترام فرمانے تھے، آپ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے بے حد

عقیدت و ارادت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ سے غیر معمولی شفقت اور محبت رکھتے تھے، چنانچہ شاہ فقیر اللہ علوی کے ملفوظات میں (حضرت میاں صاحب) کے نام سے جو تذکرہ ملتا ہے اُس سے مراد حضرت پیر محمد راشد ہی ہیں۔

حضرت پیر محمد راشد کے اخلاف بھی اپنے بزرگوں کی طرح حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ اس عقیدت و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شاہ فقیر اللہ علوی کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ پیر سید صبغۃ اللہ

مخدوم امیر احمد نے تحفۃ الکرام (سندھی) کے فٹ نوٹس میں بعضی قاضی عبدالرحمن شہید اس کی صراحت کی ہے کہ پیر محمد راشد مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے رسالہ تین زندگی مئی ۱۹۵۲ء کے اپنے ایک مضمون سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان میں مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل کو آپ کا استاد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں باپ بیٹے سے پیر محمد راشد نے درس لیا ہو۔

۱۱۵۰ھ خاندان راشد کے ذرفی سید حسام الدین صاحب شادی نے مجھے بتایا کہ شاہ فقیر اللہ علوی بھی آپ کے اساتذہ میں تھے۔



نے تبرکاً منگوا یا۔ جب لوگ اُس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صبغتہ اللہ نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اپنے والد کے استاد کے اس نسخے کا استقبال کیا اور اس نسخے کے حصول کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھا۔

**رشد و ہدایت** | اپنے والد کی شہادت کے بعد سید پیر محمد راشد سندھ کے آسمان ولایت پر رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے اور اپنے علم و فضل، عرفان و فیوض کی ضیا باریوں سے نہ صرف سندھ کو، بلکہ جو دھپور، جیلیر اور دوسرے علاقوں کو منور اور درخشاں بنا دیا۔

**خلفاء** | حضرت پیر سید محمد راشد کے متعدد خلفائے تھے۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر ارشاد و ہدایت کی خانقاہیں آراستہ کیں، اور جن کے فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی مختلف مقامات پر جاری و ساری ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) خلیفہ محمد حسین ہیسیر

(۲) خلیفہ سنی والے، جن سے بھر چونڈی کے بزرگوں نے روحانی اکتساب کیا اور ان سے امر و ط شریف کے بزرگوں نے اس روحانی امانت کو حاصل کیا، امر و ط شریف ہی کے بزرگوں کے ارشد تلامذہ میں مولینا عبید اللہ سندھی جیسے دینی اور سیاسی مفکر تھے۔ جن پر ہند و پاکستان کی تاریخ کو ناز ہے۔

(۳) خلیفہ خانگڑہ تعلقہ میرپور ماٹھیل ضلع سکھ

(۴) خلیفہ محمود کڑیانی

(۵) خلیفہ نبی بخش لغاری مٹھی والا۔ ان سے یہ سلسلہ کچھ اور کاٹھیاوار میں پھیلا

۱۷ ماخوذ از رسالہ سروش (فارسی) ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء بمضمون شاہ فقیر اللہ علوی مرتبہ آٹای سید عبدالحی جیسی۔



اور ان علاقوں کے بہت سے لوگ، خلیفہ نبی بخش کی ہدایت سے اس سلسلے میں داخل ہوئے۔

(۶) خلیفہ گل محمد ہالائی، صاحب دیوان گل

**تصانیف** حضرت پیر محمد راشد کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد و ہدایت، اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا، اس کو حضرت پیر محمد راشد تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اسماء اللہ الحسنى، جمع الجوامع اور آپ کے مکاتیب آپ کی علمی اور محققانہ قابلیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات بھی، آپ کے دو ممتاز خلفاء یعنی خلیفہ محمد حسین مہیسرا اور خلیفہ محمود نظامانی کڑیہ والے نے علیحدہ علیحدہ جمع کئے تھے، یہ ملفوظات عرفان و تصوف، تاریخ و تمدن اور علم و ادب کے وہ گوہر گر نمایہ ہیں کہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے حضرت پیر محمد راشد ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

**وصال** ۱۲۳۳ھ کو حضرت پیر محمد راشد نے ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا اور واصل الی اللہ ہوئے، حکیم سید محمد شجاع نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں اپنے حزن و ملال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

دا محمد راشد راہ نمائے شیخ و شاب  
شد شہید از سم و دواصل گشت با حق در شاب  
سال و تاریخ و روز وصال و وقت گو  
اول و شعبان معہ جمعہ طلوع آفتاب

لے یہ تمام حالات ڈاکٹر نبی بخش حسنان بلوچ کے مضمون "سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان" سے ماخوذ ہیں جو رسالہ نین زندگی (سندھی) ماہ مئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔



## سجادگی

حضرت پیر محمد راشد کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے پیر

صبغۃ اللہ شاہ اول مندر آرائے رشد و ہدایت ہوئے اور دستار سجادگی

ان کے سر پر باندھی گئی۔ اس خاندان میں یہ پہلے پیر ہیں جو پیر پاگارا (صاحب دستار)

کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے دوسرے بھائی پیر محمد یاسین جھنڈا یا علم لے کر

دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے انہوں نے پیر جھنڈا کے لقب سے شہرت پائی پیر جھنڈا

کا کتب خانہ آج بھی علمی دنیا میں غیر معمولی شہرت و عظمت رکھتا ہے۔

سید صبغۃ اللہ اول نے جب مندر رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اس وقت سلطنت

اسلامیہ کا چراغ جھللا رہا تھا۔ پنجاب پر سکھ چھاپے ہوئے تھے، اور سندھ کے حصول پر

انگریزوں اور سکھوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ حالات کی ناسازگاری نے مسلمانوں کو

اس وجہ بدحواس، وحشت زدہ اور کم ہمت بنا دیا تھا کہ ان کے قوائے عملی شل ہو چکے

تھے، سارے معاشرے پر انحطاط کا زنگ غالب تھا۔ مذہب کی روح مفقود ہو چکی

تھی، اودام اور رسوم پرستی کو مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ اس منزل و انحطاط کے زلنے

میں شاہ صبغۃ اللہ اول نے اعلائے کلمۃ الحق، تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام شروع

کیا، اس مردِ حق آگاہ نے جب یہ دیکھا کہ سکھ حکومت سندھ کی جانب پھیلنے لگے ہیں

تو آپ نے جہاد کا عزم سمجھ کر لیا۔ آپ کا کوئی وعظ جہاد کی ترغیب اور فضائل سے خالی

نہ ہوتا تھا۔ کچھ اور لارے کے مرید جوان مواعظ میں شریک نہ ہو سکتے تھے، آپ نے ان پر

مختلف خطوط کے ذریعے سے جہاد کی اہمیت کو واضح کیا، اور انہیں جہاد کے لئے

دعوت نامے لکھے۔

سید صبغۃ اللہ شاہ اول کی سندھ میں مقبولیت اور ان کے علمی، روحانی

مراتب کا اندازہ سید حمید الدین کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انہوں نے سید صبغۃ اللہ

شاہ کے متعلق تحریر کیا ہے۔



باشندگانِ سندھ کے نزدیک  
سارے ملک میں ان (پیر صیغۃ اللہ)  
جیسا کوئی شیخ و مرشد نہیں تقریباً تین  
لاکھ بلوچ ان کے مرید ہیں، مربع خلق عالم  
ہیں۔ جاہ و جلال سے زندگی گزار رہے  
ہیں۔ جو دو کرم، اخلاص و مروت میں  
بھی شہرہ آفاق ہیں۔

ان کا کتب خانہ بڑا عجیب و غریب  
کتب خانہ ہے۔ بادشاہوں اور امراء کے  
پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ پندرہ ہزار  
معتبر کتابیں اس میں موجود ہیں۔

وہ تمام مملکتِ سندھ بچو  
اوشیغے و مرشدے در زعم مرزاں  
ملک نیست۔ قریب سے ملک  
مریدانش از قوم بلوچ ہستند، و  
بکمال جاہ و جلال و رجوعاتِ خلایق  
خوش میگذرانند، در جو دو کرم و  
اخلاص و مروت ہم شہرہ آفاق۔  
در خانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب و  
غریب بہ نظر آمد کہ ہرگز وہ خانہ سلاطین  
و امرا نبوده باشد، پانزویہ ہزار جلد نامی  
از کتب معتبرہ در آن موجود است۔

انہیں مریدوں میں سے سید پیر صیغۃ اللہ نے ایسے سرفروش اور جانناز مجاہدوں  
کی جماعت تیار کی جو وقت پڑنے پر ملتِ اسلامیہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکیں  
انہیں مجاہدین کو "حر" کا لقب دیا گیا، اور یہی حر تحریک کا پہلا نقطہ تھا۔

جب سندھ میں سید صیغۃ اللہ شاہ اس دینی تحریک کی بنیاد رکھ رہے تھے  
اسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی تحریک آزادی سکھوں

سید احمد شہید ۶ صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا  
ہوئے اور شاہ عبدالقادر سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ۱۲۲۲ھ میں شاہ عبدالعزیز کے  
دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ۱۸۲۲ء مطابق ۱۸۰۹ء میں اپنے انگریزوں اور سکھوں کے  
ظلمتِ جہاد کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کی، اور ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں ۱۸۳۱ء جموں کے  
دن بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ (سیرت سید احمد شہید)



اور انگریزوں کے خلاف شروع ہو چکی تھی۔ دونوں کا نقطہ نظر ایک تھا۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم کر کے اسلامی نظام حکومت کو برقرار عمل لایا جائے، جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو تاکہ مظلوم اور دکھی انسانیت کے درد کا مداوا ہو سکے۔

حضرت سید احمد شہید پہلے ہی حضرت سید صبغۃ اللہ کی تعریف سن چکے تھے اور آپ سے ملنے کے مشاق تھے۔ جب حضرت سید احمد شہید غازیوں کے ساتھ سرحد جاتے ہوئے سندھ میں تشریف لائے اور آپ کا قیام رانی پور میں ہوا تو اتفاق سے سید صبغۃ اللہ بھی اپنے ایک سومریوں کے ساتھ رانی پور آئے ہوئے تھے۔ یہیں آپ کی پہلی ملاقات حضرت سید احمد شہید سے ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش ہوئے، اور حضرت صبغۃ اللہ نے آپ کو اپنے وطن پیرکوٹ تشریف لے چلنے کی دعوت دی۔ جس کو حضرت سید احمد شہید نے منظور فرمایا۔ کسی ضرورت سے سید صبغۃ اللہ کو ایک دن رانی پور میں ٹہرنا پڑا، لیکن آپ نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کو اپنے بھائی کے ہمراہ پیرکوٹ بھیج دیا۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۲۲۱ھ کو حضرت سید احمد شہید پیرکوٹ پہنچے۔ سید صبغۃ اللہ کے فریادوں اور بھائیوں نے یہاں تواری اور مدارات میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی، دوسرے دن سید صبغۃ اللہ بھی تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کی یہاں داری کا اس درجہ اہتمام کیا کہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، تیسرے روز سید صاحب نے انھیں باصرار روکا اور شکر میں رسد بٹنے لگی۔ تقریباً تیرہ روز حضرت سید احمد شہید پیرکوٹ میں مقیم رہے۔ اور وہاں سے شکار پور روانہ ہوئے۔

دونوں کے خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے



اپنے اہل و عیال کو پیرگوٹ میں ہی سید صبغۃ اللہ کی حفاظت میں چھوڑا، دونوں میں مسلسل خط و کتابت جاری رہی۔ حضرت سید احمد شہید کی روانگی کے وقت غالباً دونوں میں یہ فیصلہ ہوا کہ جب صحیح طور پر جنگی مرکز قائم ہو جائے گا تو سید صبغۃ اللہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ سید صبغۃ اللہ جانے کے لئے بالکل تیار تھے اور اس کی اطلاع آپ نے حضرت سید احمد شہید کو دے بھی دی تھی کہ اچانک وفات پا کر اور پشاور کا راستہ ایرانی سرداروں کے عناد کی وجہ سے مخدوش ہو گیا اور آپ مجبوراً وہاں نہ پہنچ سکے۔

جو اعتماد، خلوص اور محبت حضرت سید احمد شہید کو سید صبغۃ اللہ سے تھی اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو آپ نے سید صبغۃ اللہ کو مختلف اوقات میں لکھے۔ ہم ان میں سے چند خطوط کے اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔

ایک خط میں میدانِ جہاد سے سید صبغۃ اللہ کو تحریر فرمایا۔

آپ تمام مسلمانوں کو دعوت دیں اور مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھوں کی سرحد سے متصل محفوظ مقام پر بیٹھ جائیں اور جہاد شروع کر دیں۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ میرے اہل و عیال کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھادیں جو دشمن کی دسترس سے باہر ہو۔

جب سرحد میں حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعتِ امامت ہو چکی تو اپنے اپنے نائب بیعت لینے کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ محمد قاسم کو بیعت لینے کے لئے سندھ بھیجے ہوئے سید صبغۃ اللہ کو ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا کہ سندھ میں نیابتاً میری جانب سے بیعت لینے کے اہل صرف آپ تھے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بھائی اس کی وجہ سے رقابت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

۱۔ مکتوب سید صاحب بنام پیر صبغۃ اللہ۔ تاریخ عجیبہ ص ۲۱۸-۲۱۹



اور شاید اسی باعث اس امر سنوں کی بجا آوری سے محروم  
 رہ جائیں، لہذا میں نے نیابت کے لئے دوسرے آدمی کو بھیجا۔  
 جب آپ پنج تارے سے راج دواوی روانہ ہونے لگے تو سید صبغۃ اللہ کو  
 لکھا:-

اگر ہماری زندگی جہاد ہی میں پوری ہو جائے تو ہمارے اہل و عیال  
 کو حرمین شریفین پہنچادیں۔

غرض یہ کہ سندھ میں سید صبغۃ اللہ اول ہماری تاریخ آزادی کا وہ جلی اور روشن  
 عنوان ہیں کہ جن کو ملت اسلامیہ ہند و پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔  
**اولاد** | ان کے بعد پیر سید محمد راشدی کی اولاد راشدی خاندان سے موسوم ہوئی  
 راشدی خاندان آج بھی اپنی وجاہت، شرافت اور علمی عظمت کے لحاظ  
 سے سندھ کے ممتاز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ سندھ کے مشہور مورخ سید  
 حسام الدین راشدی اور سندھ کے مشہور صحافی پیر علی محمد راشدی یہ دونوں  
 بھائی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔



(۴۷)

شیخ الشیوخ

حضرت شیخ نوح بھکری

**حالات** حضرت شیخ نوح بھکری کو سلسلہ سہروردیہ میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے۔ ان کا شمار سندھ کے جلیل القدر صوفیاء میں ہوتا ہے اور وہ سندھ کے اولیاء کے سر تاج سمجھے جاتے ہیں۔

**بیعت** حضرت شیخ نوح بھکری نے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے مرید ہونے سے پہلے بیعت اور خلافت حاصل کی، جب حضرت بہار الدین زکریا ملتانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے مرید ہوئے اور اپنے وطن ملتان رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ

یہ شیخ نوح بھکری کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔ شیخ نوح بھکری۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی نیوزی، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروت کرنی، خواجہ داؤد طحانی، خواجہ حبیب علی، حضرت امام حسنؑ، حضرت علیؑ، حضرت محمدؑ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بزم صوفیہ ص ۹۱)۔  
تہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (سلسلہ تاسک ۲۳۲) حضرت محی الدین بن عربی کے مرید تھے اور جنید بغدادی کے کتب خیال کے لوگوں میں تھے۔ سلسلہ سہروردیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، آپ کی کتاب عوارف المعارف تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ابن خلدکان کا بیان ہے کہ آپ کے آخر عمر میں گوی آپ کا مثل وہم پایہ نہ تھا، اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ (اما خود از آریخ مشایخ چشت ص ۱۱۲)



ہمارے بہترین مریدوں میں سندھ میں ایک ہمارا مرید ہے، اُس سے ضرور ملنا، یہ چراغ، بتی اور تیل خود لے کر ہمارے پاس آئے، اور ہم نے اُن کے چراغ کو روشن کر دیا۔ حضرت بہار الدین زکریا ملتانی اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ نوح بھکری کی ملاقات کے لئے بھکر حاضر ہوئے۔ مگر یہ اُس وقت بھکر پہنچے کہ حضرت نوح واصل الی اللہ ہو چکے تھے۔

افسوس ہے کہ سندھ کے تذکروں میں اس عظیم المرتبت شیخ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کی ترقی و اشاعت انہیں بزرگ کی وجہ سے ہوئی۔

مزار | آپ کا مزار مبارک قلعہ بھکر میں واقع ہے۔

فضائل | صاحب حدیقۃ الاولیاء نے حضرت شیخ نوح بھکری کے زہد و ورع عرفان و تصوف کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آل بزرگوارِ نامدار، سر دفترِ مشائخ کبار، صاحبِ توفیق، فارسِ مضمار،  
تحقیقِ شیخ الشیوخ شیخ نوح بھکری قدس سرہ از جملہ اولیائے کرام و مشائخ عظام  
سندھ بود و از فرقہ مقبولان در گاہ و بار یافتگان خلوت بخت اللہ  
دست ارادت از شہاب الحق والدین برہان الصدق و البیقین شیخ  
شہاب الدین گرفتہ ہے

صاحب تحفۃ الکرام آپ کی تعریف و توصیف میں یوں رسم طرز ہیں۔  
شیخ نوح بھکری سروردی از اہل اولیائے سندھ و اکمل مریدان  
شیخ شہاب الدین سہروردیست ہے

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام ص ۱۲۵ اور حدیقۃ الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۱-۸۲-۸۳ سے ماخوذ ہیں۔  
۲۔ حدیقۃ الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۶-۸۷ سے تحفۃ الکرام ص ۱۲۵



# سید نظام بھکری

**حالات** | آپ کا نام سید نظام آپ کے والد کا نام سید ناصر تھا۔ خاندان سادات سے تھے۔ سندھ کے مشہور اور قدیم شہر بھکر کے رہنے والے تھے۔ صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی بزرگانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

آل شمع شبستانِ دو دمان نبوی و آل مہر سپہر خاندانِ مصطفوی  
دو حہ شجرہ ، گلبن زہرہ ، درہ بچہ صدق و صفا ، مالک مالک  
مہتری و سروری سید نظام ولد سید ناصر بھکری از جملہ واصلانِ حق  
و کاملانِ مطلق و صاحبِ حال و اہلِ قال بود۔

**سماع** | سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے اور اُس کو اپنے لئے روحانی غذا سمجھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد جب لوگ غسل و کفن سے فارغ ہوئے اور آپ کے جنازے کو اٹھانے لگے تو باوجود کوشش اور سعی کے جنازہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا، سب کے سب حیران ہو کر سوچنے لگے کہ آخر اس کی کیا

لہ سماع کے مسئلہ میں علما اور صوفیاء کا بڑا اختلاف ہے، بعض صوفیاء اس کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، کچھ علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ بعض محتاط بزرگوں کا مسلک انکارِ کیم ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں سے واقفیت کے لئے رسالہ السماع فی الرقص (ابن تیمیہ) تلخیص (ابن تیمیہ) (جوزی) رسالہ اصول السماع (رازی) کیمیائے سعادت (امام غزالی) کشف المحجوب اور رسالہ الرقص السماع کا مطالعہ کرنا چاہیے۔



وجہ ہے، آخر آپ کے صاحبزادے شاہ رکن الدین کو آپ کی وصیت یاد آئی،  
 انھوں نے لوگوں سے کہا کہ والد بزرگوار نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے مجھ سے  
 فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے کو تم ہرگز نہ اٹھا سکو گے، تا وقتیکہ نے کے ساتھ سماع کو  
 راگ سیندورہ سے نہ شروع کرو۔ چنانچہ نے نواز کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ  
 راگ سیندورہ گانا شروع کرے، چنانچہ جیسے ہی نے نواز نے گانا شروع کیا جنازہ  
 آسانی سے اٹھ گیا، یہاں تک کہ لوگ اس کو قبرستان لے آئے۔

**مزار** | آپ کا مزار روہڑی میں زیارت گاہ خلافت ہے۔



# حضرت مخدوم نوح بالائی

نام و نسب و خاندان | آپ کا اسم گرامی لطف اللہ اور لقب مخدوم نوح تھا آپ کے والد کا اسم گرامی نعمت اللہ اور والدہ کا نام بی بی راجی تھا۔ جو قبیلہ لاکھا سے تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مخدوم نوح بن مخدوم نعمت اللہ بن مخدوم اسحاق بن مخدوم شہاب الدین ابن مخدوم سرور ابن مخدوم فخر الدین صغیر۔ آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق سے جا ملتا ہے۔ آپ کے جدا علی شیخ ابو بکر کتابی، شیخ احمد، شیخ محمد، شیخ علی معروف بہ قاضی اور شیخ جلال الدین یہ پانچ حضرات سب سے پہلے آکر کوٹ کرور (حدو دلمان) میں آباد ہوئے۔

شیخ ابو بکر کتابی اپنے وقت کے عظیم المرتبت صوفی اور درویش تھے۔ آپ عوام و خواص میں شیخ شمس الدین کوٹ کروری سے مشہور ہوئے اور کوٹ کروری میں وفات پائی۔

لے یہ نسبت قبیلہ لاکندی کی طرف ہے جو حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔ لے بیاض سچیدہ قلمی ملوکہ سندھی ادبی بورڈ کے حنا پر آپ کا سلسلہ نسب ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ مخدوم نوح ولد نعمت اللہ صدیقی است، خود شان از اجداد خود خبر دادہ است۔ نعمت اللہ بن اسحاق بن مخدوم سرور ابن شیخ فخر الدین صغیر کہ در قریہ لاکندی سے شیخ عزالدین بن شیخ فخر الدین کہ در مقبرہ شیخ ابو بکر است سے شیخ ابو بکر کتابی ساکن کوٹ کرور بن شیخ اسماعیل ابن شیخ عبد اللہ عبدالقادر کہ سر سلسلہ سہروردیت۔ (بیاض کتر کتاب سچیدہ نہ ص ۲)



شیخ ابو بکر کتابی کے صاحبزادے مخدوم فخر الدین کبیر اتفاق سے سیر و سیاحت کی غرض سے سیوستان کے قرب و جوار میں تشریف لائے اور آپ و دانے کی کشش نے سندھ کو آپ کا وطن بنا دیا۔ مشہور یہ ہے کہ ابتداً آپ نے اور آپ کے متعلقین نے اپنا وطن قصبہ بوبک کو بنایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بوبک ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ سیوستان میں حضرت شہباز قلندر کے قرب و جوار میں مدفون ہوئے۔

اسی طرح حضرت مخدوم نوح کے جد مخدوم فخر الدین صغیر ایک دفعہ بطور سیر و سیاحت ہالہ کنڈی تشریف لائے۔ اہل ہالہ کنڈی نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت اور میزبانی کا شرف حاصل کیا، اور بجا جت کے ساتھ تمنا ظاہر کی کہ اگر آپ ہالہ کنڈی کو اپنا وطن بنا لیں تو ہم سب کی خوش نصیبی ہوگی۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ کی روانگی کی تاریخ آگئی۔ آپ کے ساتھیوں نے رخت سفر باندھا تو پھر اہل ہالہ نے دوبارہ اپنی تمنا ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ وہاں میرے رفقا اور وابستگان بے شمار ہیں۔ اہل ہالہ نے عرض کیا کہ اہل ہالہ بھی جو یہاں آپ کے وطن کی تمنا رکھتے ہیں، بے شمار ہیں۔ آپ نے اہل ہالہ کے اصرار پر ہالہ میں سکونت اختیار فرمائی اور اہل ہالہ بھی شب و روز جان و مال سے آپ کی خدمت میں مصروف ہو گئے پھر آپ تمام عمر ہالہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔

**ولادت** حضرت مخدوم نوح کی ولادت باسعادت ۱۱۹۰ھ میں ہوئی۔

زمانہ طفلی ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے انوار ولایت ہویا و تاباں تھے۔ اور اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتاب ولایت بننے والے ہیں۔ مشہور ہے کہ مخدوم نوح ابھی سات ہی روز کے تھے اور گہوارے میں لیٹے

تھے قصبہ بوبک ضلع دادو میں واقع ہے۔ سہ دلیل الذاکرین قلی ص ۱۶۹



ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ محلہ کی مسجد کے مؤذن نے اذان دی، اذان کے ختم ہونے پر آپ نے فرمایا کہ نعم لا الہ الا اللہ ولا نعبدہ الا ایتاہ مخلصین لہ الدین۔

**تعلیم** | آپ کی ظاہری تعلیم کے متعلق سوائے اس کے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے قرآن مجید کے پانچ پارے اول کے اور پندرہ پارے آخر کے مخدوم عربی دیانہ سے پڑھے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ

مخدوم المعظم فرمودند کہ از احسن قرآن تا بکھف رسانیدم و از بالا تا بہ وہ سپارہ خواندم و پنج میانہ خواندم و لیکن خدائے تعالیٰ دقائق و تراوی بر من مکشوف ساخت۔

لیکن علوم ظاہری کے اکتساب کے اتنا محدود ہونے پر بھی آپ قرآن مجید کی آیات محکمات و متشابہات کی تفسیر اتنی عمدگی سے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے نصحاء و بلغار آپ سے مطالب قرآنی کو سن کر محو حیرت رہتے۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ:-

و تاویلات آیات محکمات و متشابہات را بوجہ ادا میفرمودند کہ فصحاء کرام و بلنایے عظام دست از تعرض تقریر کوتاہ میداشتند و غریب تر آنکہ مکتب آنجناب از علوم ظاہریہ بیش از حفظ بیت سپارہ پنج از اول و پانزدہ از احسن فرقان مجید نبودہ۔

۱۔ دلیل الذاکرین قلمی ص ۱۶۲

۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۱۵

۳۔ دلیل الذاکرین قلمی ص ۴۲ باب ثانی در بیان مناقب و مفاخر حضرت مخدوم نوح۔



مخدوم جان محمد جو اطراف سیوستان کے رہنے والے تھے ان سے سید اسادات  
 سید حیدر ساکن موضع سنح نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ نماز پُراوا کرنے کے بعد مسجد  
 میں لیٹے ہوئے تھے کہ وہاں مخدوم نوح تشریف لے آئے۔ آپ نے ان کی طرف  
 متوجہ ہو کر فرمایا اقم الصلوة لذنکری (اللہ کے ذکر کے لئے کھڑے ہو جاؤ)  
 سید حیدر نے آپ کے اس ارشاد پر پوچھا صَن عَلَمَكَ (آپ کو کس نے  
 تعلیم دی؟) آپ نے فرمایا عَلَمَنِي رَجِي (مجھے میرے رب نے سکھلایا)  
 حضرت جلال الدین جلال محمد کی روایت ہے کہ میں نے بلا واسطہ حضرت نوح  
 سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ خدا نے تعالیٰ نے مجھے چار چیزوں سے مفتخر فرمایا  
 اول یہ کہ میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں کلام مجید کی تفسیر و  
 معانی بیان کرتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ مجھے حدیث کا علم عطا فرمایا گیا۔ چوتھے یہ کہ مجھے  
 خواب کی تعبیر کا علم بخشا گیا۔

علوم باطنی میں بھی حضرت مخدوم نوح مالانی کا علم وہی تھا۔ بظاہر آپ کسی  
 سے مرید نہیں ہوئے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ ایک روز شیخ ابو بکر قریشی نے جو حضرت بہار الدین  
 زکریا طائی کی اولاد میں سے تھے، اور حضرت مخدوم نوح سے عقیدت رکھتے تھے۔  
 مخدوم فضل اللہ سے پوچھا کہ حضرت مخدوم نوح تصوف کے کس سلسلے سے تعلق  
 رکھتے ہیں؟ وہ فرمایا وہی دوڑتے ہوئے حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے

۱۔ موضع سن سندھ کے ضلع دادو میں واقع ہے۔ ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۲۲  
 ۳۔ دلیل الذاکرین ص ۱۲۴۔ روایت ابو محمد۔

۴۔ مخدوم فضل اللہ اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں تھے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔

(۱) ابوالفتح (۲) محمد حسین (۳) عنایت اللہ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۲۵)



ابھی وہ زبان سے کچھ کہہ بھی نہ پائے تھے کہ آپ نے فرمایا لَيْسَ لَكَ مِنْ دُونِهِ شَفِيعٌ وَلَا وَطِي (میرا اس کے پاس نہ کوئی شفیع ہے نہ ولی) اس سے اس طرف بلیغ اشارہ تھا کہ میں فیضان کے حصول میں کسی کا مرید نہیں ہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپ ﷺ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سید علی شیرازی کے مکان میں قیام فرماتے تھے، حضرت سید علی شیرازی کے صاحبزادے سید جلال نے پوچھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ کی ارادت حضرت علی کریم اشرف وجہ سے ہے؟ فرمایا ہاں بغیر اس درگاہِ خلافت پناہ کے کوئی شخص بھی فائز نہیں ہو سکتا لیکن میں نے چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید مخدوم عربی دیان سے پڑھا تھا۔

میاں محمود کا بیان ہے کہ ایک روز ایک صاحب جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کو خلافت دینے اور فائدہ پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا ہوں، اور کہمیا بھی جانتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو آپ کو کہمیا سکھا سکتا ہوں جو شاید کسی وقت آپ کے کام آئے، فرمایا کہ جس روز سے بارگاہِ نبویؐ کی خدمت سے شرف اندوز ہوا ہوں دنیا کی ہوس میرے دل سے نکل گئی، یہ کہہ کر ایک درم منگایا، اس پر مٹی ملی وہ بالکل کھرا سونا بن گیا۔

ان تمام روایتوں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے علوم باطنی میں کتاب کسی شیخ سے نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا علم وہی اور منجانب اللہ تھا۔

**عبادت** | آپ کا تمام وقت عبادت اور یادِ الہی میں گزرتا تھا اور ہر وقت زبان پر ذکرِ الہی جاری رہتا تھا۔ ہمیشہ لبِ مبارک حرکت کرتے رہتے تھے، حجامت کے وقت حجام سوچتا تھا کہ اگر ایک منٹ کے لئے حضرت

لے یہ تینوں روایتیں دلیل الذاکرین قلبی ص ۲۸-۲۹-۳۰ سے ماخوذ ہیں۔



سکوت فرمائیں تو وہ مونچھوں کو درست کر دے۔ آپ حجام کے چہرے سے اُس کے ارادے کا اندازہ کر کے فرماتے، میاں حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کا حجام جب حجامت بناتا اور مونچھیں درست کرنے کا ارادہ کرتا تو کہتا، اے امام المسلمین ذرا ہونٹوں کی حرکت روکنے تاکہ میں مونچھوں کو درست کر دوں، وہ فرماتے اگر تم آفتاب اور آسمان کی حرکت کو روک دو تو ہم بھی اپنے ہونٹوں کی حرکت روک سکتے ہیں بلکہ

**توکل** | مخدوم نوح کو توکل اور قناعت جیسے حد عزیز تھا۔ آپ اس کو توکل کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ دوسرے دن کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح کے یہاں ایک بہان آیا، آپ اُس کی تواضع اور مدارات کے لئے گھر میں تشریف لے گئے اور بیوی صاحبہ سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا بہت کچھ ہے، آپ نے فرمایا کیا ایک سیر غلہ ہوگا۔ بیوی صاحبہ نے فرمایا ایک سیر سے بھی زیادہ ہے، آپ کے بار بار پوچھنے اور سوال و جواب پر انہوں نے فرمایا چار سیر غلہ موجود ہے، اور اس کے سوا خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ یہ سن کر حضرت مخدوم گھر سے واپس ہوئے اور فرمایا گھر میں اس قدر سامان رکھنا شانِ توکل سے بعید ہے اور کل کے لئے (غلہ کا) ذخیرہ کرنا رازقِ ارزاق پر بھروسے کے خلاف ہے، یہ کہہ کر اسی وقت آپ نے فقیر فقرا کو آواز دی اور جو کچھ گھر میں موجود تھا وہ ان کے حوالے کر دیا۔

انتہا یہ ہے کہ اپنی معمولی سے معمولی ضرورتوں میں بھی کسی سے سوال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح بخار میں مبتلا ہو کر اپنے حجرے



میں تشریف رکھتے تھے۔ حجرے میں ایک لڑکا جو آپ کے گھر کا پلا ہوا تھا، سامنے موجود تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ہم اور تم دونوں کے دونوں خدا کے بندے ہیں لیکن چونکہ تمہارے رزق کی کفالت ہم پر اور ہماری خدمت تم پر لازم ہے، اس لئے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ لڑکا یہ سن کر ہنستا ہوا بھاگ گیا اور پانی نہیں لایا، فرمایا الحمد للہ کہ میں نے تمام عمر میں یہی ایک سوال کیا تھا، اور وہ بھی قبول نہ ہوا۔

**استجابِ دعا** | بیحد مستجاب الدعوات تھے، منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک شکر فتح سندھ کے لئے بھیجا گیا۔

لوگوں نے آکر حضرت مخدوم نوح کو اطلاع دی۔ فرمایا انشاء اللہ انجام بخیر ہوگا یہاں تک کہ وہ لشکر بالہ کنڈی کے قرب دجوار کو تاخت و تاراج کرتا ہوا ہالہ پہنچ گیا۔ بالہ کنڈی کے رہنے والے اور اہل خانقاہ لرزاں و ترساں آپ کی خدمت میں پہنچے اور حالات عرض کئے، فرمایا تھوڑی سی مٹی لاؤ، لوگ مٹی لے کر آئے، اپنے اس مٹی پر یہ دعا پڑھی اللھم لک الحمد و لک المجد و لک الشکر و الیک المتکاء و انت المستعان و علیک التکلان و منک الفرج و لاحول و لا قوۃ الا باللہ العظیم و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین یہ کہہ کر مٹی آپ نے اُس شکر کی طرف پھینکی، کہتے ہیں کہ شکر اس بُری طرح بھاگا کہ اپنے ملک تک دو روز ایک جگہ قیام نہ کر سکا اور اپنا بہت سا اسباب و سامان چھوڑ گیا۔

**اتباعِ شریعت** | آپ اپنے مریدوں کو خصوصیت کے ساتھ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم

لہ دلیل الذاکرین ص ۵۵ کے دلیل الذاکرین ص ۵۷



فوج سے عرض کیا کہ درویش رکن الدین ابن دتیبہ کو جو اپنے کشف و کرامات میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہر ذمی روح کہ روئے زمین پر ہے، اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ سب مر جائیں تو مجھے اُمید ہے کہ یہ دعا قبول ہوگی اور سب مر جائیں گے۔ شیخ برکیہ کا تیار نے جو اس مجلس میں حاضر تھے عرض کیا کہ اگر میں کہوں کہ خدا سب کو زندہ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ خدا نے تعالیٰ سب کو زندہ کر دے گا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہیں چاہیے کہ اسلامی تعلیمات سے مردہ دلوں کو زندہ کرو اور کوئی ایسی بات جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی زبان پر نہ لاؤ کہ اس دنیا میں سارے عالم کا بیک وقت مرنا اور جینا محالات میں سے ہے۔

شیخ درویش محبوب بکانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے مخدوم معظم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ذکر الہی تنہائی میں کرو۔ کسی نامحرم عورت سے بات نہ کرو۔ فراق و فجار کی صحبت سے پرہیز کرو۔ علماء سے بحث و مجادلہ نہ کرو۔ دنیا داروں اور بادشاہوں کے گھروں پر نہ جاؤ۔ اگر وہ بلائیں تو جانے سے انکار کر دو۔

**خدمتِ خلق** | خدمتِ خلق حضرت مخدوم کا خاص شعار تھا۔ حاجی عبد اللہ

ابن حاجی ہارون کی روایت ہے کہ حضرت بہار الدین زکریا کی اولاد میں سے بعض لوگوں نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ ولی عہد ہم کو ہمارے وطن ٹھٹھہ سے شہر بدر کرنا چاہتا ہے؟ فرمایا کہ تقدیر پر راضی رہو اور اطاعت کرو۔ پھر وہ اپنے اسلاف سے باطن میں اور اپنے موجودہ بزرگوں سے ظاہر میں امداد کے خواہاں ہوئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ یہ کام عہد حاضر کے شیخ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ پھر حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے اور آپ کو خدا رسول کا

لے دلیل الذاکرین ص ۱۱۳ ۱۱۳ دلیل الذاکرین ص ۱۱۳



واسطہ دے کر دارالسلطنت ٹھٹھ لے گئے۔ آپ نے مسجد جامع فرخ میں قیام فرمایا  
ٹھٹھ کے فرمانروا میرزا عبدالباقی کو آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو قدوسی  
کے لئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کی تشریف آوری کے لئے ممتون ہوں آپ نے  
فرمایا جو اولیاء اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے اُس پر فرشتے (پرنڈوں کی شکل میں) مسلط ہوتے  
ہیں کہ اُن کی چونچیں الماس سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں، ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے  
کہ فضا میں پرنڈے ظاہر ہوئے، جنھیں پوری مجلس نے دیکھا، میرزا عبدالباقی  
نے ڈرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ وہ آپ سے عرض کرے کہ ان کی شہر بدری اس کے دادا  
کے حکم کی بنا پر ہے کہ جس کے حکم سے وہ تخت پر بیٹھا ہے۔ ابھی وہ یہ بات زبان  
سے کہہ بھی نہ پایا تھا کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم اس پر صلح کر لو کہ ملک  
ان کو مالک محروسہ سے بدر نہ کریں اور سوائے شہر کے وہ ممالک محروسہ میں جہاں  
چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ میرزا عبدالباقی نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اسکے  
بعد ان میں سے بعض پرگنہ لکرا اور بعض شہر بدین میں آباد ہو گئے۔

**تصنیف** تصنیف و تالیف سے گریز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سید اسماعیل  
بخاری نے جو آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ ارادہ کیا کہ جو کچھ آپ

زبان مبارک سے فرماتے ہیں اس کو لکھ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا میاں  
طالب حق قدرت کے قلم سے ان باتوں کو صحیفہ دل پر لکھتا ہے، کاغذ پر نہیں لکھتا۔  
کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ بزرگان سلف کی طرح خیال ہوتا ہے کہ تصوف

پر ایسی جامع کتاب لکھی جائے کہ قدامت کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔  
لیکن ادب ہمیشہ مجھے اس خیال سے مانع رہا۔ میرے مریدین مستقل تصوف کی کتاب  
ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ بزرگوں کے قول کے مطابق اور شریعت کے

لئے دلیل الزاکرین ص ۱۱۱ روایت حاجی عبدالمنہج حاجی ہارون۔



موافق ہوتا ہے۔

**پہلا مرید** | شیخ محمود ابن صدیق فخری کا بیان ہے کہ جن دو بزرگوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم نوح سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین حاصل کی، ان میں سب سے پہلے مخدوم ساہر لہنجاہ، اور دوسرے شیخ ہوتی لاکھا ہیں۔ حضرت مخدوم خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح جناب رسالت مآب نے چار صحابہ کو اختیار فرمایا تھا، فقیر کے بھی مریدوں میں چار یار بڑے ہیں۔ ان میں ایک خلاصہ آل طہ و تسنین سید ابو بکر لکھلوی ہیں۔

**ملفوظات** | حضرت مخدوم کے ملفوظات دلیل الذاکرین میں بڑی کثرت سے نقل کئے گئے ہیں جو اثر و تاثر، حکمت و مواعظت اور بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔ ہم ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مخدوم سے بادشاہ وقت نے پوچھا کہ بعض فقرا یہ بتا دیتے ہیں کہ حاطہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے، اور بارش کب برسے گی اور بعض مستقبل کے حالات بھی بتا دیتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔ ان اللہ عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غداً۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ مخدوم نوح نے فرمایا کہ اگر تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ آیت میں لفظ نفس ہے نہ روح، اور فقیر جو کہتے ہیں وہ نفس سے نہیں کہتے، بلکہ وہ نفس سے گزر کر تخلّقوا باخلاق اللہ سے متصف ہو جاتے ہیں پھر اس بادشاہ نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ میں اس پر عمل کروں، فرمایا کہ بغیر سیاست کے ملک اہل فساد، دشمنوں اور ڈاکوؤں سے محفوظ نہیں رہتا اور

۱۲۸ سے دلیل الذاکرین ص ۱۵۵



سیاست و انتظام لشکر اور فرج کی خوشنودی سے بہتر ہوتا ہے، اور لشکر خزانے سے جمع ہوتا ہے اور خزانہ بغیر رعیت کے حاصل نہیں ہوتا، اور رعیت کی آبادی اور خزانے کی معموری عدل و انصاف پر منحصر ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے نصیحت کی استدعا کی۔ ان بزرگ نے فرمایا مملکت کی حفاظت کے لئے تین قلعے ضروری ہیں تاکہ وہ اپنے معاندوں اور مخالفوں سے محفوظ رہے، پہلا قلعہ مٹی کا ہے وہ رعیت ہے۔ اس قلعے کو عدل و انصاف کے گادے سے اس طرح مضبوط کرنا چاہیے کہ کسی ظلم کی وجہ سے اس میں رخسہ نہ پڑے۔ دوسرا قلعہ لوہے کا ہے وہ لشکر ہے جس کی تعمیر انعام و بخشش سے ہوتی ہے، یہی لوگ ملک کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور عوام ان کی حمایت میں رہ کر مامون رہتے ہیں۔ تیسرا قلعہ فولاد کا ہے وہ اہل اللہ ہیں۔ بادشاہ کو چاہیے کہ بیت المال میں ان کا جو حصہ ہے وہ ان کو دے، اور ان کو اتنی فراغت بہم پہنچائے کہ وہ مدارس میں اطمینان سے درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ اور سلطنت کی بقا کے لئے دعا فرمائیں۔ بادشاہ کا یہ فرض بھی ہے کہ ہمیشہ ان کو معزز و مکرم رکھے اور ان کی معیشت کے انتظام کو اپنے لئے لازم جانے اور اپنے کو ان کی دعاؤں کا محتاج تصور کرے، اپنی حاجات و مطالب کو صدق دل اور خلوص کے ساتھ ان کے سامنے دعا کے لئے پیش کرے کہ حقیقت میں ملک کا نظم و نسق انھیں اہل دل کے ہاتھ میں ہے۔

بعض مرتبہ مریدین کو نہایت ہی لطیف انداز میں اس طرح تربیت فرماتے کہ سننے والے اس سے اثر لیتے اور انھیں ناگوار بھی نہ گزرتا تھا۔

ایک دفعہ درویش سارا عرف بہار اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ دست بوسی کا شرف حاصل کر چکے



تو آپ نے ان کے ایک ساتھی درویش عثمان سے پوچھا کہ اس جماعت کا سردار کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ فلاں ہے کہ جو حضور کے مریدوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا میرزا بن کی تکلیف کا باعث ہے کہ جہاں وہ شب بسر کریں گے، ساتھی چار آدمیوں سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں کہ جو ایک پیارے میں کھا سکیں۔

درویش یحییٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بی بی مریم نے حضرت مخدوم سے وسعتِ رزق کی دعا کے لئے عرض کیا، فرمایا جو تمہارا مقدر ہے اللہ اس سے کم نہیں کرے گا۔ اور دوسروں کا نصیب تمہیں نہیں دیا جاسکتا۔ اور جو تمہیں نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے سرگرداں نہ ہو اور جو تمہارا مقدر ہے اس کے حصول کے لئے تمہیں پریشان نہ ہونا چاہیے۔

ایک دفعہ لوگوں نے مخدوم نوح سے پوچھا کہ حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے فرمایا کہ حبیب عشوقیت کا مرتبہ رکھتا ہے اور خلیل عاشقییت کا۔ حبیب ناز کی منزل میں ہوتا ہے اور خلیل نیاز کی۔ حبیب کو دوست چاہتا ہے اور خلیل دوست کے لئے تڑپتا ہے۔

بعض مرتبہ سوفیا کے رموزی اقوال کی نہایت عجیب انداز میں توضیح فرماتے ایک مرتبہ کسی نے سلطان العارفین بایزید بسطامی کے اس قول کا مطلب پوچھا کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ بایزید کی احتیاج رکھتا ہے لیکن بایزید اس کا محتاج نہیں، فرمایا یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آئینہ گر آئینہ بنا رہے۔ لیکن اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ کا محتاج ہے۔

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۵۹ ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۹۸ ۳۔ دلیل الذاکرین ص ۱۰۱  
۴۔ دلیل الذاکرین ص ۱۰۱



شرعی مسائل کو بھی اپنے انداز سے بیان فرماتے اور قرآن مجید سے استنباط فرماتے۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بدبخت کہا، علماء ظاہر نے فتویٰ دیا کہ اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا کہ بدبخت کافر کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **وَالَّذِينَ شَقَّوْا حُنْفَى النَّارِ** اس بنا پر لازم ہے کہ یہ تہیہ نکاح کرے۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو نے دیگچی چانی تو تجھے طلاق ہے، عورت نے دیگچی چاٹی۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ اس کو طلاق ہو گئی۔ مخدوم نوح نے سنا تو فرمایا اس کو کیسے طلاق ہو سکتی ہے اس نے تو انگلیاں چانی ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ العلم حجاب الابرک کا کیا مطلب ہے، فرمایا کہ یہ حجاب عینک کی طرح ہے کہ جو بصرا اور بصیرت کو نور بخشے والا ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ خدا مجھے علم نصیب کرے۔ فرمایا کہ علم کے حصول سے علیم کا حصول مقصود ہے، جس نے صرف علم کے حصول کی دعا چاہی اسے صرف علم حاصل ہوتا ہے۔

ان صاحب کا بیان ہے کہ مجھے تمام عمر اس کا افسوس رہا کہ میں نے آپ سے اسی وقت کیوں نہ عرض کیا کہ میرے لئے علم اور علیم کے حصول کی دعا فرمائیے۔ فرمایا کہ نماز میں تکبیر اولیٰ مثل چراغ کے ہے کہ جو کچھ تاریک گھر میں ہوتا ہے چراغ کے روشن ہونے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

محمود ابن صدیق فخریہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز **علوئے مرتبت** اپنے معلم کے ساتھ جن سے میں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل

۱۵ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۶ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۷ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۸ دلیل الذاکرین ص ۱۵



کی تھی۔ قبیلہ اُنز کے بزرگ مخدوم ساند کی خدمت میں گیا۔ ہم دونوں کے مجلس میں بیٹھے  
 ہی مخدوم ساند نے مجلس کو مخاطب ہوئے ہوئے فرمایا کہ ایک روز مخدوم نوح نماز  
 چاشت کے لئے دریا کے کنارے تشریف لائے کہ اچانک ایک صاحب نے جو خوبصورت  
 بھی تھے اور معنوی خوبیاں بھی حدِ کمال تک اپنے اندر رکھتے تھے۔ انھوں نے فرمایا، اے  
 میرے مخدوم! سندھ کا بادشاہ میرزا پائندہ بیگ جو مجنون ہو گیا ہے، لوگ اُس کے  
 لئے آپ سے دعا کے خواستگار ہوں گے۔ آپ ہرگز اس کے حق میں دعا نہ فرمائیں  
 یہ بات اُن صاحب نے تین مرتبہ مخدوم معظم سے عرض کی، حضرت مخدوم نے فرمایا  
 اے مخدوم لعل شہباز آپ کے ارشاد کے مطابق میں ہرگز اس کے لئے دعا نہیں  
 کروں گا۔ آخر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرزا پائندہ بیگ کے لئے دعائے شفا  
 کے طالب ہوئے، آپ نے انکار فرما دیا۔ مخدوم ساند نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ  
 پھر یہ لوگ میرے پاس آئے اور دعا کے طالب ہوئے۔ میں نے اُن سے کہا کہ جس  
 کے لئے حضرت مخدوم نوح نے دعا نہیں فرمائی، میری کیا مجال ہے کہ میں اس کے  
 لئے دعا کروں۔ واقعہ یہ تھا کہ میرزا پائندہ بیگ نے مخدوم لعل شہباز کے روضہ  
 مبارک کے قریب ایک عورت پر دست درازی کی تھی۔ اسی وقت وہ دیوانہ ہو گیا  
 اور اپنا پیشاب و پاخانہ کھانے لگا۔

۱۔ مرزا پائندہ بیگ، مرزا محمد بانی ترخان کا بیٹا تھا، چونکہ مرزا پائندہ بیگ مجنون ہو گیا تھا۔ لہذا  
 اس کی جگہ ٹھٹھ کے امراء نے حکومت نے ۹۹۲ھ میں مرزا محمد بانی کی وفات کے بعد مرزا پائندہ بیگ  
 کے بیٹے مرزا جانی بیگ کو ٹھٹھ کا بادشاہ بنایا۔ مرزا پائندہ بیگ شاعر بھی تھا۔ صاحب مقالات الشعراء  
 نے اس کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

فلک بکام کہ گردید کاثر شش نفلند      ترانہ سنگِ فلاخن تیاں باید کرد  
 میروم نعرہ زناں تا بدر دوست فلے      ترسم آں یار شود آگ و برہم گردد  
 (معنوی ص ۲۱۷ و مقالات الشعراء مطبوعہ ۱۱۹)      ۲۔ دلیل الناظرین ص ۲۹۱



**وفات** مخدوم نوح ستاسی سال کی عمر میں ۲۰ ذیقعدہ شب پنجشنبہ ۹۹۸ھ کو واصل الی اللہ ہوئے، صاحب عدیقۃ الاولیاء نے "شیخ بنوح بود" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ آپ کا مزار پراوار لہ کنڈی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

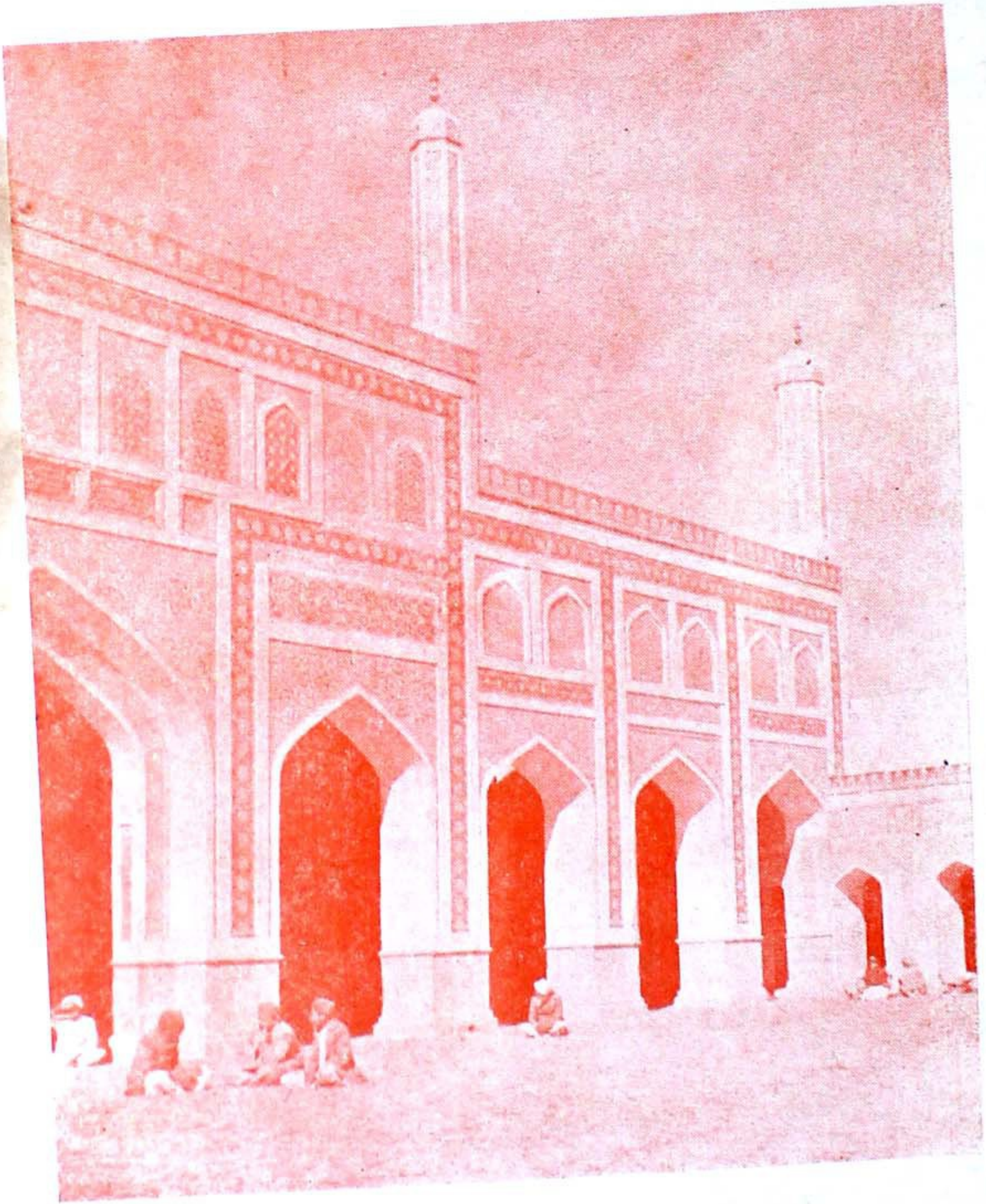
**ازواج و اولاد** حضرت مخدوم نوح کے چار بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی قبیلہ ترک سے تھیں، ان کا عزت باجا رہتا، ان سے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام محمد امین تھا۔ جن کو آپ کے بعد خلافت ملی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام میاں حامد اور تیسرے صاحبزادے کا نام میاں نور محمد اور چوتھے صاحبزادے کا نام میاں احمد تھا۔ لڑکیوں میں ایک صاحبزادی کا نام بی بی تاج خاتون تھا جو میاں محمود سے بیاہی گئی تھیں۔ دوسری صاحبزادی بی بی رقیہ تھیں جن کی نسبت میاں قاسم ابن عبداللہ سے ہوئی تھی۔ تیسری صاحبزادی بی بی مریم تھیں جو سید عبداللہ بن یعقوب سادات تغلوی سے منسوب تھیں۔ چوتھی صاحبزادی بی بی صحت خاتون تھیں جو میاں صالح محمد بن قاسم سے منسوب تھیں۔ دوسری بیوی سے آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں، میاں داؤد۔ میاں موسیٰ۔ میاں ہارون۔ میاں یوسف۔ میاں آدم۔

تیسری بیوی سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ صاحبزادوں میں یہ ہیں۔ میاں میراں محمد۔ میاں ابراہیم طقب بہ ادھم ثانی۔ میاں جلال اللہ ابن صاحبزادی کا نام بی بی بیانی تھا جو میاں اللہ داد سے جو حضرت بلال کے پسر سے تھے، بیاہی گئی تھیں۔ حضرت بلال مخدوم نوح کے حقیقی بھائی تھے۔ چوتھی بیوی قبیلہ سحتر سے تھیں۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

۱۔ عدیقۃ الاولیاء قطبی مملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۱۳۹ ۲۔ یہ تمام تفصیل دلیل الذکرین ص ۱۶۳-۱۶۴ سے ماخوذ ہے۔



ایں چراغے ست کہ از پرتو نورش در سند  
هر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند



درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی قدس سرہ  
واقع ہالہ نو - ضلع حیدرآباد سندھ  
جن سے تمام سندھ میں عرفان و ہدایت کا نور پھیلا  
(بشکریہ جناب مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ)  
سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی







صاحب دلیل الذاکرین کا بیان ہے کہ آپ کے سب صاحبزادے نہایت متقی و پرہیزگار اور متشرع تھے اور قولاً و فعلاً ان سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہوتی تھی جو شریعت کے خلاف ہو۔ ان میں سے بارہ صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی۔ اور باقی بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

**میاں محمد امین** حضرت مخدوم نوح کی وفات کے بعد حضرت محمد امین حضرت مخدوم کے جانشین ہو کر سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ زہد و تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے۔ ان سے تصوف و عرفان کا نور سارے ستارے میں پھیلا۔

**میاں ابراہیم ادھم ثانی** میاں ابراہیم ادھم ثانی بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے، ان کے توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ باوجود فقر اور کثرتِ اولاد کے کل کے لئے کوئی چیز نہ رکھتے تھے، کبھی کبھی عید کے روز بھی آپ کے یہاں فاقہ ہوتا تو فرماتے الحمد للہ ہم رسول اکرم کی سنت بجا لارہے ہیں کہ ایک دن عید کے روز جناب رسالت مآب کے اہل بیت بھی فاقے سے تھے۔ ایک روز ادھم ثانی حضرت ابراہیم مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سندھ کے بادشاہ میرزا جانی نے وفات پائی۔ اب اس کی جگہ کون تختِ سلطنت پر بیٹھے گا حاضرین مجلس ادب کی وجہ سے خاموش رہے حضرت عیسیٰ لکھنوی جو اس زمانے میں اپنے کشف و کرامات میں مشہور تھے، اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ بہت ادب سے دوڑا تو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھے اور عرض کیا کہ اس ملک کی سلطنت کی دستار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میرزا غازی نے پائی ہے۔

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۹۵ و ص ۱۰۲ ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۰۱ ۳۔ دلیل الذاکرین ص ۱۰۲



## حضرت جلال محمد

حضرت جلال محمد بھی نہایت ہی بزرگ اور متورع تھے۔

زبان مبارک سے جو کچھ فرمادیتے وہ فوراً پورا ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت جلال محمد نواب شاد خان سے جو اس وقت ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔

ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ بد بخت نہایت بے التفاتی سے پیش آیا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ مردک اس قابل نہیں کہ اسے حکومت پر رکھا جائے، اس کو فلاں

جگہ بھیج دینا چاہیے، اور اس کی جگہ ٹھٹھہ کی حکومت امیر خاں کو ملنی چاہیے چنانچہ

چند ہی روز کے بعد شاد خان کو ٹھٹھہ کی گورنری سے ہٹا پڑا اور اس کی جگہ

امیر خاں ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا۔

حضرت مخدوم نوح کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

## یارانِ مخدوم نوح

سندھ کے اکثر اکابر صوفیا آپ ہی کے سلسلے سے متعلق نظر

آتے ہیں۔ آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کو یاروں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم سے سوال کیا کہ آپ کے مریدوں کو یار کہتے ہیں۔

حالانکہ آپ سے پہلے جتنے بزرگ گزرے ہیں ان کے ارادتمندوں کو مرید کہا جاتا تھا

آپ نے فرمایا کہ فقیر کا قدم چونکہ رسول اکرم کے قدم پر شریعت کے عین مطابق ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بھی چونکہ یار کہلاتے تھے۔ اس لئے

میرے ساتھی اور معتقدین بھی یار کہلاتے ہیں۔ آپ کے مریدین اور خلفا میں جو حضرات

مشہور ہیں وہ یہ ہیں :-

(۲) شیخ المشائخ ہوتی لاکھا

(۱) مخدوم ساہر لہنجا

۱۔ نواب شاد خان ۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ء تک ٹھٹھہ کا گورنر رہا۔ اس کے بعد ابوالبقا امیر خاں

کو جو سیون میں تھا ٹھٹھہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ ابوالبقا امیر خاں نے ۱۰۵۴ء میں وفات پائی (بادشاہ

نامہ جلد ۲ ص ۲۳) ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۸۲ ۳۔ دلیل الذاکرین باب ثالث ص ۱۸۴۔



(۳) سید ابوبکر لکھنوی (۴) سید عبد الکریم متعلوی

(۵) حضرت بہاء الدین دلق پوش (۶) حضرت عثمان عصار

(۷) سید علی مستوی (۸) درویش جمعہ جاریجہ

(۹) میاں متھانفیر (۱۰) حضرت نوح کاریہ

(۱۱) حضرت شیخ محمود ولد صدیق فخریہ -

(۱۲) درویش زکریا (۱۳) سید اسماعیل بخاری

(۱۴) حسین تمیم (۱۵) میرن کاتیار

(۱۶) ہاشم بن حماد (۱۷) یحییٰ بوائیہ

(۱۸) قطب بری (۱۹) حاجی لکرہ بوریابان

(۲۰) درویش عثمان متقی (۲۱) درویش امین ساکن قریہ لکری

**ساہر لنجار** حضرت ساہر لنجار مخدوم نوح کے جلیل القدر خلفا اور مریدوں میں

تھے۔ ساہر لنجار ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے

حضرت مخدوم کے حلقہ عقیدت کو آویزہ گوش بنایا۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ

جنہوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تلقین حاصل

کی ان میں سے قدوة الابرار مخدوم ساہر لنجار ہیں اور دوسرے شیخ المشائخ ہونے لاکھا ہیں۔

ساہر لنجار کا مزار موضع انر پور میں ہے۔

**سید ابوبکر لکھنوی** سید ابوبکر لکھنوی کا شمار بھی آپ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے چار اصحاب کو چنا تھا۔ میرے یاروں میں چار

۱۸۵ باب ثالث در بیان مناقب و مفاخر ارادہ داران و یاران مخدوم معظم

۱۳۹



بڑے یاد ہیں۔ اُن میں سے ایک منبع برکات ، خلاصہ آل طہ و نین سید ابو بکر  
لکھنوی میں ہے۔

سید ابو بکر لکھنوی اپنے شیخ سے بحد عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کی  
محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ٹھٹھ سے بہت سے  
تحائف و ہدایا کشتی میں لا کر اپنے شیخ کے لئے ہالہ کنڈی لائے۔ جب شیخ کی مسجد  
کے دروازے میں قدم رکھا تو انھیں یاد آیا کہ وہ سرگھر میں بھول آئے ہیں جو انھوں  
نے شیخ کے لئے رکھا تھا، اسی وقت وہ ٹھٹھ واپس ہوئے، اور وہ سر  
لے کر آئے۔

اگر آپ بہت سا سامان، قیمتی لباس، نقد اور بہت سی چیزیں جو کچھ بھی  
ملتا شیخ کی خدمت میں لاتے۔ آپ کے صاحبزادے عرض کرتے کہ آجکل ہم ضرورت مند  
اور قرضدار ہیں۔ اگر اس میں سے کچھ ٹھوڑا سا ہمیں بھی عنایت فرمایا جائے تو ہم اپنی  
ضروریات زندگی کو پورا کر سکیں گے اور اپنا قرض ادا کر سکیں گے۔ لیکن آپ اُن کی طرف  
توجہ نہ فرماتے، اور سب سامان لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جب وہ  
اس ساز و سامان کے ساتھ مخدوم کی مجلس میں پہنچتے تو مخدوم اُن سے فرماتے کہ اے  
سید! اولاد کا حق بھی لوازم شرعی میں ہے جسے تمہیں ادا کرنا چاہیے اور ہماری  
کفالت کے لئے تو ہذا کافی ہے۔ من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ  
تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم اپنے فرزندوں کی مدد کرو۔ جب وہ دیکھتے کہ شیخ  
ان تحائف کو قبول کرنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو حضرت مخدوم کی بیوی سے  
عرض کرتے کہ حضرت سے عرض کیجئے کہ میرے بال بچوں کو خدا کے سپرد فرمائیں  
کیونکہ مشہور ہے کہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ خرچ ہو کر رہے گا، اور جو اللہ کے



پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اللہ کا انعام عام اور اس کی نعمتیں مکمل ہیں۔ اسی کی بخشش سے کام چلتا ہے، اور ہماری داد و دہش سے کیا پورا ہو سکتا ہے۔ مخدوم ان کے پیغام کو سنتے تو ان کے حسن عقیدت اور خلوص کو دیکھ کر دعائیں دیتے اور فرماتے کہ تمہاری اولاد میں چودہ پشت تک فقیروں کی دعا سے میرا اور پیرہوں گے۔ اور وہ تمہاری عبادت اور خدمت کا صلہ پائیں گے۔

بعض کرامات کے اظہار پر حضرت مخدوم نے ان کو منع فرمایا کہ اس قسم کی کرامتیں ظاہر کرنا فقراء کے مناسب نہیں۔ خصوصاً ہمارے یاروں کے لئے جو شریعت کے جادے پر استقامت اور مضبوطی سے قدم جاتے ہوئے ہیں۔ سید ابو بکر نے شیخ کے ارشاد کو جب سنا تو نادم ہو کر چار چلے توبہ و استغفار میں گزارے۔ سید ابو بکر کی عادت مبارک تھی کہ جو کچھ اپنے شیخ سے سنتے فوراً اس پر عمل کرتے۔

حضرت بہار الدین دلق پوش | حضرت بہار الدین دلق پوش، حضرت مخدوم کے اہم خادموں اور جلیل القدر خلفاء میں

تھے۔ ابتداءً یہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ثانی سے عقیدت رکھتے تھے، بعد میں حضرت مخدوم نوح کے حلقہ عقیدت کے لوگوں سے متعارف ہو کر حضرت درویش جمعہ جاریجہ کے توسط سے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک خدمت اقدس میں رہ کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر ان کو یہ شرف بھی حضرت مخدوم نے بخشا کہ اپنے صاحبزادوں کا معلم مقرر فرمایا۔

حضرت بہار الدین اپنے وقت کا بڑا حصہ عبادت الہی میں صرف کرتے اس کے بعد جو وقت ملتا وہ قرآن مجید، احادیث، کتب فقہ اور تصوف کے لکھنے میں گزارتے

۱۔ دلیل الزاکرین ص ۱۸۶ دوسری روایتوں سے بقیہ تین حضرات کے اسلئے گرامی بھی معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں درویش عمر، عثمان عصا، اور حضرت سید علی ستوری۔ ۲۔ دلیل الزاکرین ص ۱۸۹



یہاں تک کہ کھانا کھاتے ہوئے اور لقمہ کو چباتے ہوئے بھی وہ لکھنے میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد جو وقت ملتا وہ وقت قال اللہ وقال الرسول میں صرف فرماتے۔ ایک کلام مجید رات میں اور ایک کلام مجید دن میں اور ایک کلام مجید تراویح میں ختم کرتے تھے۔ رمضان میں رات کو بعض اوقات تین کلام مجید مع اپنے اور اور وظائف کے لوگوں کے سحری کے لئے اٹھنے سے پہلے ختم کرتے۔

حضرت بہار الدین دلق پوش جب پہلی مرتبہ حضرت مخدوم کی خدمت حاضر ہوئے تو پوچھا کیا میں ہمیشہ باو غنور ہوں۔ آپ نے ان کا سوال سن کر فرمایا، یہ آدمی عقلمندوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضو کے ہتھیار کا طالب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ الوضو سلاح النبو من اس دن کے بعد سے شیخ بہار الدین کی یہ کیفیت رہی کہ وہ اکثر اوقات صبح کی وضو سے عشاء کی نماز ادا فرماتے، اور تہجد کی وضو سے چاشت کی نماز ادا کرتے۔

ظالم و جابر لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے حضرت بہار الدین دلق پوش پر مظالم کئے، آپ نے کبھی بددعا نہ فرمائی۔

عہد جہانگیری میں شریف الملک کور جو ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔ جب شاہزادہ خرم

لے دلیل الذاکرین ص ۱۹۹

۱۰۳۵ء شریف الملک معروف بہ شریف خان یک چشم ۱۰۳۵ء میں ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔ اسی سال یعنی جہانگیری کی تخت نشینی کے اکیسویں سال شاہزادہ شاہجہاں اپنے والد سے ناراض ہو کر عراق عجم کے ارادے سے اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ ٹھٹھہ پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چند روز ٹھٹھہ رہ کر آگے چلا جائے۔ شریف الملک نے غالباً جہانگیری کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہزادہ پر چند مرتبہ توپوں اور بندوقوں سے یورش کی، پیر بدر کے مزار کے نزدیک اور مکلی کے پل کے متصل بڑی سخت جنگ ہوئی۔ آخر شریف الملک نے شکست کھائی۔ کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں شاہزادہ خرم کی بیوی جو اس کے ساتھ تھی اور حاطہ تھی۔ اس نے انار کی خواہش ظاہر کی، شاہزادہ نے اپنی



دہلی سے اپنے باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھہ آیا تو وہ حضرت بہاء الدین کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور آئندہ بادشاہ ہونے کے لئے دعا کا خواستگار ہوا، اپنے آیت الکرسی لکھ کر شاہزادہ خرم کو دی کہ وہ اپنے جھنڈے میں اس کو باندھ لے، اور فرمایا کہ دہلی کا تاج و تخت تمہارا مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی تمہارا حریف نہیں بن سکتا۔ شاہزادہ خرم کے ٹھٹھہ سے چلے جانے کے بعد شریف الملک نے محض اس بنا پر کہ آپ شاہزادہ خرم سے ملے تھے، آپ کو قید کر دیا۔ اور آپ کے کتب خانے کو برباد کر دیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں آپ کو پہنچائیں۔ آپ کے صاحبزادوں اور عقیدتمندوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ صاحبِ کرامت ہیں، اور فاجروں کے مقابلے میں کرامت کا ظاہر کرنا جائز ہے، ویسے بھی آپ علم جبر اور تکیہ میں کمال رکھتے ہیں۔ اگر آپ اس کے مقابلے میں کرامت کا اظہار نہیں فرماتے تو کم از کم اپنے اس علم سے کوئی ایسی صورت اختیار فرمائیے کہ یہ ظالم برباد ہو جائے اور آپ اس بے جا قید اور ذلت سے

(بقیہ فٹ نوٹس)

بیگم کی فرمائش کی تکمیل کیلئے فوراً ایک رقم اپنے دستخطوں سے شریف الملک کے پاس اناروں کے لئے بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ میں خود بیگم صاحبہ کو انار بھجوادوں گا۔ اور اسی وقت ایک ننگی توپ انداز کو حکم دیا کہ وہ توپ کا رخ بیگم کے خیمے کی طرف کر کے گولے پھینکے، پھر اس نے کہا کہ اس جگہ ایسے ہی انار پیدا ہوتے ہیں۔ توپ کی آواز سے بیگم کا محل ساقط ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خود شریف الملک نے دُور بین سے دیکھ کر توپ کا رخ شاہزادے کے خیمے کی طرف کیا تھا اور توپ کو فلیتہ خود دیا تاکہ شاہزادہ ہلاک ہو جائے، لیکن اسی وقت شاہزادے کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے پر شاہزادہ بال بال بچ گیا اور نشانہ خطا گیا۔ نشانہ خطا ہوجانے کی وجہ سے شریف الملک کو بہت غصہ آیا اور اس نے غصے سے اپنی انگلی سے اس آنکھ کو جس سے نشانہ باندھا تھا، پھوڑ لیا۔ شاہزادہ خرم نے جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اس سے انتقام لیا اور وہ قتل کیا گیا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۹۲)



نجات حاصل کر سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن یہ ظالم اپنے ظلم سے میرے مقدر کے رزق میں ایک دانے کی کمی نہیں کر سکتا اور میرے ایمان میں سے ایک ذرہ کو بھی نہیں گھٹا سکتا، اس لئے یہ سب بے سود ہے۔ اس کے علاوہ اگر میں کسی کرامت وغیرہ سے اپنی عزت کو باقی بھی رکھوں تو یہ لوگوں میں شہرت کا سبب ہوگا۔ اور شہرت اہل اللہ کے لئے آفت ہے۔ اس لئے اس معاملے کو اسی صورت سے رہنے دو یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کوئی بہتر صورت نکال دے۔ چنانچہ چند ہی دن میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق شاہزادہ خرم بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے دہلی کا بادشاہ ہوا۔ اور شریف الملک تباہ و برباد ہوا۔

ایک دفعہ حضرت بہار الدین دلق پوس سے ایک شخص نے کہا کہ میں تنہائی میں آپ سے طلبِ حق کے سلسلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہو۔ اگر کوئی تمہاری بات سمجھ سکتا ہے تو وہ اہل ہے اور اہل سخن سے کسی نکتہ کو محفوظ رکھنا مناسب نہیں، اور اگر کوئی تمہاری بات نہیں سمجھتا وہ نادان مثل دیوار کے ہے۔ اس کی تمہیں پروا نہ ہونی چاہیے۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کون سا ولی سیرۃ المنتہی سے واقف ہے۔ فرمایا تم نے تو درخت کے متعلق بات پوچھی طلبِ حق سے اس کو کیا واسطہ ہے۔

صاحبِ تحفۃ الطاہرین نے آپ کی عظمت بزرگانہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بہار الدین گودریہ حضرت مخدوم نوح کے جلیل القدر مریدوں میں تھے۔ صاحبِ وجد و حال تھے۔ اکثر آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ جب کبھی حلقہ سماع میں تشریف لاتے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور اپنے اختیار سے باہر ہو جاتے۔ حضرت سید علی ثانی شیرازی سے بھی آپ کی محققانہ ملاقاتیں رہتی تھیں۔



ایک دفعہ راستے سے گزر رہے تھے، ایک نوجوان کو دیکھا کہ کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان راستے میں بیٹھا ہے، لوگوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع ہے اور لوگ طرح طرح سے اس کو ملامت کر رہے ہیں، وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ حضرت بہار الدین دلق پوش نے اس کی بات سنی تو ایک نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔ تین روز تک آپ پر استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ کا نعرہ سنتے ہی اس نوجوان کا عشق حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت بہار الدین دلق پوش کی تصانیف میں ایک رسالے کا پتہ چلتا ہے جس کی بعض بعض روایتیں صاحب دلیل الذاکرین نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ یہ رسالہ آپ نے حضرت مخدوم کی سوانح اور مناقب پر لکھا تھا۔

آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں میاں متھانیقتر کے مزار کے برابر واقع ہے۔

**درویش عمر** | آپ کے دوسرے جلیل القدر خلیفہ و مرید درویش عمر ہیں۔ یہ بھی ان چار یاروں میں ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر مجاہدوں اور ریاضتوں

میں بسر کی اور لذات دنیوی سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ ہمیشہ ایک گڑھی پہنے رہتے۔ جس روز آپ حضرت مخدوم کے مرید ہوئے اس دن سے کبھی کوئی لایعنی بات آپ کی زبان مبارک سے نہ نکلی۔ ہمیشہ روزے سے رہتے اور ساری ساری رات عبادت میں گزارتے، افطار چند لہموں سے کرتے۔ آپ کے بیٹھنے اور سونے کی کوئی جگہ مقرر نہ تھی اور نہ اپنے اختیار سے سوتے تھے۔

**حضرت عثمان عصار** | آپ کے تیسرے جلیل القدر خلیفہ حضرت عثمان عصار ہیں۔ ان کا شمار بھی آپ کے ان چار یاروں میں ہے۔

۲ دلیل الذاکرین ص ۱۶

۱۶ تحفۃ الطاہرین ص ۱۶

۳ دلیل الذاکرین ص ۱۶

۳ تحفۃ الطاہرین ص ۱۶



جن کے متعلق حضرت مخدوم نے صراحت فرمائی تھی کہ میرے چار بڑے یار ہیں۔  
 حضرت عثمان عصار شب و روز حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر رہتے، اول  
 جو کوئی بھی حضرت مخدوم سے مرید ہوتا پہلے حضرت عثمان عصار سے متعارف ہوتا۔  
 آپ اس طالب کے سامنے حضرت مخدوم کی خاندانی شرافت اور بزرگی کے متعلق اس  
 دل آویز طریقے پر تقریر فرماتے کہ وہ عقیدت مند حضرت مخدوم سے زیادہ سے زیادہ  
 فیض حاصل کرتا۔

آپ کے آئینہ اخلاق میں توکل کا عکس سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ایک چادر  
 کے سوا آپ کچھ نہ رکھتے تھے۔ چادر کگلے میں اس طرح باندھتے کہ وہ چادر تہبند کا کام بھی  
 دیتی۔ کسی کی نذر قبول نہ فرماتے تھے۔

حضرت سید علی متعلوی | چوتھے جلیل القدر مرید جنہیں حضرت مخدوم نوح نے  
 یاران کبار میں ہونے کا شرف بخشا وہ حضرت سید علی  
 متعلوی ہیں جو تقریباً چالیس سال تک حضرت مخدوم کی خدمت میں مختلف ریاضتیں  
 اور مجاہدے کر کے اکتساب فیض کرتے رہے۔ صاحب دلیل الذاکرین نے آپ کی مختلف  
 کرامتوں کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

میاں مٹھا فقیر | میاں مٹھا فقیر بھی مخدوم نوح کے خلفاء میں خاص اہمیت رکھتے  
 ہیں، تحفۃ الطاہرین کے مولف نے ان کے اوصاف کی صراحت  
 کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مے از جناب حضرت پیر ولایت، صاحب ارشاد و  
 ہدایت مخدوم نوح قدس سرہ فیض وافی اندوختہ بمقام  
 فنا فی اللہ رسیدہ۔

لے دلیل الذاکرین ص ۱۹۳  
 ۱۹۴



میاں مہتاسات سال تک متواتر حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں رہے۔  
 اگرچہ بظاہر علوم ظاہری میں کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا تھا، محض اُمّی تھے  
 لیکن حضرت مخدوم کے فیض صحبت سے علم لدنی و مکاشفے کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ  
 اکابر علماء کے سامنے جب وہ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے تو علماء ان کی تفسیر کی  
 تصدیق فرماتے اور خلوص و عقیدت سے آپ کی خدمت بجالتے۔ بلکہ بسا اوقات  
 فارسی کے مشکل اشعار، دقیق قصیدے آپ سے حل کرتے۔

سندھ کے اُس دور کے ایک متبحر عالم قاضی احمد کہ جن کو اُن کے علم و فضل کی وجہ  
 سے امام اعظم ثانی کہا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ ایک درویش ہے کہ جو علم ظاہری کے حصول  
 کے بغیر اور صرف و نحو اور متعلقہ علوم کو جانے بغیر آیات و احادیث و روایات فقہ کے  
 معانی بیان کرتا ہے۔ اور مشکل اشعار اور دقیق قصائد کو حل کرتا ہے۔ انھیں بڑا تعجب  
 ہوا۔ وہ خود دو تین مشکل اشعار سوچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ اُن کے  
 معانی و مطالب آپ سے پوچھیں۔ ابھی وہ اُن اشعار کو اپنی زبان سے ادا بھی نہ کر  
 پائے تھے کہ آپ نے اُن اشعار کے معانی نحوی و صرفی اعتبارات کو ملحوظ رکھ کر بیان  
 فرمائے۔ بعض معانی جو آپ نے بیان فرمائے تھے۔ قاضی احمد اُن کو سمجھ نہ سکے اور انھوں  
 نے فقیر متھا سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان معانی کو پھر بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا  
 قاضی صاحب آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اُمّی آسیب زدہ ہوتا ہے، جب اس پر جن  
 سوار ہوتا ہے تو باوجود اُمّی ہونے کہ وہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے معنی بیان  
 کرتا ہے۔ لیکن جب وہ جن رخصت ہو جاتا ہے، پھر وہ ویسا کا ویسا ہی اُمّی رہ جاتا  
 ہے۔ اسی طرح فقرا و علم کے سلسلے میں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ اُن کی طرف سے نہیں  
 ہوتا، بلکہ وہ فیضانِ ایزدی ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے ادا اپنے اختیار سے کچھ نہیں  
 کہتے۔ اس تمثیل کے سننے کے بعد قاضی احمد آپ کے بید معتقد ہو گئے۔



اتباع شریعت کا ہر وقت اور ہر حال میں خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وجد اور سماع کی حالت میں بھی جب سجدہ کرتے تو قبلے ہی کی طرف کرتے۔

ایک دفعہ حضرت ہاشم بن حماد نے درویش بھکر یہ سے پوچھا کہ حضرت متعاین اُس وقت بھی جب کہ آپ پر وجد اور مدہوشی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ ہمیشہ قبلے ہی کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے مرشد کامل کی برکت ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں۔

ایک دن حضرت مخدوم حامد داؤدی نے حضرت متعاین سے سوال کیا کہ ان کو خدائے تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے؟ فرمایا کہ شریعت کا علم، انہوں نے کہا کہ متقدمین اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ عقل ثابت طلب کرنی چاہیے۔ حضرت متعاین نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل دنیا پر دلالت کرتی ہے اور علم اللہ تعالیٰ کے اوامر پر دلالت کرتا ہے۔ جو عقل کا اتباع کرتا ہے وہ دنیا کا اتباع کرتا ہے اور جو دنیا کا اتباع کرتا ہے وہ نفس کا اتباع کرتا ہے وہ آگ کا اتباع کرتا ہے، اور جو علم کا اتباع کرتا ہے وہ شریعت کا اتباع کرتا ہے اور جو شریعت کا اتباع کرتا ہے وہ اللہ کا اتباع کرتا ہے۔ جو اللہ کا اتباع کرتا ہے وہ اُس کے نور کا اتباع کرتا ہے، اور اس کا نور اسی کے نور سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا قل رب زدنی علماً اور یہ بھی آیا ہے کہ من اعظم بعقلہ ضلّہ (جس نے عقل پر بھروسہ کیا گمراہ ہو گیا)

اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے، ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ نہایت ہی لطیف انداز میں فرماتے۔ ان کے جوابات میں جگہ جگہ آیات و تفسیر آئی اور احادیث نقل کرتے اور تصوف کی کتابوں کا حوالہ دیتے۔

۱۵ یہ تمام روایں دیل الذکرین قلمی ملوک سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳ سے ماخوذ ہیں۔ دیل الذکرین صفحہ ۲۱۹



مرزا بایزید جو ٹھٹھہ کا حاکم تھا۔ وہ حضرت متھا کا بے حد معتقد تھا۔ جب کبھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا چاندی کے بیس روپے آپ کے قدموں پر رکھتا، ان دیوہوں کو حضرت متھا کے خادموں، لازموں اور فقرا میں سے کوئی نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ مرزا بایزید کے خدمتگار ہی ان کو موقع پا کر اٹھالیتے تھے ایک روز مرزا بایزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا کہ ہم بھی کھاتے پیتے پہنتے اور اپنی بیویوں سے ملاطفت کرتے ہیں، اور آپ بھی۔ فق سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہمارے پاس دنیوی ساز و سامان بہت زیادہ ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو اہل اللہ کہتے ہیں اور ہم کو اہل دنیا۔ حالانکہ ہم بھی خدا کی طلب اپنے حوصلے کے مطابق کرتے ہیں۔ حضرت متھانے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم نے جو کچھ سوال کیا بہت ٹھیک کیا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الذنیا جیفۃ و طالبہا کلاب (دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں) ہم اہل اللہ اس سے اس قدر حاصل کرتے ہیں کہ جس کے حصول کے بغیر چارہ نہیں اور اس مردار سے ایک ہی لقمے پر اکتفا کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں اور تم اس مردار کے دو تین لقموں پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ خوب (پیٹ بھر کر) مردار کھاتے ہو۔ اسی کے ساتھ سوتے ہو۔ اسے اپنے لئے نعمت سمجھتے ہو، اُس سے لذت حاصل کرتے ہو اور غیر معمولی محبت رکھتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:۔

زین للناس حب الشهوات من النساء والقناطر

المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة

۱۰ مرزا بایزید بخاری جلوس جہانگیر کے پندرہویں سال ۱۰۲۸ھ میں منصب دوہناری احد ایک ہزار پانچ سو سواروں کی سر فرازی کے ساتھ جہانگیر کے حکم سے فوجداری بھکرے منتقل ہو کر ٹھٹھہ کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ اس کے بعد نواب شریف الملک یک چشم جس کا تذکرہ کسی گذشتہ فٹ نوٹ میں گذر چکا۔ ٹھٹھہ کا گورنر مقرر ہوا۔ (تحفة الکرام جلد ۲ صفحہ ۹۲)



والانعام والمحرت ذلك متاع الحیوة الدنیا

اور اہل فقر کا شرب اس آیت کریمہ سے یہ ہے کہ :-

واذکر اسم ربك وتبتل الیہ تبتیلا

پھر مرزا بایزید نے پوچھا کہ بعض اہل اللہ جو مرتبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ پر فائز ہیں تو پھر وہ کس لئے نماز ادا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عالمِ ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت سے گزر کر قربِ حق سے اس طرح داخل ہوئے کہ جیسے آنکھ کی سفیدی سیاہی کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب جیسا کہ صورت کا عکس پتلی میں، پس اس وقت آپ نے ایک آواز سُنی جو حضرت ابو بکر صدیق کی آواز کے مشابہہ تھی کہ :-

قف ان ربك فی الصلوة  
 اعی فی الرحمة علیك وعلی  
 امتك  
 ٹھہر جاؤ کہ تمہارا رب نماز  
 میں ہے۔ یعنی تم پر اور تمہاری امت  
 پر رحمت بھیج رہا ہے۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے پروردگار تیری نماز کیا ہے اور کس کے لئے ہے۔ فرمایا کہ میری نماز میرے لئے ہے کہ اپنی ذات کی ثنا اپنی ذات کے لئے ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا :-

لا احصى ثنا علیك  
 کما انت کما اثنت علی  
 نفسك۔  
 تیری ثنا اس طرح ممکن نہیں  
 کہ جس کا تو مستحق ہے اور جیسا تو اپنی  
 ذات کی ثنا کرتا ہے۔

ایک درویش نے جو اس گفتگو کے وقت حاضر تھے کہا کہ آپ جو معراج کا مرتبہ بیان کرتے ہیں یہ تو ہر ایک کو حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے :-

نحن اقرب من جبل الوریث



آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ پوچھا ٹھیک پوچھا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آئینے کے دورخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ بالکل مجلی و صاف ہوتا ہے اور دوسرا مکرر جو ذرا سی بھی صفائی نہیں رکھتا۔ پس انبیاء اور اولیاء اللہ صاف آئینہ رکھتے ہیں، کہ جو الوہیت کا منظر ہے۔

حضرت متھا بعض مرتبہ اپنے لفظ طات میں نہایت ہی لطائف پیدا فرماتے تھے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میرے نام کے پہلے حرف کو رفع دیا جائے یعنی متھا کہا جائے تو میں مغضوب ہو جاؤں گا، اور اگر میرے نام کے پہلے حرف کو نصب دیا جائے یعنی متھا کہا جائے تو میری قسمت گرجائے گی۔ میں نے تو کسر نفسی ہی سے شیرینی حاصل کی ہے۔ اسی لئے میرا نام بھی لوگوں کو حلاوت اور شیرینی بخشتا ہے۔ اسی بنا پر لوگ مجھے میرے نام کے پہلے حرف کو کسرہ دے کر متھا کہتے ہیں۔

آپ ساری عمر ٹھٹھ کی مسجد جامع فرخ میں مقیم رہے اور ٹھٹھ ہی میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کا مزار کوہ مکلی پر پیراسات کی پیڑھیوں کے متصل واقع ہے۔

درویش جمعہ جارچہ | درویش جمعہ جارچہ بھی حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں اور خلفاء میں تھے۔ یہ حضرت سید علی متعلوی کے توسط سے

حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ ان کی عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم یوسف کے صاحبزادے مخدوم امام ایک مرتبہ حضرت

لے یہ واقعہ دلیل الذاکرین ص ۲۱۸ کی ایک طویل روایت سے اختصار کے ساتھ ماخوذ ہے۔  
لے تحفہ الطاہرین ص ۱۷۷ جامع فرخ کی تعمیر ثانی شاہجہاں نے اپنے دور حکومت میں کرائی تھی۔ شاہجہاں کا عہد حکومت ۱۰۲۷ھ سے ۱۰۶۸ھ تک ہے۔ لے لطائف و وفات اور مزار کے متعلق معلومات تحفہ الطاہرین ص ۱۶ سے ماخوذ ہیں۔



سید علی متعلومی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضرین مجلس میں سے بعض نے جو مخدوم امام کو جانتے تھے کہا کہ ایک بزرگ جو بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں اور خود بھی مردانِ خدا میں سے ہیں آپ کی خدمت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اس زمانے میں مردانِ خدا میں سے ایک میں ہوں اور دوسرے جمعہ جاریجہ، اس کے علاوہ میں اس ملک میں کسی تیسرے کو نہیں جانتا۔ مخدوم امام فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد میرے سر سے پندار اور خودی کا نشہ اتر گیا اور میں نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اقلیمِ محبت کی خلافت مجھ کو حاصل ہے، جس کو عشق کی منزلوں میں کوئی منزل پیش آئے اُسے ہم سے حاصل کرنا چاہیے۔

**حضرت نوح کاریہ** | حضرت بہار الدین دلق پوش کا بیان ہے کہ درویش نوح کاریہ جب حضرت مخدوم سے مرید ہوئے اور آپ نے

انہیں ذکرِ جلی کی تلقین کی تو ان کے اعضاء کا بند بند جدا ہو جاتا تھا۔ صاحبِ خوارقِ ذکر امارت تھے۔ صاحبِ دلیل الذاکرین نے آپ کی متعدد کرامات کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

**حضرت شیخ محمود** | حضرت شیخ محمود ولد شیخ فخریہ بھی حضرت مخدوم کے خاص مریدوں میں تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میری زبان میں لکنت

تھی۔ میری والدہ مجھے مخدوم کی خدمت میں لے کر آئیں، اور عرض کیا کہ اس بچے کی زبان میں لکنت ہے، کسی طرح یہ دور ہو جائے۔ اس وقت حضرت مخدوم کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے منہ میں سے کچھ ٹکڑا میرے منہ میں رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ فصیح اور کلام اللہ کا حافظ اور اپنے وقت کا ولی کامل اور شیخ ہو گا۔ چنانچہ حضرت مخدوم کے ممتاز خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

لہ دلیل الذاکرین ص ۱۹۵ | دلیل الذاکرین ص ۱۹۵ | دلیل الذاکرین ص ۱۹۵



اس دور کے ایک بزرگ ریڈنہ کا بیان ہے کہ میں نے چند سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کئے ہیں اور آبادی میں نہیں آیا۔ صرف گھاس سے افطار کرتا تھا، لیکن شیخ محمود بارہ سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کرتے رہے اور ایک دفعہ بھی آبادی میں نہیں آئے اور ہمیشہ گھاس سے افطار کرتے رہے۔

ایک دفعہ مخدوم بہار الدین دلق پوٹھ سے کسی نے سوال کیا کہ ذکر کی کتنی قسمیں ہیں، اور ان میں ذکر خفی کون سا ہے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ میری تقریر اس باب میں اتنی مشکل ہوگی کہ شاید تم نہ سمجھ سکو، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم یہ سوال سلطان الواصلین حضرت متھا سے کرو کہ وہ نہایت آسان طریقے پر تمہیں جواب دے کر مطمئن کر سکیں گے۔ وہ شخص آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت متھا کے خدمت میں حاضر ہوا اور وہی سوال آپ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب آئینہ روشن جو تصوف کے موضوع پر ہے لاؤ اور اُس کے فلاں باب کو دیکھو اُس میں لکھا ہے کہ ذکر کی آٹھ قسمیں ہیں۔ پہلے آنکھ کا ذکر، دوسرے زبان کا ذکر، تیسرے کان کا ذکر، چوتھے ہاتھ کا ذکر، پانچویں پاؤں کا ذکر، چھٹے سر کا ذکر، ساتویں قلب کا ذکر، آٹھویں تمام وجود کا ذکر۔ اُس شخص نے پوچھا کہ اس اجمال سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ذرا وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمائیے، فرمایا اچھا سنو آنکھ کا ذکر یہ ہے کہ تم آنکھ سے قرآن مجید کی تلاوت کرو اور علماء و اولیاء، پیرانِ طریقت اور والدین کی زیارت کرو۔ اور صانع کی صنعتوں اور عجیب و غریب پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو، اور خراب اور تباہ شدہ مقامات کو دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو، اور نامحرم عورتوں، مردوں اور محرمات کے دیکھنے سے اپنی نظر کو روکو۔

زبان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، تفسیر، احادیث، فقہ اور علوم شرعیہ



اور مشائخ طریقت کے احوال پڑھے جائیں اور لغو و بیہودہ باتوں کے تکلم اور جھوٹ و ہمت و غیبت و چغل خوری اور ان جیسی دوسری باتوں سے زبان کو روکا جائے۔ اور زبان کو قرآن مجید کے تعلیم و تعلم میں صرف کیا جائے یا اگر کوئی ناراض ہو تو اس کے راضی کرنے میں قوت گویائی کو صرف کیا جائے۔

کان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، مواعظ اور تذکیر اور ان جیسی اچھی اچھی باتوں کو سنا جائے اور جو بُری باتیں ہیں جیسے لغو، لہو، مزامیر، طنبور، دف، کذب، فحش، حاسدانہ باتیں اور غیبت وغیرہ۔ ان سے سماعت کو روکا جائے۔  
 ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ ان سے آلات فسق اور حرام اشیاء کو نہ پکڑا جائے۔ اور کسی کو ان سے تکلیف نہ پہنچانی جائے۔ اور ان سے لوگوں کی خدمت اور اچھے اچھے کام کئے جائیں۔

پاؤں کا ذکر یہ ہے کہ ان سے انسان علمی مجلسوں میں اور مرشد کابل کی طلب میں جائے۔ اور فسق و فجور کی مجالس میں جانے سے پاؤں کو روکے، یا کسی ناواقف اور نابینا کو راہ بتائے اور ان تمام نیکیوں کو بجلائے جو قدم سے تعلق رکھتی ہیں۔  
 سر اور گردن کا ذکر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے امر کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور اور اس سے سرکشی نہ کی جائے۔

قلب کا ذکر یہ ہے کہ نیک اعمال کی نیت اور ان کا ارادہ دل میں رکھا جائے اور فسق و فجور کے ارادوں سے قلب کو پاک رکھا جائے۔  
 تمام وجود کا ذکر فروتنی اور اپنی خودی کو راہ حق میں مٹا دینا ہے۔ اور اپنے اعمال کا محاسبہ ہے اور یہی ذکر خفی ہے۔

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۲۱۱ اس روایت میں جس کتاب کا حوالہ حضرت مہتاب نے دیا ہے اس میں ہے کہ وہ نام کریم خوردہ ہوئی کی وجہ سے پوری طرح پڑھا نہیں گیا میر خیال ہے کہ بقض بن سکتا تھا وہ "ایئذہ روشن" ہے



**درویش زکریا** | درویش زکریا بھی حضرت مخدوم کے خاص مریدوں میں تھے۔ یہ قبیلہ بابرہ سمر سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انھیں ذکر کی تلقین فرمائی۔ ذکر کی تلقین کے ساتھ ہی درویش زکریا پر بخود ہی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ پندرہ روز تک ایک پہلو پر پڑے رہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔ حضرت مخدوم کو ان کی کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا انھیں میرے پاس لے آؤ۔ درویش زکریا آپ کے سامنے لائے گئے، اور آپ کی نظر فیض اثر پڑتے ہی وہ فوراً ہوش میں آگئے۔ حضرت مخدوم نے ان سے فرمایا جاؤ، فقرار اور اہل اللہ کو دیکھو۔

حضرت درویش زکریا بے حد متبع شریعت تھے۔ درویش حسین تیم کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت درویش زکریا کی ایک بدعتی سے ملاقات ہوئی، آپ نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو بھنگ کا پیالہ پلا رہا ہے۔ اُس نے ایک پیالہ بھر کر آپ کے سامنے بھی پیش کیا آپ نے فرمایا کہ یہ پیالہ کیا پیش کرتے ہو اس کا نشہ تو زائل ہو جاتا ہے۔ ہم تو شریعت کے پیالے کا نشہ رکھتے ہیں جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وہ بدعتی اسی وقت تائب ہو گیا اور آپ کی رفاقت اختیار کر لی۔

ایک دفعہ استنجے کے لئے ڈھیلا اٹھایا، وہ آپ کے چھونے سے سونابن گیا اُسے دیکھ کر فرمایا اے پروردگار اگر تمام عالم بھی زرد و جاہر ہو جائے تو فقیر زکریا تجھ سے روگردانی نہیں کر سکتا۔

**سید اسماعیل بخاری** | سید اسماعیل بخاری کا شمار حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ ذکر الہی میں گزارتے تھے۔



ایک دفعہ سید رکن الدین متعلوی اور سید عبدالکریم آپ کی خدمت حاضر ہوئے دیکھا کہ زبان سے ذکر الہی میں مشغول ہیں، ان دونوں حضرات نے کہا کہ شغل باطنی کے ساتھ شغل ظاہری لا حاصل ہے، آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اعضائے ظاہری کو بھی اعضائے باطنی کے ساتھ عبادت میں مشغول رکھنا چاہیے کہ مشاہدے کے باوجود کسب ظاہری بھی ضروری ہے، پھر ان دونوں نے کہا کہ لوگوں کے اژدحام کے باوجود ہم عبادت خداوندی سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور تم باوجود شہرت اور خزینہ اسرار الہی کے فارغ البالی نظر آتے ہو۔ سید اسماعیل نے فرمایا تم دونوں نے شہرت کا خیمہ نصب کیا ہے اور اپنے ساتھ لفظ مرشد کا اضافہ کیا ہے۔ فقراء کے مرتبے سے ان باتوں کو کیا نسبت ہے۔

**میرن کا تیار** | میرن کا تیار اور حضرت سید عبدالکریم متعلوی ابتداء میں کاشتکاری کرتے تھے۔ دونوں نے حضرت مخدوم کی ولایت و کمال کا غلغلہ

سنا اور ہالہ کنڈی پہنچ کر شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت میرن کا تیار کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے عقد میں آئیں۔ حضرت میرن کا تیار کو اپنے شیخ سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ متواتر تیس سال تک ہینے میں تین مرتبہ اپنے شیخ کی خدمت

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۲۲۳

۲۔ میرن کا تیار کے متعلق تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶۱ پر ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ ابستدار میں آپ کشتی پر جا رہے تھے کہ اچانک آپ پر جذب الہی کی کیفیت طاری ہوئی۔ لوگ ان سے ان کی حالت پوچھتے مگر وہ کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ انہوں نے اپنی حالت کسی سے بیان کر دی جس کی وجہ سے وہ کیفیت جانی رہی، اس کیفیت کے زائل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے کا طباق سر پر رکھ کر جوگیوں کی طلب میں دیوانہ وار پھرنے لگے، اتفاقاً ان کی ملاقات سید عبدالکریم متعلوی سے ہو گئی۔ وہ ان کو مخدوم نوح بالانی کی خدمت میں لے کر گئے۔ مخدوم نوح کی ملاقات ہی سے وہ پہلے سے بی زیادہ عرفان و تصون کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔



میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ اور جو کچھ آپ کے پاس نقد اور جنس کی قسم سے ہوتا، اپنے شیخ کی خدمت میں نہایت عقیدت سے نذر گزارتے۔ اور زمانہ قیام ہالہ کنڈی میں حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے گھر میں لکڑیاں چن کر ان کا گٹھا بنا کر لاتے، ایک روز سلطان ابراہیم نے اپنے والد حضرت مخدوم معظم سے عرض کیا کہ فلاں سید میرے گھر میں بعض اوقات لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کرتا ہے۔ فرمایا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا مقتدی و پیشوا ہوگا۔ اس سے کہو کہ وہ لاتا رہے کہ من تواضع لله رفعه الله (جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے)۔

ایک روز میرن کا تیار نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ میں نے واقعتاً دیکھا ہے کہ میں مر گیا ہوں اور مرنے کے بعد ماہتاب ہو گیا ہوں۔ فرمایا کہ تم اپنی وفات کے بعد مشہور زمانہ ہو گے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد میرن کا تیار تمام عمر اپنے مخدوم زادے سلطان ابراہیم کی خدمت گزاری میں سرگرم عمل رہے۔

حضرت یحییٰ الملقب بہ راہتہ حضرت مخدوم کے یاروں میں تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ آئین

ریاضات و مجاہدات کے ماہر تھے۔ ہمیشہ اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے خصوصاً حرزیمافی، حزب البحر، حزب محبوبی، حزب جعفری، سبعمات عشر اور دوسرے اوراد میں مشغول رہتے اور اپنا سارا وقت یاد الہی میں گزارتے تھے۔

حضرت مخدوم معظم کی وفات کے بعد ان کا تمام وقت آپ کے صاحبزادے

یہ تمام واقعات دلیل الذکرین ص ۲۵۲ سے ماخوذ ہیں۔



حضرت سلطان ابراہیم کی خدمت میں بسر ہوا۔  
 توکل و استغنا کی یہ کیفیت تھی کہ معتقدین جو تحاریف اور نذریں آپ کی  
 خدمت میں پیش کرتے وہ آپ فترار میں تقسیم کر دیتے اور اپنے اہل و عیال کے  
 ساتھ خود فاقے سے رہتے۔

حضرت یحییٰ نے سلطان ابراہیم ہی کے سامنے وفات پائی ہے۔



## درودِ شریف و ہدیہِ قدسِ سمرۃ

حالات | آپ کا اسم گرامی و ہدیہ، آپ کے تقدس، زہد و ورع اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے آپ اویس ثانی لکھا ہے۔

محبتِ رسول | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی محبت سے آپ کا قلب سرشار تھا۔ عشقِ رسول کی یہ کیفیت تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ پر دیر تک گریہ و زاری کی کیفیت طاری رہتی۔ اتباعِ سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اتباعِ شریعت و سنت کی تلقین فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کے متعلق سنتے کہ انھوں نے ذرا بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا ہے تو بے چین ہو جاتے۔ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ بدعات و فسق و فجور کے مٹانے اور شریعتِ حقہ کو سر بلند کرنے میں آپ تمام عمر سرگرم عمل رہے۔

حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ

در متابعت سنن پیغمبر کہ مقتضای آیه کریمہ قل  
ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحببکم اللہ وسیلہ  
محبت اللہ است قیام می نمود۔ و بر اشاعت احکام شریعت  
وانہدایم اساس بدعت ثابت قدم بود حتی کہ اگر سر موی



خلافت مقتضای شریعتِ غزّا بر سامعہ آل صاحبِ صدق  
وصفا می رسید قرار و آرام بروی حرام می گردید و در تدبیر  
اصلاح می کوشید۔

غداے تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں  
امرار اور اہل حکومت پر اثر

وہ ہیبت حق رکھی تھی کہ بڑے بڑے متمرّد اور  
سرکش امرائے حکومت آپ کے ارشاد کی اطاعت کو اپنے لئے موجب سعادت سمجھتے  
تھے۔ آپ اکثر امراء و اہل حکومت کو ان کی لغزشوں پر تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ یہی  
وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں کوئی حاکم بھی خلافِ شرع قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ اور  
آپ کے فیوض و برکات کی وجہ سے ملک کے کسی حصے میں بھی ظلم و بدعت کا اثر نہ  
پایا جاتا تھا۔ آپ کی نگاہِ دور رس زندگی کے تمام شعبوں کا جائزہ لیتی اور آپ کے  
اصلاحی ہاتھ کا اثر دور دور تک محسوس ہوتا تھا۔

طریقۂ اصلاح | اگر کوئی مرید طالبِ دنیا ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا  
تو نہایت شفقت سے فرماتے کہ پہلے زمانے کے لوگ

طالبِ دین بن کر بزرگوں کے پاس آتے تھے، اور اتباعِ شریعت کی کوششیں کرتے  
تھے اور بزرگوں سے صدقِ دل اور یقین کے ساتھ ایمان کی سلامتی کے خواستگار  
ہوتے تھے، آج یہ زمانہ آیا ہے کہ تمام لوگ بزرگوں کے پاس مال کے طالب بن کر  
آتے ہیں۔ اور متاعِ دنیوی کی کھوئی محبت کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں۔

ادبِ رسول | آپ کے آئینہ اخلاق میں ادبِ رسول و محبتِ اہل بیت کا عکس  
سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

یہ فقرہ آپ نے لدہ نامی اپنے ایک خادم سے ارشاد فرمایا تھا جو دودھ کے لئے ایک چوپائے  
کا طالب ہوا تھا۔ (حدیقہ الاولیاء، قلمی ص ۱۵۶، ملوکہ سندھ یونیورسٹی)



صد ہونو ہر یہ نامی ایک جاہل فقیر جسے عوام اہل اللہ میں شمار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس بد بخت نے اپنی بد بختی و شقاوت کی بنا پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بعض ایسے کلمے استعمال کئے جن میں بڑے گستاخی آئی تھی۔ جب آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ راحت و آرام نرام ہو گیا، اور آپ نہایت مکر ہوئے۔ یہ خبر صد ہونو ہر یہ کو پہنچی، وہ شرمندہ ہو کر اور بہت سے مخالف لے کر معذرت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ابھی وہ دروازے تک پہنچنے نہ پایا تھا۔ آپ کو اس کی آمد کی اطلاع ملی۔ غصہ سے چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور اسی وقت نہایت درشت لہجے میں فرمایا کہ اس نابکار سے کہہ دو کہ وہ وہیں سے لوٹ جائے اور میرے سامنے نہ آئے، اس خبیث نے جو کلمہ اپنی زبان سے نکالا ہے۔ یقیناً یہ اس کی سزا بھگتے گا اور اسے سانپ ڈسے گا۔ صد ہونو ہر یہ یہ سن کر کانپ اٹھا۔ اور اُس پر شدید خوف طاری ہوا اور فوراً ہی اپنے گھر واپس ہو گیا۔ خوف کی وجہ سے اُس کی یہ کیفیت تھی کہ راستے میں اُس کو ہر چیز سانپ دکھائی دیتی تھی۔ شام کے وقت جیسے ہی وہ اپنے گھر پہنچا اور اپنی سواری سے نیچے اُترا، سانپ نے اُسے ڈس لیا اور اسی رات مر گیا۔

سادات کا بجد احترام فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اُن کی عزت و توقیر کی تاکید فرماتے تھے۔

ایک روز نصر پورچی سادات کی مسجد میں آپ تشریف فرما تھے۔ داؤد نامی

۴۵۱  
 لہ نصر پور ضلع حیدرآباد میں واقع ہے، سلطان فیروز تغلق نے اپنے ایک امیر نصر نامی کو ۴۵۱ھ میں حکم دیا تھا کہ ساگرہ کے کنارے ایک قلعہ تعمیر کرے۔ قلعہ کی تعمیر کے بعد یہ شہر اسی امیر کے نام سے آباد ہوا۔ آب دہوا اور کثرت باغات اور دریا کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے یہ شہر بے نظیر سمجھا جاتا تھا۔ ترخانی امیر اپنی سکونت کے لئے اسی شہر کو پسند کرتے تھے۔ اب اس کے باغات خواب ہو چکے ہیں وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ تحفۃ الکرام ص ۴۵۱



ایک بوڑھا بخار جو وہیں کارہنہ والا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت مسجد میں لوگوں کا اجتماع تھا اور آپ ان لوگوں کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ جب کہ تم سعادتِ عالی درجات کے پڑوس میں مقیم ہو، تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ نماز جو دین کا ستون ہے اس کو پابندی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی سستی و کاہلی اختیار نہ کرو۔ بدبخت داؤد بخار نے یہ سکرادات سے اپنی کسی دیرینہ عداوت کی وجہ سے کہا کہ ہم تو سیدوں کے گھروں کو آگ لگا دیں گے اُس بدبخت کی یہ بات سن کر آپ غصتے سے بے چین ہو گئے۔ ہر چند سادات نے اُس کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے اور بہت قدیم زمانے سے ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کہہ دیا ہے لیکن آپ پر اس سفارش کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے اسی غضب کی حالت میں فرمایا کہ اس شخص کو گستاخی کی یہ سزا ملے گی کہ یہ کنویں میں زندہ دفن ہوگا۔ اس واقعہ کو دو تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ ایک ہندو نے شہر نصر پور میں ایک کنواں کھدوایا اور داؤد بڑھی کو اس کنویں پر لکڑی ڈالنے کے لئے بلوایا۔ یہ اور اس کے دو تین ساتھی کنویں کے اندر اتر کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتفاق سے کنویں کی دیوار سے مٹی کا ایک بڑا حصہ گرا۔ جس میں داؤد اور اُس کے قینوں ساتھی دب گئے۔ اس کے ساتھی تو کسی طرح بچ گئے۔ مگر داؤد کی موت اسی کنویں میں واقع ہوئی۔

**وفات** | عارف باللہ، درویش وہیہ نے سن ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی اور موضع تدرکی میں نہر ساگرہ کے کنارے مدفون ہوئے، آپ کی تاریخ وفات مات فی عشق سے نکلتی ہے۔

۱۵۹-۱۵۶-۱۵۴-۱۵۳-۱۵۲ قلمی حالات مدیقہ الاولیاء قلمی  
۱۶۵-۱۶۴-۱۶۳-۱۶۲-۱۶۱-۱۶۰ سے ماخوذ ہیں۔



(۵۱)

شیخ الشیوخ

شیخ ہوتی لاکھا

**حالات** شیخ ہوتی لاکھا اپنے وقت کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ سندھ کے اولیائے کرام کے سب سے پہلے تذکرے حدیقۃ الاولیاء میں اس کے مولف عبدالقادر نے ان کی عظمت و بزرگی کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آں سر دفتر مشائخ کبار ، سالار قوافل احرار روزگار صد  
نشین محافل روحانی ، محرم خلوت اسرار یزدانی ، طائر ریاض  
قدس ، سائر منازل انس شیخ ہوتی لاکھا از جملہ عارفان مولیٰ  
و سالکان مسلک صدق و صفا و صاحب حال و قال بود۔

**ریاضت و عبادات** ریاضت و عبادات میں آپ کا یہ حال تھا کہ راتوں کو عبادت الہی میں گزار کر صبح کر دیتے اور سارا سارا

دن ذکر الہی میں گزارتے۔ وجد و سماع کی طرف بے حد راغب تھے۔ اکثر سرخ لباس پہنتے اور تیر و کمان ساتھ رکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے، حدیقۃ الاولیاء اور تحفۃ الکرام میں آپ کی متعدد کرامتیں مذکور ہیں۔

**کرامت** بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی نماز جنازہ میں اکابر علماء، مفسرین اور اہل اللہ شریک تھے۔ ایک صاحب حال



بزرگ کا بیان ہے کہ میں نمازِ جنازہ میں صفِ اول میں تھا۔ میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا کہ خود شیخ ہوتی لاکھا نمازِ جنازہ میں شریک ہیں۔ میں نے حیرت سے اُن سے پوچھا کہ عجیب بات ہے کہ آپ اپنے جنازے پر خود ہی نماز ادا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس پر تعجب نہ کرو اور ہمیں زندہ سمجھو کہ شمشیرِ محبت کے شہید ہمیشہ حیاتِ ابدی حاصل کرتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ**۔

آپ کا مزار موضع موریاہانی میں مربع خلوں اللہ ہے۔

**اولاد** آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام احمد اور دوسرے کا محمد تھا۔ یہ دونوں کے دونوں سندھ کے اولیائے کبار میں شمار ہوتے ہیں احمد مقامِ قربِ حق میں مرتبہ عالی پر فائز تھے۔ صاحبِ حال، واصلِ حق اور مستجاب الدعوات تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی دعا فرمائی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ اکثر محفلِ ذکر و سماع میں شریک ہوتے اور آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوتی۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد بھی صاحبِ زہد و ورع اور صاحبِ کلام اللہ تھے۔ اُن کے وقت کا بڑا حصہ عبادات و مجاہدات میں گزرتا تھا اور اپنا تمام وقت اوراد و وظائف اور ذکرِ الہی میں گزارتے تھے۔

**مزار** دونوں صاحبزادوں کا مزار اپنے والد بزرگوار شیخ ہوتی لاکھا کے مزار کے قریب موضع موریاہانی میں ہے۔

اے شیخ ہوتی لاکھا اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کے حالات حدیقۃ الاولیاء، قلمی صفحہ ۱۱۲-۱۱۳-۱۲۱-۱۲۲ سے ماخوذ ہیں۔  
۱۲۳-۱۲۱-۱۲۲



## درویش یعقوب پلچہ

**حالات** درویش یعقوب پلچہ صاحب حال اور اہل کمال بزرگ تھے اور مرزا شاہ حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔ ان کی متعدد کرامتوں کے تذکرے تحفۃ الکرام اور حقیقۃ الاولیاء میں ملتے ہیں۔

مرزا شاہ حسن ارغون کے عہد حکومت میں ایک رئیس آپ سے سید عقیدت وارادت رکھتا تھا۔ لیکن مرزا شاہ حسن کسی وجہ سے اس رئیس سے مکدر تھا، ایک دفعہ مرزا شاہ حسن اپنے لشکر و خزانے کو لے کر کشتیوں میں کسی جگہ روانہ ہوا۔ جب اس رئیس کے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی کشتی رکوائی اور اس رئیس کو اور اس کے بھائی کو طلب کر کے دونوں کو قتل کر دینے کا فرمان صادر کر دیا۔ صدور فرمان کے ساتھ ہی جلاد نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خوف و دہشت سے کسی طرح بھاگ کر درویش یعقوب کی خدمت میں پہنچا، اور اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو تمہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا، اب تم اطمینان سے شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہو۔ بجائے اس کے کہ تمہیں قتل کرے وہ تمہیں پنج نوبت اور خلعت سلطانی سے سرفراز فرمائے گا۔ اور تمہارے بھائی کے قتل کا خون بہا بھی دے گا۔ یہ رئیس آپ کے ارشاد کے مطابق نہایت خلوص و اعتقاد سے شمشیر گردن میں ڈال کر شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ حسن نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ درویش یعقوب پلچہ کی پیشگوئی کے مطابق پنج نوبت اور خلعت سلطانی سے سرفراز فرمایا، اس کے بھائی کا خون بہا



بھی دیا اور شاہانہ الطاف و عنایات سے بھی سرفراز فرمایا۔

وفات کے بعد درویش یعقوب کے روضہ مبارک میں رات کے وقت کچھ ڈاکو آکر سو گئے۔ خواب میں درویش پلچے نے ان کو متنبہ فرمایا کہ ایک تو تم یہ افعال ذمہ کرتے ہو اور پھر ہمارے روضہ میں آکر سوتے ہو۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارا وجود جو شجر خبیثہ کی حیثیت رکھتا ہے، اُسے یخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دوں۔ مگر میں اس مرتبہ درگزر سے کام لیتا ہوں، ابھی فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر آئندہ تم تائب نہ ہوئے اور اس قسم کی گستاخی کی تو تم اس کا مزہ موت اور دوسرے مصائب کے ساتھ چکھو گے۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد ڈاکوؤں کی آنکھ کھلی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر فوراً ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال گزرنے کے بعد پھر ایک مرتبہ وہ رات کو ڈاکو ڈال کر آپ کے روضہ مبارک میں سو رہے۔ اس مرتبہ پھر انہوں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرار سے ہیں کہ تم متنبہ کرنے پر بھی باز نہ آئے۔ اب تیار ہو جاؤ کہ تمہارے قتل کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ تم میں سے سوائے ایک کے کوئی زندہ نہ بچے گا۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کر سکے۔ ڈاکوؤں کی یہ جماعت نو افراد پر مشتمل تھی۔ خواب دیکھتے ہی پریشان ہو کر اٹھے اور وہاں سے بھاگے۔ جیسے ہی یہ روضہ سے باہر نکلے پولیس ان کی تاک میں تھی اس نے ان کو گرفتار کر کے اٹھ کو وہیں قتل کر دیا۔ صرف ان میں سے ایک ڈاکو جان بچا کر بھاگ سکا۔ اس فراری ڈاکو نے یہ ساری داستان لوگوں سے بیان کی اور بہت سے لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی۔

**وفات** درویش یعقوب پلچے نے غالباً اپنے وطن موضع نارہ میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

یہ تمام تفصیل حدیقہ الاولیا، قلمی ملوکہ سندھ ریونیورسٹی ص ۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳ سے ماخوذ ہے۔  
حدیقہ الاولیا کا جو نسخہ میرے پیش نظر رہا ہے اس میں لفظ موضع کے بعد اس موضع کا نام متروک ہے۔ تحفہ اکرام جلد ۳ ص ۱۴۹  
یہ نسبت ملتی ہے کہ ان کا وطن موضع نارہ تھا قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن ہی میں وفات پائی ہوگی تحفہ اکرام جلد ۳ ص ۱۴۹



# خواتین





۱۳۵



# بی بی تاری

اصل نام بی بی تاری تھا، آپ کا وطن ٹھٹھہ تھا۔ سندھ کے مشہور سومرہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

نام و خاندان

تمام محاسن کردار کا سرچشمہ خشیت الہی ہے۔ جس قلب میں خشیت الہی نہیں، اس پر ولایت و عرفان کے

خشیت الہی

دروازے نہیں کھل سکتے۔

بی بی تاری کا خشیت الہی سے یہ عالم تھا کہ ہمیشہ خوفِ الہی سے روتی رہتیں اور کبھی لیٹ کر نہ سوتیں۔ اگر نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا تو کچھ دیر دیوار کا سہارا لے کر سوتھیں، اور جب آنکھ کھلتی تو آسمان کی طرف دیکھتیں اور روتے ہوئے کہتیں کہ الہی تو وہ کریم ہے کہ تو نے مجھ کو تمام آفات سے محفوظ رکھا، اور میں وہ غافل بندی ہوں کہ ہر وقت تجھے بھلائے ہوئے ہوں۔

روزے بڑی کثرت سے رکھتی تھیں۔ افطار کے وقت

روزہ

یوں ہی کچھ مٹھوڑا سچکھ لیتی تھیں۔ تیسرے روز آتش کا

اے سومرہ سندھ کی ایک قوم ہے، جس کا جدِ اعلیٰ سومرہ نامی ایک شخص تھا، جو سومرہ

خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ سومرہ خاندان کی حکومت ۲۲۲ھ سے شروع ہو کر

۴۵۲ھ پر ختم ہوئی۔ (ب تاریخ سندھ - معصومی)



نصف پیالہ افطار کے وقت کھاتیں، اور اس میں بھی پانی ملا لیتیں تاکہ بے ذائقہ ہو جائے۔

استجابت و دعا مستجاب الدعوات تھیں، جو کوئی ان کی خدمت میں کوئی حاجت لے کر آتا، اس کے لئے دعا فرماتیں، اور خدا کے حکم سے اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔

مزار ابی بنی تارسی کا مزار مٹھہ کے قبرستان مکلی میں ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفہ الطاہرین ص ۲۷ سے ماخوذ ہے۔



# (۵۲) بی بی جمال خاتون سیوخی

**نام و خاندان** | آپ کا نام بی بی جمال تھا۔ آپ سندھ کے مشہور عارف میاں میر  
لاہوری کی بہن تھیں۔ ترک دنیا توکل میں اپنے دور کی رابعہ پھری

کہلاتی تھیں۔ انہوں نے تصوف کی تعلیم پہلے اپنی والدہ اور پھر اپنے بھائی سے حاصل کی۔

**کرامتیں** | عاراشکوہ نے بی بی جمال کی متعدد کرامتیں اپنی مشہور کتاب سینہ الاولیاء

میں نقل کی ہیں۔ اسی میں سے آپ کی بعض کرامتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں

ایک دفعہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک ٹکے میں دو من گہوں بھرے برابر ایک  
سال تک آپ اس ٹکے سے غریبوں کو گہوں تقسیم کرتی رہیں۔ مگر ٹکے میں کمی نہ آئی تھی۔

ایک دفعہ ایک مچھلی شکار کر کے بی بی جمال خاتون کے پاس لائی گئی، فرمایا اسے

اسی طرح رہنے دو، خادموں نے اس مچھلی کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ یہاں تک کہ

رکھے رکھے وہ خشک ہو گئی، اس خشک مچھلی سے بھی بعض لوگوں نے عجیب عجیب برکتیں دیکھیں

**وفات** | بی بی جمال خاتون نے ۷۹۹ھ میں وفات پائی۔ غلام سرور لاہوری

نے حسب ذیل قطعہ کہا، جس سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔

عارفہ خاتون دین بی بی جمال

ذات او آمد سعیدہ اعظمہ

ارتحال او چو جسم از حشر

شد ندا از دل و حمیدہ عالمہ

۱۰۲۹ھ

لہ یادداشت سندھی قلمی سید حسام الدین صاحب راشدی صاحب



## بی بی رانیؒ

**حالات** | بی بی رانی ٹھٹھ کی رہنے والی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ ان کا شمار اس زمانے کے اصحاب عرفان میں ہوتا تھا، ولایت کے جلیل القدر مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود اپنے حالات کو اس قدر چھپاتی تھیں۔ کہ کوئی بھی ان کے متعلق یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عرفان و ولایت کا جوہر کامل اپنے اندر رکھتی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ ان کا ایک پڑوسی کسی سخت بیماری میں مبتلا ہوا وہ اپنی عقیدت و ارادت کی بنا پر حقائق و معارف آگاہ حضرت بہار الدین فقیر گودڑیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کا حال سن کر مراقبے میں سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ تم نے کسی صاحب دل کو اپنی کسی حرکت سے تکلیف پہنچائی ہے، ان کی بددعا کا تیر تمہارے وجود میں اس طرح بیٹھا ہے کہ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر وہ تیر تمہارے جسم سے نہیں نکلتا، تمہارا چارہ کا میری دسترس سے باہر ہے، لیکن تمہارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی ہیں جو بہت بڑی صاحبہ دل، پارسا، متقی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ ہیں، ان کا نام بی بی رانی ہے۔ تم ان کی طرف رجوع کرو۔ میرا خیال ہے کہ ان کی دُعا سے تمہاری مشکل حل ہوگی۔ وہ شخص فوراً ہی بی بی رانی کی خدمت میں پہنچا، اور



نہایت ہی مضطرب ہو کر اپنی تکلیف اُن سے بیان کی۔ بی بی رانی نے فرمایا کہ پریشان  
 مت ہو، انشاء اللہ تم اچھے ہو جاؤ گے، پھر فرمایا کہ میں گوشتہ تنہائی میں اپنی  
 زندگی گزارتی تھی اور کوئی مجھ سے واقف نہ تھا، اب عالم آشکارا ہو کر زندگی  
 کا کوئی لطف نہیں۔ اس لئے دنیا سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے۔ آپ کی اس  
 بشارت کے تیسرے روز اُس شخص نے اپنی بیماری سے صحت پائی۔ اور اسی دن  
 بی بی رانی نے وفات پائی اور مٹھٹھ کے محلہ تندر میں مدفون ہوئیں۔

بی بی رانی کے تمام حالات تحفۃ الطاہرین ص ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں۔



# بی بی فاطمہ

معروفہ

# بی بی حاجیانی

**نام و عرف** اصل نام فاطمہ تھیں۔ مٹھٹھ کی رہنے والی تھیں۔ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آئیں تو لوگوں میں بی بی حاجیانی کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔

**عبادت و ریاضت** حافظ قرآن مجید تھیں، اور تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئیں تو دوران سفر میں رات اور دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتیں اور اس کا ثواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشی تھیں۔

**استجاب دعا** مستجاب الدعوات تھیں۔ مشہور ہے کہ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر حرمین شریفین سے واپس ہونے لگیں تو راستے میں سمندر میں ایسا خوفناک طوفان آیا کہ جو مسافر کشتی میں سوار تھے۔ ان کی جان کے لالے پڑ گئے اور ہر ایک اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ مسافر پریشان ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپ مستجاب الدعوات ہیں



دُعا فرمائیے کہ ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ بی بی حاجیا بی نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی تضرع اور زاری سے کہا۔ اہلی میں تیری رضا پر راضی ہوں، اور تیرے حکم کے سپرد اپنی جان کرنی ہوں، لیکن یہ تیرے ضعیف بندے تیرے کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان کے حال پر رحم کرو اور ان کی مصیبت کو آسان فرما۔ ابھی وہ دُعا ہی میں مصروف تھیں کہ طوفان رُک گیا اور کشتی کو مخالف ہواؤں سے نجات حاصل ہوئی، سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

**مدفن** | بی بی قاطمہ ٹھٹھ کے قبرستان مکلی میں مدفون ہیں اور آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الہارین ص ۱۹۷ سے ماخوذ ہے۔



(۵۷)

# بی بی نور بھریؒ

## حالات

آپ کا نام بی بی نور بھری تھا۔ اور قوم دبہ گراں سے تعلق رکھتی تھیں  
آپ پر جذب و سلوک کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ صاحب تحفۃ الکرام کا بیان  
ہے کہ وہ اپنے وقت کی رابعہ ثانی تھیں۔ آپ کا مزار نصر پور کے بازار میں  
زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

تمام شد

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ سے ماخوذ ہے۔  
موسسپرائٹ انگریز پریس کراچی











# ہماری کتابیں

\* چند ہم عصر

ڈاکٹر مولوی عبدالحق ۶ - ۸ - ۰

\* انسان کی کہانی (انسانی تہذیبیں)

علاؤالدین خالد ۳ - ۸ - ۰

\* اسلامی تقاریب

غلام دستگیر رشید ۲ - ۰ - ۰

\* فکر اقبال

غلام دستگیر رشید ۲ - ۰ - ۰

\* اسباب بغاوت ہند

سر سید احمد خان  
مقدمہ ڈاکٹر ابوالایٹ صدیقی ۲ - ۸ - ۰

\* ابراہام لنکن

اسٹرننگ نارتھ  
ترجمہ حامد حسین قادری ۳ - ۳ - ۰

\* مذہب و شاعری

ڈاکٹر اعجاز حسین ۵ - ۸ - ۰

\* فتح المجاہدین

ڈاکٹر محمود حسین خان ۱۵ - ۰ - ۰

\* ظہیر الدین بابر

ڈاکٹر احمد بشیر ۱ - ۸ - ۰

\* اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

مولانا شبلی نعمانی ۱ - ۱۲ - ۰

دفتر مغربی پاکستان

## آرڈر مرکز گنپت روڈ لاہور

قیمت: سات روپے آٹھ آنے



# ہماری کتابیں

\* چند ہم عصر

ڈاکٹر مولوی عبدالحق ۶ - ۸ - ۰

\* انسان کی کہانی (انسانی تہذیبیں)

علاؤالدین خالد ۳ - ۸ - ۰

\* اسلامی تقاریب

غلام دستگیر رشید ۲ - ۰ - ۰

\* فکر اقبال

غلام دستگیر رشید ۲ - ۰ - ۰

\* اسباب بغاوت ہند

سر سید احمد خان  
مقدمہ ڈاکٹر ابوالایٹ صدیقی ۲ - ۸ - ۰

\* ابراہام لنکن

اسٹرننگ نارتھ  
ترجمہ حامد حسین قادری ۳ - ۳ - ۰

\* مذہب و شاعری

ڈاکٹر اعجاز حسین ۵ - ۸ - ۰

\* فتح المجاہدین

ڈاکٹر محمود حسین خان ۱۵ - ۰ - ۰

\* ظہیر الدین بابر

ڈاکٹر احمد بشیر ۱ - ۸ - ۰

\* اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

مولانا شبلی نعمانی ۱ - ۱۲ - ۰

دفتر مغربی پاکستان

## آرڈر مرکز گنپت روڈ لاہور

قیمت: سات روپے آٹھ آنے



164

تذکرہ  
صوفیائے  
سیندھ

اعجاز الحق قدوسی

اردو اکیڈمی سیندھ کراچی